تاریخ المسعودی

شہرۂ آفاق عربی کتاب

مروج الذہب و معادن الجواہر

کا اردو ترجمہ

اوّل - دوم

تصنیف :

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ ۳۴۶ھ

اِمام المورخین ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی

تحقیق مزید : پروفیسر اسعد داغر ماہر فنون مکتبیات و بائلوگرافی (لبنان، بیروت)

اردو ترجمہ : پروفیسر کوکب شادانی

بی۔ اے۔ آنرز (علیگ)، ایم اے۔ ایم او ایل (پنجاب)، ایم اے انگلش (آگرہ)

ایم اے تاریخ اسلام و اسلامیات (ناگپور)، فاضل ادبیات عرب (الٰہ آباد) سابق پروفیسر

ڈیلی کالج (اندرون سنٹرل انڈیا)، والفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی

کتاب کا نام
مروج الذہب ومعادن الجواہر
ایڈیشن : ——— اوّل
مصنف : ——— ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی
ترجمہ : ——— پروفیسر کوکب شادانی۔ ایم اے
ضخامت : ——— حصہ اوّل دوم ۷۶۰ صفحات
مقام اشاعت : ——— نفیس اکیڈمی۔ اسٹریچن روڈ کراچی
سال اشاعت : ——— نومبر ۱۹۸۵ء
فون : ۲۱۳۳۰۳

عرضِ ناشر

مسلمانوں میں تاریخ نویسی کی ابتدا علم مغازی سے ہوئی۔ بعد میں یہی علم تاریخ نویسی کا سنگ بنیاد ۔۔ت ہوا اور مسلمانوں نے اس سلسلہ میں جو محنت اور ریاضت کی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعض ۔۔ب خانوں میں تاریخ کے موضوع پر بیک وقت دو دو سو اور ڈیڑھ ڈیڑھ سو کتابیں مختلف صاحبان سیر و رجال کی ۔۔ی رہتی تھیں۔ تاریخ نویسی کا میدان بہت وسیع ہے۔ لکھنے والوں نے اس کو کتنے خانوں میں منقسیم کر دیا ہے کہ ان پر الگ ۔۔لگ بحث کی جائے تو خاصے صفحات درکار ہوں گے۔ اس کے باوجود یہ امر ثابت ہے کہ مسلمانوں نے جغرافیہ، تہذیب، تمدن اس کے متعلقات کو تاریخ نویسی کے موضوع میں شامل کر لیا تھا جس کی وجہ سے ان کی کتابیں معلومات کا ایک اہم اور ۔۔تی ذخیرہ بن گئیں۔ جب اس نقطہ نظر سے ہم ابوالحسن بن علی بن الحسین علی المسعودی کی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ۔۔ہ چلتا ہے کہ ایسی تاریخ نویسی کے باب میں اس کا کوئی مد مقابل اور حریف نہیں ہے جنہوں نے تاریخ کے دامن کو اس قدر وسیع اور کشادہ کر دیا ہے کہ اس کی حیثیت ایک انسائیکلو پیڈیا کی ہو گئی۔

المسعودی چوتھی صدی ہجری کا مشہور جغرافیہ نویس، عظیم سیاح اور نامور مورخ تھا۔ اس کا سلسلہ نسب مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود سے ملتا ہے۔ اس کے والد الحسین بن علی نے بنو عباس کے زمانے میں کوفہ سے ہجرت کی تھی اور بغداد کو اپنا وطن بنایا تھا۔ عباسیوں کی علم دوستی اور ہنر شناسی کی وجہ سے بغداد کی حیثیت ایک دارالعلوم ۔۔ما ہو گئی ہے۔ دنیا بھر کے صاحبان علم و فضل وہاں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان کی درس و تدریس کی مجالس سے روزانہ سینکڑوں طالبان علم استفادہ کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ ان میں وہ طالبان علم بھی شامل تھے۔

جنہوں نے بعد میں مختلف علوم و فنون میں بڑا نام پیدا کیا اور مغربی مفکروں اور اسکالروں سے اپنی عظمت اور بزرگی تسلیم کروائی۔

مسعودی بغداد میں پیدا ہوا تھا کسی تذکرہ میں اس کی تاریخ ولادت کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی جو بنو عباس کے دور کے نامور علما اور فضلا میں شمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد اس نے مختلف درسگاہوں کا رُخ کیا اور مختلف احباب علم سے تحصیل علم کی۔ اس طرح اسے فقہ، حدیث، قانون، حکمت اور اخلاق اور اسی قسم کے دوسرے موضوعات پر اسے مکمل عبور اور مہارت حاصل ہو گئی جوں جوں اس کی معلومات میں اضافہ ہوتا گیا اس کے شوق کی وسعتیں مزید پھیلتی گئیں۔

اس نے ان موضوعات پر قناعت کرنے کی بجائے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور تاریخ پر توجہ کی۔ چونکہ اس کا ذہن تجسس کا عادی تھا اور مہم جوئی اس کی فطرت ثانی بن چکی تھی۔ اس لئے اس کو فن میں اختصاص قائم کرنے کے اچھے مواقع ملے۔ اس نے اپنی طالب علمی ہی کے دور میں فیصلہ کر لیا کہ وہ مختلف ملکوں کی سیاحت کر کے وہاں کے مختلف شہروں، خطوں، اقوام اور طرز معاشرت کا مطالعہ کرے گا اور دیکھے گا کہ دنیائے عرب سے قطع نظر دوسرے اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کی تہذیبی ثقافتی اور سماجی خصوصیات کیا ہیں۔ اگرچہ اس فیصلہ پر عمل کرنا اس کے لئے آسان نہیں تھا لیکن بعض تجارتی قافلوں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ اس نے بعض تجارتی قافلوں کے ساتھ ابتدا میں ملتان، منصورہ، قنوج اور کھمبائت کی سیاحت کی۔ وہاں کے باشندوں کے علاوہ ان کی تاریخ و تہذیب کے عناصر ترکیبی معلوم کئے۔ ان کے طبعی اور موسمی خواص کا اندازہ لگایا۔ پھر سراندیب اور لنکا کا رُخ کیا ان ملکوں میں بدھ مت کے ماننے والوں کی تہذیب دیکھی۔ پھر ایک تجارتی قافلہ کے ذریعہ چین کا قصد کیا۔

اگرچہ اُس وقت کا چین آج کے چین سے بہت مختلف تھا۔ اس کی وسعت اس قدر تھی کہ عام مسافروں کا وہاں تک پہنچ جانا ممکن نہیں تھا۔ اس کے باوجود مسعودی نے چین جانے کے لئے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور بالآخر اسے ایک ایسا قافلہ مل گیا۔ اس نے اس کی معیت اور نگرانی قبول کی اور موسموں کی سختیاں برداشت کرتا ہوا اس کے ساتھ ہو گیا۔ گو چین میں زیادہ گھومنے پھرنے کا موقع نہ ملا لیکن اس کے سرحدی شہروں سے اس نے اس کی تہذیبی اور سماجی خصوصیات معلوم کر لیں۔ ان کے رہن سہن اور بود و باش کا اندازہ لگایا جب اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ چین کے دور دراز علاقوں کی سیاحت نہیں کر سکے گا تو وہ واپس لوٹ آیا۔ چنانچہ اس نے اس سفر کی جانگداز تھکن کے بعد کچھ دنوں بغداد میں قیام کیا اور پھر اسلامی ممالک کی سیاحت پر کمر باندھی۔ اس مرحلہ پر اس کی نگاہ میں عمیق بینی اور گہرائی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کے پاس ایسی کتابوں اور معلومات کا وافر ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا جو اس کی تصانیف میں خام مواد کے طور پر کام آئے لیکن اس کی علمی روح بے چین اور مضطرب تھی۔ وہ شام، مصر، انطاکیہ اور اس قسم کے دوسرے شہروں کی مہم پر روانہ ہونا چاہتا تھا۔ چنانچہ جب اس کے پاس سفر کے لئے ایک معقول رقم جمع ہو گئی تو اس نے بغداد کی حدود سے قدم باہر نکالے اور کئی ملکوں کی سیاحت پر روانہ ہو گیا۔ اس

طرح اُس کی زندگی کا ایک بہت بڑا حصّہ سفر میں گزرا۔ اس نے ۳۴۶ھ ہجری میں خسطاط کے مقام پر وفات پائی۔

مسعودی کے تحقیقی اور علمی کارناموں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس نے سب سے پہلے تاریخ الزماں کے نام سے ایک ضخیم کتاب تصنیف کی تھی۔ اس کی ضخامت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی تیس جلدیں تھیں جن میں سے صرف ایک باقی رہ گئی۔ باقی جلدوں کو زمانے نے طاقِ نسیاں پر رکھ دیا یا وہ امتدادِ حالات سے گمنامی کے پردے میں جا پڑیں اس وقت ان کا ایک بھی نسخہ کسی کتاب خانے میں نہیں ملتا ہے۔ یہ کتاب اپنے معلوماتی موضوعات اور حیرتناک تجربات کی بنا پر بہت اہم تھی۔ لیکن اس کا نقل کرنا یا پڑھنا ہر ایک کے لئے ممکن نہیں تھا۔ غالباً مسعودی نے اس امر کو محسوس کر لیا تھا اور جانتا تھا کہ لوگ پوری طرح اس سے استفادہ نہیں کر سکیں گے۔ اس بنا پر اس نے اس کی تلخیص کی اور اس کو مروج الذہب ومعادن الجوہر کے نام سے چار جلدوں میں مرتب کیا۔

مسعودی نے مروج الذہب معادن الجواہر کا پہلا مسودہ ۳۳۶ھ میں لکھا تھا۔ اس کے بعد اس نے دس سال تک اس پر نظرثانی کی اور اس میں بے پناہ اضافہ کیا جس کی وجہ سے اس کی اہمیت پہلے سے کئی گنا زیادہ ہو گئی۔ اس کتاب میں انبیائے کرام کے حالات و کوائف سے لے کر اپنے دور تک کے حالات کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اس کتاب کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس میں جغرافیہ اور فلکیات کا تناسب دوسرے اصنافِ علم سے زیادہ ہے لیکن اس سے اسکی تاریخی حیثیت میں کسی بھی قسم کا فرق نہیں پڑتا ہے اس لئے کہ اس میں اسلام سے پہلے کی قدیم دنیا کی ممتاز اور مہذب اقوام کے تذکرے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا تک کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اُن لوگوں کو بھی مطمئن کرتی ہے جو تاریخ میں جغرافیہ، فلکیات، قانون، حکمت اور عجائبات کو پڑھنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں جہاں مختلف ملکوں کے عجائب الخلقت اور گراں قدر جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے وہیں اس میں ہمیں علاقائی موضوعات، پودوں، جڑی بوٹیوں، پتھروں اور مشک وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کے لکھتے وقت مسعودی کے پیش نظر کیا کیا امور رہے تھے۔

اس کتاب یعنی مروج الذہب ومعادن الجواہر کو جو مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی تھی اس کا اندازہ لگانے کے لئے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ بعد کے تمام مورخوں نے جن میں ابن خلدون بھی شامل ہے اس کے بیشتر مضامین سے استفادہ کیا ہے۔ ابن خلدون کی پوری تاریخ اسی زاویۂ خیال اور نقطہ نظر کی وضاحت کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یورپ کی کئی زبانوں میں اسے عربی سے منتقل کیا ہے۔

سب سے پہلے نفیس اکیڈمی کراچی نے اس کتاب کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ یہ کتاب ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے اردو دانوں تک نہیں پہنچ سکی۔ چنانچہ ہمارے ادارے نے خطیر رقم صرف کر کے ملک کے جید عالموں سے اس کا ترجمہ کروایا تاکہ یہ اردو داں طبقہ کے ذہنوں میں اُجالا پیدا کرے اور چوتھی صدی ہجری کی وہ معلومات مہیا کرے جس نے تمام دنیا کو حیرت زدہ کر رکھا تھا۔

نفیس اکیڈمی نے اس سے پہلے بھی ایسی کئی مستند اور امہات الکتب کو اردو میں ترجمہ کروا کے شائع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی مسعودی کی مروج الذہب و معادن الجواہر بھی ہے۔ مجھے امید ہے کہ ادارہ کی کوششوں کو سراہا جائے گا اور پسند کیا جائے گا۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کی جانب سب سے پہلے میرے والد اقبال سلیم گاہندری مرحوم نے توجہ دلائی تھی۔ وہ اس کو چھاپنا اور اردو دانوں تک پہنچانا چاہتے تھے لیکن ان کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ اب میں نے بڑی سعی و کاوش کے بعد اسے خاص اہتمام سے شائع کیا ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی روح خوش ہوگی بلکہ اس کے پڑھنے والوں کی معلومات میں بھی بے حد اضافہ ہوگا۔ میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنی رائے مرحمت فرمائیں کہ میں ان کی دعاؤں اور خلوص کی بدولت ہی اس مہتمم الشان کتاب کی اشاعت میں کامیاب ہوا ہوں۔

چوہدری طارق اقبال گاہندری

مورخہ ۱۸ / نومبر ۱۹۸۵ء

فہرست مضامین

پیش لفظ

"امام المؤرخین" ابن خلدون کے بعد دُنیا کا عظیم ترین مؤرخ المسعودی اپنے تبحر علمی اور وسیع تاریخی معلومات کی بناء پر مشہور ترین عالمی مؤرخین میں اپنا ثانی نہیں رکھتا، مشہور فرانسیسی مؤرخ فان کریمر کا اسے عرب کا "ہیروڈوٹس" لقب دینا (۱) اور ایک دوسرے مشہور مؤرخ فاز لیف کا اس کی نادر و نایاب تصنیفات و تالیفات پر بے لاگ تبصرہ کرتے ہوئے فان کریمر کی تصدیق کرنا (۲) اس کے لاثانی علمی و تاریخی کارناموں کے پیش نظر ذرا بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔

المسعودی کی نادر و نایاب مشہور عالم کتاب "مروج الذہب و معادن الجوہر" کے زیر نظر ترجمے کے اگلے صفحات میں نسخۂ عربی کے مترجم استاد یوسف داغر کے قلم سے اس کا کسی قدر تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے جس سے مذکورہ بالا کتاب اور اس کے زیر نظر ترجمے کی اہمیت و ضرورت کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد اس سلسلے میں راقم الحروف کا مزید کچھ عرض کرنا تحصیل حاصل کے مترادف ہوگا۔ واضح رہے کہ المسعودی کی جملہ تصنیفات و تالیفات کی اکثریت اب نایاب ہے، تاہم اس کے معلوم قلمی کارناموں اور ان پر تحقیقی کتابوں کی درج ذیل فہارس پر جن کی مدد سے "مروج الذہب" کے فرانسیسی اور عربی نسخے جن میں سے موخر الذکر کا اُردو ترجمہ آئندہ صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ایک نظر ڈال لینا زیر نظر ترجمے کی اہمیت و ضرورت واضح تر کر سکے گا۔

فہرست معلوم تالیفات المسعودی

المسعودی کی جن چند معلوم تالیفات کی بنیاد پر "مروج الذہب" کے قدیم عربی نسخے اور فرانسیسی کا وہ نسخہ جس کے عربی

(۱) ثقافۃ الشرق ۲ : ۴۲۳ (۲) العرب والروم ص ۲۸۳

ترجمے سے زیر نظر اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے:-

۱۔ مقدمہ التنبیہ والاشراف : یہ مقدمہ المسعودی کے سوانح حیات اور اس کی ان تالیفات کے جزوی بیانات پر مشتمل ہے جو DEGOEJ - نے اپنے فرانسیسی نسخے کے صفحہ ۲ اور صفحات ما بعد میں تحریر کیا ہے DEGOEJ کے مذکورہ فرانسیسی نسخے اور اس پر موصوف کے اس مقدمہ کا ماخذ - MARBIER DEMEYNARD کی تحریر کردہ مُروج الذہب کی ۹ جلدوں کی تالیفات اور نویں جلد میں ان کی وہ تلخیصات ہیں جو اس جلد کے صفحہ ۳۰۲ و صفحات مابعد میں درج ہیں۔

۲۔ "اخبار الزمان و حوادث عالم" : المسعودی کی یہ کتاب اولاً ۳۰ جلدوں میں تھی جس کی اب صرف ایک جلد" ویانا" کے ذاتی کتب خانے کے محفوظ مخطوطات میں پائی جاتی ہے۔ المسعودی نے ۳۰ جلدوں پر مشتمل اس کتاب کے مندرجات کو مختصر کر کے اپنی ایک دوسری کتاب موسومہ "کتاب الاوسط" میں درج کیا اور ازاں بعد ان مختصرات کو کسی قدر پھیلا کر اپنی مشہور عالم کتاب "مُروج الذہب" میں جمادی الاول ۳۳۲ھ (تقریباً ۹۴۷ م) میں لکھا اور اس پر ۳۴۵ھ / ۹۵۶ م میں نظر ثانی کی۔

"مُروج الذہب" کا یہی وہ نسخہ ہے جو فرانسیسی میں ۹ جلدوں پر مشتمل ہے اور اس کی اشاعت بعد از تحقیقات و کارہائے بسیار ۱۰ سال کی مدت (۱۸۶۱-۱۸۷۱) میں محترم اساتذہ ڈی مینار اور کارٹیل کی مساعی جمیلہ سے پیرس کے ایک مقامی پریس میں اختتام پذیر ہوئی - پھر یہی کتاب چار جلدوں پر مشتمل قاہرہ میں ۱۹۴۸ء میں چھپی، جس کی تحقیق و ترتیب کا سہرا مقتدر و محترم عالم و مصنف محمد محی الدین عبدالحمید کے سر ہے۔ اسی طرح اس کتاب کی اشاعت ابن اثیر کی "تاریخ الکامل" کے طرز پر مصر میں ۱۳۰۳ھ میں ہوئی جو ۱۰ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی کتاب کی، احمد المقری کی مرتب کردہ ایک جلد بولاق میں ۱۸۸۳ء میں شائع ہوئی جو "نفح الطیب" کے نام سے موسوم ہے۔

۳۔ "کتاب القضایا والتجارب" جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ المسعودی کے دورانِ سیاحت و سیر و سفر مشاہدات و تجربات پر مشتمل ہے۔

۴۔ "ذخائر العلوم و ما کان فی سالف الدھور" (علمی ذخائر اور ازمنۂ سلف کے حالات و کوائف)

۵۔ "کتاب الرسائل والاستذکار لما مرّ فی سالف الاعصار" (اس کتاب کا موضوع بحث بھی وہی ہے جو مندرجہ بالا چوتھی کتاب کا ہے)

۶۔ "کتاب التاریخ فی اخبار الامم من العرب والعجم" المسعودی کی تاریخ عالم پر یہ مؤقر کتاب اپنے موضوعات و مباحث کے لحاظ سے بے مثل تصنیف ہے جسے عجائبات عالم میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

۷۔ "کتاب الخزائن الملک وسر العالمین" مندرجہ بالا چھٹی کتاب کی طرح المسعودی کی دنیا بھر کے فطری نشان اور اسرار کائنات پر یہ علمی تاریخی کتاب بھی بلحاظ موضوعات متجملہ نوادرات ہے۔

۸۔ "کتاب المقالات فی اصول الدیانات" (دیانات پر مبنی اصولوں پر مقالات)

۹۔ "کتاب التنبیہ والاشراف" یہ کتاب جس پر DE GOEJ کے مقدمہ کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے DE GOEJ نے پہلے لیڈن میں شائع کی (۱۸۹۴ء) پھر اس کا فرانسیسی ترجمہ مستشرق CARRA DEVAN نے LELIURE DE LAVERTISSMENT AND REVISION کے عنوان سے ۱۸۹۶ء میں شائع کیا۔

۱۰۔ "کتاب الاستبصار فی الامامۃ"۔ اس کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔

۱۱۔ اخبار الخوارج

۱۲۔ البیان فی اسماء الائمۃ ۔ الابانۃ عن اصول الدیانۃ ۔ المسائل والعلل فی المذاہب والملل سر الحیاۃ ۔ اس کتاب میں المسعودی نے ادیان و مذاہب، سیرۃ ائمہ (اصول دیانت کے لحاظ سے) اور اسرار حیات پر علم النفس کے تحت گفتگو کی ہے اور سچ یہ ہے کہ اس مشکل موضوع سے بھی بطریق احسن گذرا ہے۔

"مروج الذہب" پر المسعودی کے اضافی مقالات اس کی دوسری تصانیف "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کثرت سے ملتے ہیں۔ درحقیقت "مروج الذہب" میں اس نے اپنے سیر و سفر اور مشاہدات و تجربات کی بنیاد پر جن تاریخی مباحث پر گفتگو کی ہے وہ اس کی ذاتی یادداشتوں پر مبنی ہیں جن کا زمانہ ۳۳۲ھ تک محدود ہے لیکن اس کی آخر عمر تک اس پر اضافی گفتگو کی کوشش بھی جو عالمی تاریخی و جغرافیائی حوادث پر مبنی ہے کسی تخیلی عمل کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کے ذاتی مشاہدات و تجربات کی روشنی میں عمل پذیر ہوئی ہے جو کسی دوسری جگہ نایاب ہے۔ (۱)

فہرست تحقیقی ماخذ و مراجع

(الف) عربی ماخذ بہ اصول قدیم (ان ماخذ و مراجع سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عربی میں اب تک "مروج الذہب" اور خود المسعودی پر کتنا کام ہو چکا ہے)

---

(۱) المسعودی کی تصنیفات کی یہ فہرست "مروج الذہب" مطبوعہ بیروت سے ماخوذ ہے لیکن اس کی تشریحی اضافے راقم الحروف کے ہیں (کوکب)

۱- فہرست ابن ندیم : ۱۰۴

۲- معجم الادبا ، یاقوت ، ۵ : ۱۴۷

۳- فوات الوفیات ، ابن شاکر کتبی ۲ : ۴۵

۴- تذکرۃ الحفاظ ، ذہبی ۳ : ۴۵

۵- طبقات الشافعیہ ، سبکی ۲ : ۳۰۷

۶- لسان المیزان ، ابن حجر عسقلانی ۴ : ۲۲۴

۷- روضات الجنات ، خوانساری : ۳۷۹-۳۸۲

۸- کتاب الرجال ، نجاشی :

۹- کشف الظنون ، حاجی خلیفہ (فی اماکن مختلفہ)

۱۰- النجوم الزاہرہ ، ابو المحاسن بن تغری بردی ۳ : ۵۱۳

۱۱- ابو علی ، منتہی المقال : ۲۱۲

۱۲- مختصر الدول الاسلامیہ ۱ : ۱۶۷

کتب بحث برائے مراجع

۱- جرجی زیدان - تاریخ آداب لغات عربی ۲ : ۳۱۳

۲- جرجی کنعان : ۲۷۴

۳- الزرکلی - الاعلام ، اشاعت اول ۱ : ۶۶۶
طبع ثانی ج ۵ : ۸۷

۴- البغدادی ، ایضاح المکنون ۱ : ۱۸۳
" ہدیۃ العارفین ۱ : ۶۷۹

۵- علی ابراہیم الحسن - استخدام المصادر و
طرق البحث : ۸۵

۶- محسن الامین العاملی - اعیان الشیعہ ۲۱ : ۱۹۸-۲۱۳

۷- آغا بزرگ الطہرانی - الذریعہ الی مولفات الشیعہ ۳ : ۳۴۷

۸- علی مبارک ، الخطط الجدیدۃ ، ۱۵ : ۳۷

۹- میرزا محمد - نہج المقال ۲ : ۲۸۲

۱۰- المامقانی - تنقیح المقال ۲ : ۲۸۲

۱۱- داؤد الجلبی - مخطوطات الموصل : ۱۲۲

۱۲- عباس قمی - فوائد الرضویہ ۱ : ۲۷۷

۱۳- عمر رضا کحالہ - معجم المولفین ۷ : ۸۰-۸۱

۱۴- سرکیس - معجم المطبوعات ، ۳ : ۱۴۴

مقالات و مجلات عربی

۱- علی ادہم - الثقافت ، ۱۲ شمارہ ۶۰۹ : ۹

۲- عبدالوہاب حمودہ - الحدیث ۱۴ : ۱۹۲-۱۹۶

۳- عیسیٰ اسکندر المعلوف - النعمۃ
۱ : ۴۶-۸۱ و ۱۰۹-۱۱۱

۴- المشرق ، مجلہ - المسعودی اور اس کی کتاب
اخبار الزمان ۱۲ : ۶۳۸

(ب) یورپی ماخذ :-

(1) K. BROCKELMANN - G.A.L. VOL 1: 140-143

(2) QUATREMERE, DS-J-A, SIRIE III, VOL-VIII PAGE [illegible]-31

(3) NICHOLSON - LITEARY MISTORY OF THE ARABS, 2ND EDITION-PAGES [illegible]50-54

(4) ENCYCLOPIDIA OF ISLAM, VOL. III-P. 403 (PAR BROCKELMANN)

(5) ENCYCLOPIDIA BRITANICA, EDITION 1963; VOL. 15: P. 44

(6) MINGANA CATALOGUE OF ARABIC MANUSCRIPTS, 381, 382.

(7) DE SLANE - CATALOGUE DIS MANUSERIPTS ARABES, 1:283, 248

(8) AHLWARDT - VERZEICHNISS DER ARABISCHEN HANDSCHRIFTEN, IX: 38-42

(9) ISLAMIC CULTURE, XXVII: 275-286; 509-525 (۱)

واضح رہے کہ مندرجہ بالا فہارس میں ماخذ و معارج کے مؤلفین و مرتبین میں ممتاز مسلم مؤرخین اور عربی زبان و ادب کے مسلم الثبوت ماہر و ادیب جرجی زیدان کے علاوہ جن کا تعلق مشرقی ممالک سے تھا یا ہے۔ یورپی ادب و ثقافت کے چاروں نمائندہ اہم ممالک یعنی انگلستان، فرانس، اٹلی، اور جرمنی کے ممتاز ترین علمی و ادبی ادارے اور مستشرقین شامل ہیں جس سے زیر نظر ترجمے کے ان قارئین پر جن کی عربی اور یورپی زبانوں تک دسترس نہیں ہے۔ شہرہ آفاق عربی مؤرخ و عالم المسعودی اور اس کی گراں قدر تالیف "مروج الذہب" کی اہمیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

زیر نظر ترجمہ راقم الحروف نے مفتی محمد بن یحییٰ بن ابوبکر مالکیؒ کی نادر و نایاب تالیف "النہیان فی شہادت عثمان رضؓ" کے اردو ترجمے مطبوعہ نفیس اکادمی کراچی (۱۹۷۸ء) کا پیش لفظ لکھتے ہوئے اس کی

---

(۱) منقول از فہارس مرتبہ استاد یوسف داغر۔ مشمولہ نسخہ عربی طبع اول (۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء ص۳ (کوکب)

آخری سطور میں عرض کیا تھا کہ ترجمہ بجائے خود کوئی تحقیقی کاوش نہ سہی لیکن وہ بھی اپنی جگہ ایک الگ فن ہے اور اہل علم و نظر اس کے نکات و رموز سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں اس اجمالی گزارش کی تھوڑی سی تفصیل پیش کرنا اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ مذکورہ بالا کتاب جسے مرتب کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد یوسف نزاید پروفیسر تاریخ عرب امریکن یونیورسٹی بیروت (لبنان) نے صرف اس کا تعارف جدید عربی میں تحریر کیا ہے ورنہ اصل کتاب نہایت سلیس و فصیح قدیم حجازی عربی زبان میں قلم بند کی گئی ہے جو حضرت عثمان رضؓ کی حیات اور آپ کی شہادت کے تاریخی واقعات تک محدود ہے جب کہ "مُرُوجُ الذہب" کے شہرہ آفاق مؤلف نے جس نے تیسری صدی ہجری کا دَورِ آخر اور چوتھی صدی کا نصف حصۂ اوّل از مشرق تا مغرب سیر و سفر اور ان کے مختلف ممالک کی سیاحت میں گزارا ہے اس لیے المسعودی کی وہ یادداشتیں جن پر اس کی دوسری تالیفات کے علاوہ "مُرُوجُ الذہب" کی تدوین کا بھی انحصار ہے اس کی عمر کے آخری دس سال میں ضبط تحریر میں آئی ہیں جو اس نے مستقلاً مصر و شام کے درمیان بار بار آمد و رفت میں گزارے ہیں، لہٰذا فطری طور پر اس نے اپنی مذکورہ بالا یادداشتوں کی بنیاد پر "مُرُوجُ الذہب" اور جو دوسری کتابیں لکھی ہیں وہ اس کے مولد عراق اور مصر و شام کی ترقی یافتہ علمی زبانوں میں ہیں۔ مزید برآں المسعودی نے "مروج الذھب" میں جن کائناتی موضوعات پر گفتگو کی ہے ان کی وضاحت کے لیے یا تو اسے مدینۃ العلم بغداد کی مرکزی لائبریری کے ان تراجم کو کھنگالنا پڑا ہوگا جو یونانی کے علاوہ دنیا بھر کے علمی ذخائر سے علم دوست عباسی خلیفہ المامون کے زیر فرمان مروجہ عربی میں منتقل کیا جا چکا تھا اور قیاس کہتا ہے کہ اس نے تمام تر وہی علمی، سائنسی اور فنی مصطلحات اپنے مشاہدات اور تجربات سے موازنہ کر کے اپنی گراں قدر تالیف "مروج الذہب" کی ان آخری ۹ یا ۱۰ جلدوں میں استعمال کی ہوں گی جو اس کی پہلی تالیف "اخبار الزمان" اور ایک دوسری تالیف "کتاب الاوسط" میں پہلی ۳۰ جلدوں کو سمیٹ کر لکھا گیا لیکن اٹھارھویں صدی میلادی میں ان ۱۰ جلدوں میں سے بھی صرف ایک جلد علم دوست اور علمی ذخائر کے قدر دان اطالوی مستشرق فینیا کے ذاتی کتب خانے میں دستیاب ہو سکی لیکن وہ ایک جلد بھی درحقیقت بلا مبالغہ "خزینۃ العلوم" کہلانے کی مستحق ہے اور وہی جلد پہلے لیڈن میں انگریزی میں اور پھر اصل عربی نسخے سے موازنے اور اس پر مزید تحقیق کے بعد اسے فرانسیسی میں منتقل کیا گیا، پھر اسے عربی زبان کے فاضل استاد یوسف اسعد داغر نے فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور انگریزی اور فرانسیسی کی طرح اسے بلحاظ موضوعات چار حصوں میں تقسیم کر کے شائع کیا ہے۔ اسی عربی ترجمے سے جو بیروت میں (چار جلدوں میں پہلی بار) ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں طباعت پذیر ہوا زیر نظر

اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں اس طویل گفتگو کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ زیرِ نظر ترجمے کے محترم قارئین کو اس کے مطالعے سے قبل معلوم ہو جائے کہ المسعودی نے "مُرُوجُ الذہب" میں کن کائناتی موضوعات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے جسے کسی واہمے یا صرف تخیل کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا۔

"مُرُوجُ الذہب" کے جن مختلف موضوعات و مباحث کو ان کے مصادر و مراجع کی کثیر تعداد پر جن کی فہرستیں سطور بالا میں پیش کی گئی ہیں "دس برس کی تحقیق اور محنت شاقہ کے بعد حالیہ چار جلدوں میں سمیٹ کر پیش کیا گیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

منطق، اصول منطق، فلسفہ، سائنس، تصوف، طبیعات، مابعد الطبیعات، ہیئت، نجوم، طب نفسیات، علم الارض، علم حیوانات، نباتیات، کیمیا، ریاضی، علم الما، تجربات، ہندسہ وغیرہم۔

ان موضوعات و مباحث پر غور کرنے کے بعد کسی مترجم کی مشکلات کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں ہوگا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس کے لیے دونوں زبانوں پر یعنی اس زبان پر جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور اس زبان پر جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے عبور حاصل ہونا ضروری ہے، دوسری بات جو پہلی بات سے بھی زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس میں ان موضوعات اور مباحث کے رموز و حقائق کے استنباط کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو۔

راقم الحروف نے اس سلسلے میں کامل الفن ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا بلکہ اسے تو اپنی ہیچ میرزی و ہیچمدانی کا اعتراف دوسروں سے آج تک کہیں زیادہ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی علمی خدمات میں تعاون کا جذبہ بھی قادر مطلق نے اپنے فضل و کرم سے ناچیز راقم الحروف کو بدرجہ اتم عطا فرمایا ہے۔ یہاں ان علمی خدمات کا ذکر غالباً بے محل نہ ہوگا جو نفیس اکادمی کے مؤسس اور مالک مرحوم چوہدری محمد اقبال سلیم گاھندری پہلے حیدر آباد دکن پھر کراچی میں تاریخی سلسلے کی اہم ترین عربی تصنیفات و تالیفات کے اُردو تراجم شائع کر کے عمر بھر جلب منفعت کا خیال کیے بغیر ایک قومی فرض سمجھ کر بجا لاتے رہے۔ موصوف کے اسی جذبہ خدمت نے مجھے پہلے مفتی محمد یحییٰ بن ابی بکر مالکیؒ کی بے نظیر حقیقت آفریں تاریخی تالیف "النہیان فی بیان شہادت عثمانؓ" کا اُردو ترجمہ "حضرت عثمان شہید" کے نام سے کرنے پر مجبور کیا تھا جس کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے۔

زیرِ نظر ترجمے کے بارے میں اس قدر اور عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عاجز و ناچیز نے اس میں حتی الامکان پوری پوری احتیاط سے کام لیا ہے اور اس کا حد درجہ خیال رکھا ہے کہ اصل عربی

نسخے میں درج شدہ کوئی معمولی سے معمولی بات بھی صرف نظر نہ ہونے پائے ۔ اسی وجہ سے اس کے ہر صفحے ، ہر سطر بلکہ ہر جملے کو بار بار پڑھ کر اس میں حسب ضرورت ترمیم کی ہے جس کے بعد کامل الفن ہونے کا دعویٰ نہ ہونے کے باوجود امید واثق ہے کہ اب اس میں کسی مزید ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہ ہوگی تاہم محترم المقام علمائے کرام اور دیگر اہل نظر سے بصد ادب گزارش کی جاتی ہے کہ بفحوائے الانسان ضعیف البنیان ۔ اگر اس میں کسی جگہ کوئی لغزش یا کمزوری پائی جائے تو اس کی نشاندہی فرما کر راقم الحروف کو ممنون فرمائیں ۔

امام المورخین المسعودی کی ابتدائے آفرینش سے تقریباً نصف چوتھی صدی ہجری کی حد تک عالمی تاریخ و جغرافیہ کے علاوہ دیگر متعدد علوم و فنون پر جن کا سطور بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے اس بے نظیر مبسوط قاموس (انسائیکلو پیڈیا) موسومہ "مروج الذہب و معادن الجوہر" کے ترجمے کی تکمیل میں اس کے محترم ناشر جناب طارق اقبال گاھندری سلمہ' کے ساتھ تعین وقت کے سلسلے میں تحریری معاہدے کے علی الرغم جو تاخیر و تعویق ہوئی اس کی سب سے بڑی وجہ راقم الحروف کی کچھ عرصے سے مسلسل شدید علالت کے علاوہ بحیثیت مترجم وہی احتیاط تھی جس کا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ۔ بہرکیف میں اللہ تعالیٰ جل شانہ' کا صدق دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے آخر کار اس ناچیز کو ایک اہم ترین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق بخشی ۔ وما توفیقی الا باللہ ۔

زیر نظر ترجمہ کی ذمہ داری چودھری صاحب مرحوم کے فرزند رشید چودھری محمد طارق اقبال گاھندری کی درخواست پر میں نے اپنی پیرانہ سالی اور حالیہ حد درجہ اعصابی کمزوری کے باوجود اس لیے قبول کر لی کہ مؤخر الذکر نے نہ صرف اپنے لائق والد کی دیرینہ خوشگوار روایات کو تازہ کیا ہے بلکہ وہ بذات خود اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کی زندہ مثال بنے ہوئے ہیں ۔ زیر نظر ترجمے کی تکمیل میں میری یہ حقیر کوشش کہاں تک کامیاب رہی ہے اس کا اندازہ محترم قارئین کو ترجمے کے سلسلے میں سطور بالا میں میری گزارشات کی روشنی میں بخوبی ہو سکے گا اور اگر انھوں نے میری اس ناچیز قلمی کاوش کو بہ نگاہ استحسان ملاحظہ فرمایا تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی ۔ وما توفیقی الا باللہ وھو المستعان ۔

بہرحال اہل علم و نظر زیر نظر ترجمے کے سلسلے میں اگر میری کسی فروگزاشت سے مجھے مطلع فرمائیں تو میں تہ دل سے ان کا شکر گزار ہوں گا ۔

احقر العباد

کوکب شادانی عفی عنہ

کراچی ، اگست ۱۹۸۳ء

۳۱۹۹۳

المسعُودی

متوفی ۳۴۵ھ یا ۳۴۶ھ ___ ۹۵۷ء میلادی

تعارف ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی نام ، عقیدۃً معتزلی شافعی ، عبداللہ بن مسعود کے اخلاف میں سے تھا۔ بحیثیت سیاح بلادِ عالم میں جہاں تہاں گھومنے والا گویا جہانیاں جہاں گشت۔ بغداد میں پیدا ہوا۔ وہیں نشو و نما اور تعلیم و تربیت پائی۔ سیاحت اور سیر و سفر کی طرف طبعی میلان رکھتا تھا۔ چنانچہ پہلے فلسطین گیا ، پھر بلادِ فارس ، آرمینیا ، بلاد قاف و ہند ، چین ، مدغاسکر اور زنجبار و عمان کا سفر کرتا ہوا انطاکیہ سے ۹۴۳ میلادی میں گزرا اور دمشق میں دو سال قیام کیا۔ اپنی عمر کے آخری دس سال بار بار شام سے مصر اور مصر سے شام منتقل ہوتے ہوئے گزارے اور ۹۵۶ء میں فسطاط میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

جامع العلوم المسعودی کی عظمت و بزرگی کی بنیاد صرف اطراف و اکناف عالم میں اس کی سیر و سیاحت اور اس سلسلے میں اس نے جو بیش بہا ذخیرۂ معلومات چھوڑا ہے ہی پہ نہیں ہے بلکہ اس کے کمالاتِ علمی ، مختلف علوم و فنون پر اس کی دسترس ، بحیثیت مؤرخ اس کی معلومات اور وسعتِ مطالعہ نیز قریبًا جملہ علوم پر اس کی بے شمار ضخیم تصنیفات و تالیفات (جن کا بہت کم حصہ ہم تک پہنچا ہے) کی بناء پر ہم اسے جامع العلوم کہہ سکتے ہیں۔ ویسے بلادِ عالم میں اس کے لاثانی سیر و سفر خصوصًا ایشیا اور مشرقی افریقہ میں اس کی مفید ترین سیاحت اور اس سلسلے میں اس نے بطور آثار جو ذخیرہ معلومات چھوڑا ہے وہی اس کی عظمت و بزرگی اور قدر و منزلت کے لیے کافی ہے۔ اس نے سُورج کی طرح جو افق مشرق سے اُبھر کر افق مغرب میں غروب ہوتا ہے ، حدود ارضی پر گہری نظر ڈالی ہے۔ بقول شاعر:

"اس نے سُورج کی طرح افق مشرق سے افق مغرب

تک قطع مسافت کی ہے۔" (۱)

جیساکہ سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے مسعودی کی عمر کے آخری دس سال مصر و شام کے درمیان آمد و رفت میں گزرے اور اسے مستقلاً ان دونوں ممالک میں کسی ایک جگہ جم کر رہنے کا موقع نہیں ملا۔ تاہم اس نے اسی دوران میں تاریخ پر اپنی تالیفات اور اپنی بے نظیر کتاب "اخبار الزمان" جس کی تیس جلدیں ہیں تحریر کیں لیکن دُنیا سے اس کی رحلت کے بعد یہ سارا تقید المثال علمی ذخیرہ تتر بتر ہو گیا اور ایک آخری جلد مکتبہ فینیا میں ملی جس کے ذمہ دار افراد کا دعوےٰ ہے کہ اس آخری جلد یا "کتاب الاوسط" میں اس کے مُصنّف نے تمام جلدوں کا لب لباب یا خلاصہ قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسری دو کتابوں میں جنہیں علماء حکمائے مابعد نے بڑی ذمہ دارانہ تحقیق کے بعد مرتب کر دیا ہے جن کی بنا پہ اس عظیم شخصیت اور بزرگ مؤرخ کے علمی و تاریخی کارناموں پر متعدد تحقیقی کتابوں کے علاوہ بے شمار منظومات میں روشنی پڑتی ہے۔

"عرب کا ہیرو ڈوٹس"

فان کریمر نے اسے عرب کے "ہیرو ڈوٹس" کے لقب سے ملقب کیا ہے۔[۱] المسعودی کے لیے فان کریمر کے اس لقب سے امام المؤرخین ابن خلدون کی شخصیت اور علمی مرتبت پر کوئی زد نہیں پڑتی نہ فان کریمر کا یہ مقصد ہے بلکہ اس کا مقصد ثانی الذکر سے اس کی مشابہت و مقارنت بمنزلۂ ابو التاریخ" ظاہر کرنا ہے جو اہل نظر کے نزدیک مبنی بر صحت ٹھہرے گی بلکہ کائناتی اور حوادث عالم کے موضوعات پر پانچویں صدی قبل مسیح کے یونانی حکماء کے نتائج افکار سے المسعودی کے نتائج افکار میں کہیں زیادہ وسعت ہے جو بحیثیت زمانی ۳۴۶ھ تک محیط ہیں کیونکہ عام تاریخ انسانی پر جو شعوری اضافے المسعودی نے کیے ہیں وہ کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہیں، اس لیے مشہور مؤرخ "فانہ لیف" کا یہ قول کہ "المسعودی کے تاریخی موضوعات کا تنوع عالم اسلام اور یورپ میں اس کے قارئین کے لیے فوق العجائب اور حیرت انگیز ہے چنانچہ فان کریمر کا اسے "عرب کا ہیرو ڈوٹس" ٹھہرانا قرین انصاف ہے اور المسعودی فی الحقیقت اس کا مستحق ہے۔" (۳)

(عربی نسخے سے ترجمہ)

---

(۱) ملاحظہ ہو باربیہ مینارڈ کے فرانسیسی نسخے مطبوعہ پیرس کا ص ۵ دکوکب (۲) ثقافۃ الشرق ۲ : ۴۲۳
(۳) "العرب والروم" ص ۲۸۳

مقدمہ بمناسبت مندرجات طباعت نسخۂ فرانسیسی

راز : استاد یوسف اسعد داغر معتمد دار الطباعت والاشاعت "دار الاندلس" لبنان، بیروت

جیسا کہ زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر آچکا ہے المسعودی کی کتاب "مُرُوجُ الذہب" کو باربیہ دی مینیار (MARBIER DE MEYNAR) نے ۹ جلدوں میں مرتب کر کے اس کا فرانسیسی ترجمہ پیرس کی ایشیائی انجمن کی طرف سے ۴ جلدوں میں شائع کیا تھا اور اس پر ایک طویل و مبسوط مقدمہ بھی لکھا تھا۔ "مُرُوجُ الذہب" کی ان چار جلدوں کو عربی میں ترجمہ کرتے وقت ہم نے مناسب خیال کیا کہ اپنے محترم قارئین کے لیے اصل فرانسیسی نسخے کے مندرجات پر مفصل تبصرہ بصورت مقدمہ تحریر کر کے زیر نظر مجلدات کے ساتھ شامل کر دیا جائے کیونکہ اس سے المسعودی کے سیر و سفر، احوال و کوائف مشاہدات و تجربات اور اس کی اس گراں قدر تالیف کی از ابتدا تا انتہا ترتیب و تحریر کے مختلف ادوار کے علاوہ اس میں مندرج موضوعات و مباحث پر سیر حاصل روشنی پڑتی ہے۔

المسعودی کی "مُرُوجُ الذہب" کی جلد اوّل کو دار الاندلس بیروت (لبنان) کی طرف سے عربی میں چھاپنے اور شائع کرنے کے سلسلے میں جب ہم اس کے فرانسیسی نسخے کے بارے میں اظہار خیال کرنے لگے تو ضروری معلوم ہوا کہ اس پر جن علماء نے تحقیقی کام کیا ہے ان کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان عوامل و ظروف کو بھی بیان کر دیا جائے جو اس جلد کی ترتیب و اشاعت میں ان کے پیش نظر رہے تاکہ ہماری طرف سے اس کی اشاعت کی اہمیت واضح تر ہو جائے۔ واضح رہے کہ فرانس کی جس ایشیائی سوسائٹی کی طرف سے "مُرُوجُ الذہب" کی جن ۴ جلدوں کو اس کی ۹ یا ۱۰ جلدوں پر شب و روز تحقیق کے بعد بصورت موجودہ شائع کیا گیا ہے اس کے ارکان جن میں محترم د- DE GOERIT سر فہرست ہیں۔ ابن بطوطہ کے سیر و سفر اور سیاحت پر مشتمل مجلدات کی تحقیق و تدقیق اور انھیں از سر نو مرتب کر کے

فرانسیسی میں چھاپنے اور شائع کرنے کے لیے ۱۹۵۲ء سے مشغول تھے، چنانچہ انھیں "مُرُوجُ الذہب" پر ان یورپی مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں پر از سرِ نو تحقیقی مراحل سے گزارنے میں کیا مشکلات پیش آتی ہوں گی اور اس مشکل ترین کام پر کتنا وقت لگا ہوگا اس کا اندازہ ہمارے محترم قارئین کر سکتے ہیں۔ لہٰذا زیرِ نظر ترجمہ پیش کرنے سے قبل ان علمی ذخائر کی جستجو اور ان کے مندرجات کو ان کی صحت کا اندازہ لگانے کے لیے المسعودی کے خود تحریر کردہ عربی نسخے سے موازنہ کرنے میں اگر ہمیں دو سال لگے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کیونکہ یہ حد درجہ تھکا دینے والا دقت طلب عمل ہماری طرف سے ۳ آئندہ جلدوں کو فرانسیسی سے عربی میں ترجمہ کرکے طبع کرنے اور شائع کرنے کے پیشِ نظر از حد ضروری تھا۔ ہر چند فرانسیسی میں سائنس، فلسفہ اور دیگر کائناتی علوم کی ان عربی مصطلحات کو جو المسعودی کے ہاں ملتی ہیں ان علوم کی جدید ترین مصطلحات میں ترجمہ کرکے پیش کیا گیا ہے لیکن عہد حاضر کے عربی داں طبقے کے لیے ہمیں ان کی موزوں ترین مروجہ مصطلحات کے علاوہ اکثر و بیشتر وضع اصطلاحات پر بھی کام کرنا پڑا۔ جہاں تک فرانسیسی سے عربی میں ترجمے کا تعلق ہے ہم نے لفظی ترجمے کی جگہ تمام تر بامحاورہ ترجمے اور کہیں کہیں ضرورتاً مفہومی ترجمے کو ترجیح دی ہے۔

پہلے ہم نے طے کیا تھا کہ المسعودی کی خصوصی تحقیقات کو اس کتاب کی آخری جلد میں مجتمع کیا جائے لیکن فرانسیسی نسخے کی چاروں جلدوں اور ان کے مصادر و مراجع پر اپنی تحقیقات کے نتائج خصوصاً آدابِ ترجمہ کے پیشِ نظر اس خیال کو ترک کر دینا پڑا، ہم نے سوچا کہ المسعودی کی جملہ تاریخی مجلدات کو پہلے دس جلدوں اور ازاں بعد چار جلدوں میں سمیٹنے سے محترم یورپی مستشرقین کا آخر کیا مقصد تھا۔ ہم نے دیکھا کہ المسعودی کی تالیفات پر جن عرب محققین نے کام کیا انھوں نے اس کے جمع کردہ معلوماتی ذخائر کو بڑی بڑی ضخیم جلدوں میں مرتب کرتے ہوئے اس کے سیر و سفر کی رطب و یابس سب باتوں اور اکثر غیر ضروری مباحث کو بھی جو المسعودی کے زمانے میں ظہور پذیر معمولی عصری حالات پر مبنی تھے اور فی زمانہ ان پر گفتگو لاحاصل ہے نظرانداز نہیں کیا، اور اس طرح بہت سے مزخرفات و ہفوات اور لایعنی مباحث کو بھی ان ضخیم اور غیر مفید مجلدات میں جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ زیرِ نظر ترجمے کی جلد اوّل ہی سے ہم نے مذکورہ محترم مستشرقین کے اندازِ نظر کی اتباع کو مناسب بلکہ انسب جانا اور انھیں کی طرح بالکل اسی ترتیب سے اپنی پہلی جلد سے آخری جلد تک المسعودی کی صرف ضروری، علمی و فنی تحقیقات، عصری تاریخ، کائناتی علوم پر اس کے نتائجِ افکار ہی کے اندراج پر اکتفا کیا۔ البتہ عربی اور عربی داں قارئین کرام کے استفادے کے لیے حواشی میں کچھ ضروری تشریحات کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس کے سوا فرانسیسی نسخے کی چاروں جلدوں کے

تراجم میں دیانت دارانہ طور پر آداب ترجمہ کی پابندی کو ملحوظ رکھا ہے۔

مسعودی اور اس کے سوانح حیات

المسعودی کا پورا نام ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ہے، وہ اگرچہ بغداد میں پیدا ہوا مگر اس کے آباؤ اجداد حجازی نژاد تھے، اس کے جدِ اعلیٰ مسعود رسول عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مقتدر صحابہ میں سے تھے۔ تیسری صدی شروع ہوتے ہی وہ سیر و سفر کی طرف مائل ہوا۔ اور دُنیا کی سیاحت کے لیے نکل کھڑا ہوا، پہلے ملتان گیا، وہاں سے شہر منصورہ[سندھ] پہنچا اور اس کے اطراف و جوانب کی تین سال تک سیر حاصل سیاحت کے بعد بلادِ فارس کی طرف روانہ ہوا اور کرمان وغیرہ دیکھتا ہوا پھر ہندوستان کی طرف پلٹا اور کمبا وسیمور (وغیرہ) کے شہروں میں تھوڑے عرصے قیام کرتا ہوا جزیرۂ سراندیب (سراندیپ سیلون) گیا، پھر وہاں سے بحری سفر کرتا ہوا کمبالو اور مدغاسکر گیا اور وہاں سے عمان جا نکلا۔

جیسا اس کے سفرنامے سے متبادر ہوتا ہے وہ کچھ دن ملیشیا میں بھی رہا اور پھر بحری راستے سے چین گیا اور ان سب جگہوں پر خطیر معلومات سے متمتع ہوتا ہوا بحر احمر یا بحرِ قلزم کے مشرقی سواحل سے گزرا اور جنوب میں بحر قزوین کو بھی دیکھا۔ مختصر یہ کہ اس نے بڑے عرصے تک اطراف و اکناف عالم کے دُور و نزدیک گوشوں کی سیاحت کی جس کے بعد اس نے پلٹ کر اسلامی ممالک کا رُخ کیا تاکہ اپنی لامحدود سیاحت اور سیر و سفر کے حالات و واقعات کو قلم بند کر سکے۔ اس کے انھیں قلمبند کردہ حالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ۳۱۴/۹۲۶ میں فلسطین کا شہر طبریہ دیکھا، پھر وہاں سے انطاکیہ کے علاوہ شام کے شمالی حصّوں کی برسوں سیر کی اور وہاں سے ۳۳۲/۹۴۳ میں بصرہ پہنچ کر اپنی تصنیفات و تالیفات کی تدوین و ترتیب شروع کی لیکن جیسا پچھلے صفحات میں فرانسیسی نسخے سے ماخوذ اس کے متعلق تعارفی سطور میں قارئین کرام کی نظر سے گزرا ہوگا وہ اپنی زندگی کے آخری دس برس کے دوران میں مصر سے شام اور شام سے مصر منتقل ہوتا رہا تاہم یہی وہ قابلِ ذکر زمانہ ہے جب اس نے اپنی کتابوں خصوصاً "مُرُوجُ الذہب" کے زیادہ تر حصے مرتب کر کے قلمبند کیے، اس کی زندگی کا آخری سال جیسا ابوالمحاسن نے لکھا ہے شہر فسطاط یا قدیم قاہرہ میں بسر ہوا۔ جہاں اس نے اپنی آخری کتاب "التنبیہ والاشراف" مرتب کی اور وہیں وفات پائی[۱]

---

[۱] دیبل (کوکب)

[۲] ۳۴۵ھ/۹۵۶ء بحوالہ تعارف ص ..... (کوکب)

المسعودی نے اپنی کتاب "مُرُوجُ الذہب" پر جو مقدمہ لکھا ہے اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تالیفات کی تعداد اس وقت تک مختلف موضوعات پر ۳۴ تک جا پہنچی تھی، یہی بات اس کی ایک دوسری کتاب "التنبیہ" کے کچھ فقروں سے مزید واضح ہوتی ہے۔ ان میں سے اس کی بعض تالیفات کا موضوع ازمنۂ ماضی کی اقوام اور ان کے عصری حکمرانوں کا احوال ہے۔ اس کی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں جو ۲۰ تا ۳۰ حصوں پر مشتمل ہے اس کے دوران سیاحت کے نہایت بیش قیمت معلومات ملتے ہیں مشہور فرانسیسی عالم دلیاسی تحریر کرتے ہیں کہ المسعودی کی اکثر تالیفات مستقل کتابیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی کتاب "مُرُوجُ الذہب" کی منتشر فصلیں ہیں اور یہ بھی انھیں کی دقیق تحقیق کا نتیجہ ہے کہ وہ "مُرُوجُ الذہب" اور المسعودی کی ایک دوسری کتاب "التنبیہ والاشراف" کو ایک ہی کتاب سمجھتے اور اسے دنیائے عرب کے سنہری علمی دَور کی مقتدر تالیفات مثلاً بخاری اور ابن اثیر کی تالیفات کا ہم پایہ گردانتے ہیں، اگرچہ زمانہ مابعد کے اکثر قارئین انھیں الگ الگ کتابیں سمجھ کر مطالعہ کرتے رہے ہوں لیکن جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے المسعودی کے بعد اکثر عرب علماء و مؤرخین بھی اسی خیال کا اظہار کر چکے ہیں۔ جو محترم فرانسیسی عالم دلیاسی نے "مُرُوجُ الذہب" کے بارے میں ظاہر کر کے اسے المسعودی کا عظیم بلکہ عدیم النظیر کارنامہ ٹھہرایا ہے۔

یورپ میں المسعودی کی شہرت عموماً اٹھارہویں صدی میلادی (عیسوی) میں ہوئی اور وہاں کے علمی حلقوں میں اسے صفِ اوّل کے عالمی مورخین میں بلحاظ عظمت بڑی قدر و منزلت کا مستحق سمجھا گیا اور جن فاضل مستشرقین نے اس کے خلاف قلم اُٹھایا ان کے مقابلے میں المسعودی کا دفاع کیا گیا۔ مثلاً مشہور جرمن مستشرق رابکہ نے مقدمہ ابن خلدون مرتب کر کے اس پر جو بصورت "ملاحظات" پیش لفظ لکھا ہے اس میں عام تفصیلات سے قطع نظر فن تاریخ نگاری میں اس کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے المسعودی کو کمتر درجہ دیتے ہوئے لکھا کہ اس کے ہاں ہفوات و مزخرفات کی کثرت ہے جب کہ ابن خلدون نے اپنے مذکورہ بالا مقدمے میں صرف امور صحیحہ پر انحصار کیا ہے اور اس کے تمام تر فیصلے اور محاکمے معتبر ہیں لیکن از روئے عدل و انصاف دیکھا جائے تو عام تفصیلات سے المسعودی کے فلسفیانہ نظریات ابن خلدون کے انہیں نظریات سے کسی صورت میں کمتر نہ نکلیں گے اور اس سے زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ خود ابن خلدون نے زبان قلم سے مسعودی کو امام الکتاب والباحثین" مانا ہے [۱]

---

[۱] ملاحظہ ہو ہیروڈوٹس۔ اس (مشہور فاضل فرانسیسی مستشرق) نے شہرہ آفاق یونانی سیاح و مؤرخ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مغرب میں "مروج الذہب" کی جو نقول اور کچھ منتخب حصے بڑی تعداد میں شائع ہوئے ان سے وہاں المسعودی کی شہرت وسیع پیمانے پر پھیل گئی۔ اس سے قبل مشہور مستشرق نویس اسپرینگر (SPRENGER) اس کے کچھ خاص اجزاء کے تراجم لندن سے ۱۸۵۱ء میں انگریزی میں شائع کر چکے تھے۔ اسپرینگر نے المسعودی کے سیر و سفر، اس کے مشاہدات و تجربات، کائناتی علوم کے سلسلے میں اس کے وسیع مطالعے اور تاریخی نظریات پر کھلے دل سے روشنی ڈال کر عربوں کے سائنسی اور دیگر علوم میں وسیع تجربات اور گہرے مشاہدات، ان کے علمی کارناموں اور ہمہ جہتی علمی تحقیقات کو بہت سراہا تھا تاکہ فرانس کی ایشیائی انجمن نے اس طرف خصوصی توجہ کی اور سب سے پہلے "مروج الذہب" کی ان دس جلدوں پر مکمل تحقیق کے بعد جنہیں اسپرینگر نے جزوی طور پر انگریزی میں شائع کیا تھا چار جلدوں میں مدون کر کے فرانسیسی میں پیرس سے طبع اور شائع کیا جس کے عربی ترجمے کی اشاعت میں وہی عمل اختیار کیا جو اس سے قبل ابن بطوطہ کے سفر نامے کے سلسلے میں کر چکے تھے یعنی متن کے علاوہ حواشی تک میں الفاظ و مصطلحات کے استعمال میں اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی عربی قراوت میں اختلاف نہ ہو تاکہ معانی و مفاہیم پر اثر پڑنے کا احتمال نہ رہے۔ چنانچہ جہاں جہاں اصل و ترجمہ میں واضح اغلاط و اختلافات کا اندیشہ تھا وہاں تحقیق کر کے تصحیح کر دی گئی ہے حتےٰ کہ بلحاظ معانی اذقات و رموز میں اسی امر کا خیال رکھا گیا ہے اور اس سلسلے میں "مروج الذہب" کے پہلے جملہ انگریزی جرمن وغیرہ تراجم جن سے فرانسیسی ترجمے میں استفادہ کیا گیا خصوصاً المسعودی کے ہند و چین کی سیر و سیاحت کے بارے میں ان تراجم پر خصوصی تحقیق کا خاص خیال رکھا گیا ہے جن میں مسٹر جلدا میسٹر (GILDAMUSTER) اور موسیو رینو کے تراجم شامل ہیں، موخر الذکر مستشرق کے ترجمے میں مسعودی کی ہند چین کی سیاحت کے بیانات پر مکمل تحقیق کی گئی ہے۔

مروج الذہب کا واحد مخطوطہ: اپنے زیر نظر عمومی ملاحظات و استدراکات کے آخر میں ہم

(حاشیہ صفحہ سابقہ) یونانیاس سے جس کا زمانہ دوسری صدی عیسوی کا ہے المسعودی کا موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اول الذکر کے حدود سفر یونان سے آگے نہیں بڑھے اور یہی حال اس کے تاریخی بیانات کا ہے۔ رینان نے اسکالیجر (SCALI[illegible]ER) سے اتفاق کرتے ہوئے مسعودی کے تاریخی نظریات کو سراہا ہے۔ اسکالیجر نے علم التاریخ میں مسعودی کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ نگاری میں اس کے نظریات حرف بحرف مستند اور صحیح ہیں" رہا عام تفصیلات کا معاملہ تو وہاں بھی اس کے خلوص سے انکار نہیں کیا جا سکتا، وہ سراپا خلوص تھا اور بہرحال مخلص۔

ان مصادر و مراجع کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جن پر ہم نے اس ترجمے کی چاروں جلدوں میں خاص طور پر اعتماد کیا ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نسخۂ اوّل ہم نے سب سے پہلے "مُرُوجُ الذہب" کے اس نسخے پر تحقیق کی جو پیرس کے شاہی کتب خانہ میں ۳ جلدوں کی صورت میں تھا اور جسے فرانسیسی میں منتقل کرنے سے پہلے جلد واحد میں مرتب کیا گیا تھا اور یہی وہ قریباً صحیح ترین نسخہ تھا جسے موسیو رینو نے اپنی فہرست مخطوطات میں نمبر ۱۴۲ کے تحت درج کیا۔ دوسرے یہی وہ نسخہ تھا جو دو اجزا کی صورت میں ۳۰ سال قبل قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں ملا تھا۔ اس کے جزو اوّل میں ۱۲ اوراق سے قطع نظر ۲۷۳ اوراق تھے اور جزو ثانی میں ۳۵۹۔ یہ دونوں قلمی اجزا دو مختلف کاتبوں نے لکھے ہیں۔ اس کے پہلے جزو کے ۲۷۲ اوراق کسی اور کاتب نے اور جزو ثانی کے جملہ اوراق ایک افریقی خطاط مسمّی محمد بن احمد البندری نے لکھے ہیں۔ جیسا ہم نے سطور بالا میں بیان کیا یہی تمام یورپ میں جملہ اغلاط سے بری صحیح ترین نسخہ ہے اسی لیے ہم نے اس پر مکمل اعتماد کیا ہے موسیو رینو نے اس کے جزو اوّل کو مذکورہ بالا فہرست کے نمبر ۱۴۲ میں حرف (الف) کے تحت درج کیا ہے مذکورہ فہرست کے مطابق اس کی کتابت کی تکمیل ۱۱۲۰ھ / ۱۷۰۸ م میں ہوئی۔

نسخۂ ثانی اس مخطوطے کا نسخہ ثانی جس کا اندراج مذکورہ بالا فہرست میں نمبر ۱۴۷ کے جزو (ب) کے تحت ہوا ہے عربی کے قدیم مخطوطات (ANCIENT FUDS) میں سے ہے اور کافی ضخیم ہے، ویسے اسے قطع کبیر (FOLIO) کے ۱۳۷ صفحات میں مدون کیا گیا ہے اور اس کی کتابت نواح فلسطین کے شہر صفد میں خطاط ابراہیم ابوالیمن کے قلم سے ۹۳۳ سنہ ہجری / ۱۵۲۶ سنہ میلادی میں مکمل ہوئی۔ مذکورہ خطاط اگرچہ بہت خوش نویس ہے لیکن اس کی کتابت پختہ نہیں ہے۔ اس نسخے پر کوئی مقدمہ نہیں ہے اور یہ فصل ۳۵ پر ختم ہو گیا ہے۔

نسخۂ ثالث اس نسخے کا اندراج قدیم عربی مخطوطات کے مجموعے میں نمبر ۵۷۹ (ج) کے تحت درج کیا گیا ہے۔ اس کے ۳ اجزا ہیں جن میں سے جزو چہارم خارج ہے۔ اس میں اغلاط کی تعداد بہت ہے، اسی لیے ہم نے اس پر تحقیق کے بعد زیر نظر ترجمے میں اس سے مکمل استفادے کو نظر انداز کر دیا ہے۔

نسخۂ رابع (چہارم) یہ نسخہ جس کا اندراج رینو کی مذکورہ بالا فہرست میں حرف (د) کے تحت کیا گیا ہے۔ پیرس کی ایشیائی سوسائٹی کی ملکیت ہے اور اس کی ضخامت قطع کبیر (FOL IO) میں ۳۱۲ اوراق ہے۔ اس نسخے کی کتابت ہبۃ اللہ بن محمد بن علی بن حسن

الفرشی کے قلم سے ماہ رجب ۵۹۱ھ ہجری مطابق ۱۱۹۴ء میلادی (عیسوی) میں اختتام کو پہنچی۔ یہ نسخہ اپنی قدامت تواریخ کے اعتبار سے ہمارے خیال میں بہر نوع قابل اعتماد ہے، تاہم ہم نے اس سے مستند تراجم کے سلسلے میں حد درجہ احتیاط برتی ہے۔ اس میں اکثر مقامات وہ ہیں جنہیں "مروج الذہب" کے مؤلف نے ہندوستان کے مشہور شہر بنارس میں اور خراسان (ایران) میں لکھا اور ان کی کتابت نسخہ ہذا کے لیے کسی فارسی کاتب نے کی ہے اور انہیں محترم لینز (LOES) نے مرتب کیا ہے۔ ہمارا زیر نظر ترجمے کی جلد چہارم عموماً اسی نسخے پر مبنی اور اسی سے مستفید ہے۔ اگرچہ فرانسیسی نسخے کی آخری جلد پیرس کے شاہی کتب خانے کی مرہون منت ہے کیونکہ اس جلد کی اشاعت میں فرانس کی مذکورہ بالا سوسائٹی نے اس سے استفادہ کیا ہے تاہم اس کے مختلف حصوں کی نقول ہمیں لیڈن کے دار الکتب کے ارکان خصوصاً محترم (DEGOERT -) کے توسط سے مطالعہ کے لیے دستیاب ہوئیں، اس لیے یہاں ان کا تذکرہ نہ کرنا بھی ناشکر گزاری ہوگی۔

فرانسیسی نسخے کی جلد چہارم کے ترجمے کے سلسلے میں ہمارے پیش نظر "مروج الذہب" کا ایک افریقی مخطوطہ بھی رہا ہے جسے قسطنطنیہ میں لغات عربیہ کے استاد موسیو شربونو (CHERBONNEAU) نے مرتب کیا ہے۔ یہ مخطوطہ مرتبہ موسیو شربونو ہمیں برائے مطالعہ محترم دیلفریمری نے مہیا فرمایا جس کے لیے ہم ان کے تہ دل سے ممنون ہیں۔ یہ افریقی مخطوطہ "مُرُوجُ الذّہب" کی کہیں طویل اور کہیں مختصر ان فصول پر مشتمل ہے جن میں زیادہ تر المسعودی کی سیاحت ہند اور مصر کا توصیفی ذکر آیا ہے[1]

"مُرُوجُ الذّہب" جیسی کثیر الموضوعات کتاب کی سیر حاصل جزوی و تفصیلی تحقیق زیر نظر

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں اس نسخے میلانو (اطالیہ) کے مکتبہ "امبروزیانیہ" کے "مُرُوجُ الذہب" پر شائع کردہ تبصرات اور اس کے اوصاف میں اطالوی میگزین آر۔ ایس۔ او (RS. " ٥ ") کی جلد ۷، شمارہ ۹۷؛ نیز اس نسخہ آخر کے سلسلے میں فارس کے مکتبہ "قزوینی" کی شائع کردہ "مخطوطات الموصل" مؤلفہ ڈاکٹر داؤد جلبی۔

(مترجم)

ترجمے کے سلسلے میں لابدی ہونے کے ساتھ ساتھ دقت طلب بھی تھی تاہم اُمید ہے کہ ہماری یہ ناچیز کوشش دنیائے عرب کے اس معیار پہ پوری اُترے گی جس کی انہیں ہم سے توقع تھی اور مجموعی طور پہ بطور ایک اہم تاریخی دستاویز تمام ملت اسلامیہ میں بہ نگاہ تحسین دیکھی جائے گی۔

مترجم

(یوسف اسعد داغر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۰

باب اوّل

خدائے بزرگ و برتر اور لائق حمد و ثنا کا شکر اور اس کے رسول پاک خاتم النبیین محمد مصطفیٰ اور ان کے آلِ اطہار پر تا قیام قیامت درود و سلام

سبب تالیف کتاب زیر نظر کتاب سے قبل ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں"[1] لکھی تھی اور اس کی ابتدا میں ہیئت ارضی، اس کے شہر، اس کے عجائبات، اس کے سمندر اس کے نشیبی و میدانی علاقے، اس کی کانیں اور ان کے نوادرات، اصناف سیم و زر، جنگلات اور دلدلی علاقے، جزیرے، بحیرے، بڑی بڑی بستیاں، مساکن شریفہ اور ان کا احوال آغاز، ان آبادیوں کی نسلیں، امتیازِ اوطان اور ان کا فرق، جو نہریں مرور ایام سے سمندر بن گئیں، جو خشکیاں سمندروں میں اور سمندر خشکیوں میں تبدیل ہوئے نیز ان تغیرات کے اسباب مثلاً فلکی و طبیعی وغیرہ یا انقسام اقالیم خواص کواکب کے سبب یا زمین کے اُبھرنے یا دبنے کی وجہ سے یا عالمی تغیرات کی بناء پر، قدیم تاریخ کے لحاظ سے نسل آدم میں ابتدائی شکل و صورت کے اختلافات، ہندوستان کے ملحدین کے حالات، پھر متبعین شرع سے میل جول اور ان کے اثرات سے ان میں تبدیلیاں۔ مختلف مذاہب و ادیان کی کتابوں وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی۔

مندرجہ بالا افکار کے بعد ہم نے مذکورہ بالا کتاب میں ازمنۂ گزشتہ، ان کے بادشاہوں اقوام وغیرہ کا ذکر کیا تھا مثلاً ملوک فراعنہ، اکاسرہ اور یونانی اور اس کے بعد انبیا و رسل و اتقیا کے حالات رقم کیے تھے اور ازاں بعد نبی آخر الزماں محمدؐ اور آپ کے عہدِ رسالت آپ کے مولد و منشاء آپ کی ہجرت آپ کے غزوات، آپ کی سیرت اور وفات اور خلافت مابعد کے تحت اپنی اس کتاب میں خلیفہ

---

[1] المسعودی نے درحقیقت دو کتابیں لکھی تھیں جن کی تلخیص زیر نظر کتاب یعنی "مروج الذہب" ہے۔

المتقی للہ کے دورِ خلافت تک کا حال درج کیا تھا جو ۳۳۲ھ تک رہا تھا۔ اس کتاب میں ہم نے اپنی دوسری کتاب "کتاب الاوسط" کی ابتداء سے پہلے کے جملہ عالمی تاریخ کے کوائف پر مبنی اندراجات کر دیے تھے۔

"کتاب الاوسط" یا "التنبیہ والاشراف" کی تصنیف کا سبب یہ تھا کہ ہم نے اپنے سیر و سفر اور سیاحت کے دوران میں خشکی و تری کے راستوں سے سندھ، زنجبار، خراسان، آرمینیا، آذربائیجان رے، بلقان، عراق و شام میں سفر کرتے ہوئے موخر الذکر دو ممالک میں اس طرح آمد و رفت رکھی تھی جیسے سورج مشرق سے مغرب تک جاتا اور وہی سفر اگلے دن پھر شروع کرتا ہے تو اس وقت ہمارے مشاہدات و تجربات کے سلسلے میں بہت سی ایسی باتیں بھی تھیں جن کے اندراج میں ہم سے اپنی پہلی تصنیف "اخبار الزماں" مرتب کرتے ہوئے کوتاہی ہوئی تھی، وہ سب حقائق اور ان کی تفصیلات کا تحریر کرنا ایک مؤرخ کی حیثیت سے ہمارے لیے ازبس ضروری تھا، چنانچہ ہم نے "کتاب الاوسط" لکھ کر اپنے اس فرض سے سبکدوشی حاصل کرنا اپنے لیے لازم سمجھا۔

اس کتاب میں ہم نے بادشاہوں، ان کے اخلاقی تعمیرات، ان کی مہمات کا فرق، ان کے معاصر علماء و حکماء کے حالات اور ازمنہ گزشتہ پر ان کے اثرات پر مکمل تحقیق کے بعد روشنی ڈالی اور اس میں گمان وظن سے قطعاً کام نہیں لیا بلکہ آداب تاریخ نویسی پر پوری طرح عمل کیا۔ اب آپ اس دوسری کتاب کے درج ذیل موضوعات کے تحت ہم نے جو مقالات قلم بند کیے ان پر ایک نظر ڈالیے۔

"منروب المقالات" "انواع الدیانات" "اصولِ دیانت کے مختلف شعبے" "نظم الآدلۃ فی اصول الملت" "سر الحیات" "اصولِ فتاوے و قوانین احکام" تیقین قیاس اور احکام میں اجتہاد، وقلت آراء کی پرکھ اور استحسان، ناسخ و منسوخ میں امتیاز کی پرکھ، کیفیت اجماع اور اس کی ماہیت خواص و عام کی پہچان، اوامر و نواہی کی پہچان، اجتماعی و انفرادی تحقیقات پر غور و فکر، افعال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے صادر شدہ فتاوے پر غور و فکر اور اس سلسلے میں ان مخالف و موافق مباحث کی تحقیق جو ہمارے نزدیک متنازعہ فیہ ٹھہرے" مفسرین کے اقوال و مباحث، موضوع امامت پر مقالات کی تحقیق، ظاہری و باطنی، خفی و جلی علوم کا پس منظر، کشف و مراقبہ پر محدثین و مراقبین کی آرا پر گفتگو، علم الارض کے جذب و خصب، علوم کائنات پر قدماء کے مباحث، ہم نے علم السیاست پر اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں جو کچھ تحریر کیا تھا مشاہدات مابعد کے زیر اثر اس پر تحقیق مزید اور اظہار رائے، ترکیب العوالم کی کیفیت اجرام سماوی میں محسوس و غیر محسوس، لطیف و کثیف پر حکمائے قدیم کی آراء پر گفتگو۔

مطالعۂ کتب

زیرِ نظر کتاب "مروج الذہب" کی موجودہ مجلدات کی تحریر کے سلسلے میں مذکورہ بالا موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کے لیے مؤرخین و مصنفین یا سلف کی جو کتابیں راقم الحروف کے زیرِ مطالعہ رہیں۔ ان میں سے کچھ وہ کتابیں بھی ہیں جن کے مصنفین کی اصابت آراء سے ہم متفق ہوئے اور کچھ ایسی کہ ان کے محترم مؤلفین و مصنفین کے خیالات و نظریات سے ان کے کمال تحقیق و تدقیق کی پسندیدگی کے باوصف ہمیں اختلاف ہوا۔ بہرحال ان محترم مؤلفین و مصنفین اور مؤرخین کے اسمائے گرامی اور ان کی نگارشات حسب ذیل ہیں۔

کوُھَب بن منبہ ابی مخنف، لوط ابن یحییٰ العامری، محمد بن اسحٰق، الواقدی، ہیثم بن عدی الطائیؒ الشرقی بن القطامی، حماد الراویہ، الاصمعی، سہل ابن ہرون، عبداللہ بن المقفع الیزیدی، محمد بن عبداللہ العبسی الاموی، ابی زید سعید بن اوس انصاری، نصر بن شمیل، عبداللہ بن عائشہ، ابی عبید القاسم بن سلام، علی بن محمد المدائنی، داذ بن رفیع بن سلمہ، محمد بن سلام الجمعی، ابی عثمان عمرو بن بحر الجاحظ، ابی زید عمر بن شبہ نمیری، رزقی انصاری، ابی سائب مخزومی، علی بن محمد بن سلیمان النوفلی، زبیر بن بکار، انجیلی، ریاشی، ابن عابد، عمارہ بن وسیمہ مصری، عیسیٰ بن لہیعہ مصری، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری، ابی حسان زیادی، محمد بن موسیٰ خوارزمی، ابی جعفر محمد بن ابی السری، محمد بن ہیثم بن شبابہ خراسانی صاحبؒ کتاب الدولہ" اسحٰق بن ابراہیم موصلی مصنف "کتاب الاغانی" وغیرہ، خلیل بن ہیثم ہرثمی محاربات کے موضوع پر کتاب الحیل والمکائد وغیرہ کے مصنف، محمد بن یزید المبرد ازدی، محمد بن سلیمان منقری جوہری، محمد بن زکریا غلابی مصری "کتاب الاجواد" وغیرہ کے مترجم، ابن ابی الدنیا مؤدب مکتفی باللہ، احمد بن محمد خزاعی المعروف خاقانی انطاکی، عبداللہ بن محمد بن محفوظ بلوی انصاری مصنف "ابی یزید عمارہ بن زید مدینی" احمد بن محمد ابن خالد البرقی کاتب و صاحب "کتاب البنیان" احمد بن ابی طاہر مصنف اخبار بغداد وغیرہ، ابن الوشاء، علی بن مجاہد مصنف اخبار الامویین وغیرہ، محمد بن صالح بن نطاح مصنف "دولت عباسیہ" وغیرہ، یوسف بن ابراہیم مصنف اخبار ابراہیم بن مہدی وغیرہ، محمد بن حارث تغلبی مصنف "اخلاق الملوک" و مؤلف "فتح بن خاقان وغیرہ"، ابی سعید سکری مصنف "ابیات العرب" عبیداللہ بن عبداللہ بن خرداذبہ، آپ تصنیف و تالیف کے سلسلے میں امام مانے جاتے ہیں اور آپ نے اس ضمن میں بڑے اثرات چھوڑے ہیں۔ تصدیق کے لیے آپ چاہیں تو موصوف کی تاریخی موضوع پر بڑے پایہ کی کتاب "الکبیر" ملاحظہ فرما سکتے ہیں جسے موصوف نے بڑی تندہی اور کاوش سے تحریر کیا ہے اور اس میں علمی اعتبار سے بڑے نظم و ضبط کے ساتھ ملوک و ممالک کے

حالات نیز عجمی ممالک میں اپنی سیر و سیاحت کے حالات و واقعات بڑے ماہرانہ انداز میں سپردِ قلم کیے ہیں جس کی ہر کس و ناکس نے تعریف کی ہے۔ مسالک و ممالک پر سیر حاصل گفتگو کے علاوہ آپ نے اکثر سلاطین کے سوانح حیات ولادت سے وفات تک بڑی تلاش و جستجو کے بعد قلم بند کیے ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور خلفائے راشدین کی تاریخ کے علاوہ موصوف نے بنی اُمیہ اور بنی عباس میں المعتضد باللہ تک تاریخی واقعات بڑی محنت سے لکھے ہیں۔

مندرجہ بالا کتب کے علاوہ درج ذیل اہم کتابیں بھی ہمارے زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔

"تالیف محمد بن علی حسینی علوی دینوری، کتاب التاریخ مُصنّفہ احمد بن یحییٰ بلاذری اور آپ ہی کی ایک دوسری کتاب جس کا موضوع مختلف شہر اور ان کی فتح ہے جس میں موصوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور آپ کے خلفاء کے دَور کے غزوات و محاربات کا علی الترتیب حال قلم بند کیا ہے اور اس زمانے کی خبروں پر مفصل روشنی ڈالی ہے اور مشرق سے مغرب تک تمام شہروں کے اوصاف و حالات سپردِ قلم کیے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب آج تک ہماری نظر سے نہیں گزری، اخبار فارس پر ایک دوسری کتاب داود بن جرّاح بھی ہماری نظر سے گزری ہے جس میں اس کے مُصنّف وزیر علی بن عیسےٰ بن جراح نے نہ صرف فارسی ممالک بلکہ اقوام ایران کے علاوہ دوسری قوموں کے حالات و کوائف بھی درج کیے ہیں "تاریخ پر قبل اسلام اور اس کے بعد کے حالات و کوائف پر مبنی ابی عبداللہ محمد بن حسین ابن سوار المعروف ابن اخت عیسےٰ بن فرخان شاہ کی تالیف جس میں مُصنّف موصوف نے ۳۲۰ھ تک کے تاریخی حالات و کوائف تحریر کیے ہیں، ابی عیسیٰ بن منجم کی تحریر کردہ تاریخ جو نزول توریت اور اخبار انبیاء و ملوک کا احاطہ کرتی ہے، تالیف ابی عبدالرحمٰن خالد بن ہشام اموی، قاضی ابی بشر دولابی کی موضوع تاریخ پر لائق توصیف کتاب، حالات و کوائف ایام پر ابی بکر محمد بن خلف بن وکیع القاضی کی قابلِ تعریف کتاب "کتاب السیر والاخبار" مُصنّفہ محمد بن خالد ہاشمی، "سیر الخلفاء" مُصنّفہ ابی بکر محمد بن زکریا الرازی فی طب المنصوری وغیرہ کے مُصنّف اور عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری کی "کتاب المعارف" آپ کی تصانیف کی تعداد کثیر اور اس کی فہرست بڑی طویل ہے۔

ابی جعفر محمدؒ ابن جریر طبری

تالیفات تاریخی کے سلسلے میں اور اس سے بھی زیادہ مستقل تصنیفات میں ابی جعفر محمد ابن جریر طبری کے علمی کمالات کا اعتراف ضروری ہے۔ آپ نے انواع الاخبار کی فراہمی اور فنون الآثار کی تدوین میں جو مختلف اصناف علوم

پر مشتمل ہیں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا ۔ آپ کی ان تالیفات و تصنیفات کی افادیت مسلم ہے ، اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ اپنے دور کے کامل فقیہ اور ناسک زمانہ ہوئے ہیں ۔ سچ یہ ہے کہ آپ پر علم فقہائے عصر کی انتہا ہوئی ۔ اسی طرح ابی عبد اللہ ابراہیم بن محمد بن عرفہ واسطی نحوی کے کمال تاریخ نویسی کا جو "نفطویہ" کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں اعتراف بھی ضروری ہے ۔ آپ نے بہت سی تاریخی کتب پر مفید حواشی کا اضافہ کیا ہے نیز آپ کی تالیفات بھی بہترین تالیفات میں شمار ہونے کے لائق ہیں ۔

یہاں اسی سلسلے میں محمد بن یحییٰ القولی کی تصنیفات و تالیفات مثلاً الاوراق فی اخبار خلفائے بنی عباس و بنی اُمیہ کا ذکر بھی لازم ہے ۔ آپ نے بنو عباس و بنی اُمیہ کے ادوار کے وزراء و شعراء کے ذکر کے علاوہ ایسی نادر معلومات جمع کی ہیں جو دوسروں کے بس کی نہیں تھیں کیونکہ یہ جملہ معلومات آپ کے ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں ۔ خدا نے آپ کو علمی ذوق و معرفت نیز تالیف و تصنیف کے سلسلے میں وافر حصہ بخشا تھا ۔ اسی ضمن میں حسن علی بن حسن جو "ابن الماشطہ" کے نام سے مشہور ہیں ، ذکر اور ان کی "کتاب الوزراء و اخبارہم" کا تذکرہ بھی ضروری ہے ، موصوف نے اپنی اس تصنیف میں الراضی باللہ تک تاریخی حالات درج کیے ہیں ۔

قدامہ جو کتب ہمارے زیر مطالعہ رہیں ان میں ابو الفرج قدامہ بن جعفر الکاتب کی کتابوں کا ذکر بھی لازمی ہے جو سب کی سب تصرف الفاظ اور تقرب معانی کے لحاظ سے اعجازی درجہ رکھتی ہیں خصوصاً آپ کی ایک اہم تصنیف "زہر الربیع" اور اتنی ہی ایک دوسری اہم کتاب الخراج یقیناً قابل مطالعہ ہیں ، ہمارے اس قول کی تصدیق مذکورہ کتب کے مطالعہ سے ہو سکتی ہے ۔ اسی طرح ابو القاسم جعفر بن محمد بن حمدان فقیہ موصلی کی کتاب کا ذکر بھی لازم ہے جس کا ذکر اور اس کے اقتباسات "مُبرد" نے جو "اہر" کے لقب سے مشہور ہیں اپنی کتاب "کتاب الروضہ" میں اس طرح درج کیے ہیں کہ وہ مُبرد باہر ہی کے نام سے منسوب ہو گئی ہے ۔ اسی طرح ابراہیم ابن ماہویہ فارسی کی کتاب جس کا ذکر "مبرد" کی کتاب "الکامل" میں موجود ہے اور اخبار الوزراء کے سلسلے میں ابراہیم بن موسیٰ الواسطی کی کتاب جس کا ذکر محمد بن داؤد بن جراح کی تصانیف اور علی بن فتح الکاتب رجو المطوق کے نام سے مشہور ہیں) کی تاریخ جو مقتدر باللہ کے چند وزراء کے حالات پر مشتمل ہے میں بھی ملے گا ، قابل ذکر کتابیں ہیں ۔

ان کے علاوہ درج ذیل کتابیں بھی ہمارے زیر مطالعہ رہی ہیں :-

بذھرۃ العیون ، جلاء القلوب (المصری کی تالیفات) کتاب التاریخ (عبد الرحمٰن بن عبد الرزاق

المعروف جوزجانی سعدی کی تالیف ، "کتاب التاریخ و" اخبار الموصل" مصنفہ ابی ذکرہ موصلی "کتاب التاریخ" مؤلفہ احمد بن یعقوب المصری (تاریخ دورِ عباسیہ) ، "کتاب التاریخ در اخبار بنی عباس وغیرہ" مؤلفہ عبداللہ بن سعد الکاتب ، کتاب محمد بن مزید بن ابی الازہر (تاریخی حالات وغیرہ) نیز اسی مؤلف کی ایک دوسری کتاب جو "کتاب الھرج والاحداث" کے مندرجات کے تراجم پر مشتمل ہے۔

تالیفات ثابت بن قرہ الحرانی کا جائزہ

میں نے سنسان بن ثابت بن قرّہ حرانی کو دیکھا ہے وہ اکثر ، دوسروں کی تخلیقات ونظریات کو اپنے نام سے منسوب کرتا رہا ہے ، کچھ کتابیں اپنے بھائیوں اور والد ثابت بن قرّہ الحرانی کی تحریروں سے مدوّن کی ہیں جو اخلاق نفس اور اقسام ناطقہ ، غضبیہ اور شہوانیہ جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں جن میں سیاسیات مُدن کا بھی ذکر ہے لیکن اسی حد تک جو افلاطون کی کتاب "سیاسیۃ المدینۃ" میں ہے ویسے یہ ۱۰ مقالات ہیں۔ ان کے علاوہ خود ثابت بن قرّہ نے اپنے نزدیک صحیح سمجھ کر بادشاہوں اور وزیروں کا ذکر کیا ہے حالانکہ وہ تحریریں اس کے مشاہدات پر مبنی نہیں ہیں اور ان اذکار کو معتضد باللہ تک پہنچا کر خلیفہ در خلیفہ حالات و کوائف کا اندراج کیا ہے باوصف اس کے کہ دوسرے مؤرخین اس کے برعکس لکھتے ہیں۔ اس کی بعض مساعی لائق تحسین ہیں لیکن اس کی کمزوری یہ ہے کہ وہ اکثر مرکزی موضوع سے ہٹ جاتا ہے اگرچہ اس نے اقلیدس ، مقطعات ، مدوّرات وغیرہ کے سلسلے میں سقراط ، افلاطون اور ارسطو وغیرہ کے حوالے سے فلکیات ، آثار سماوات ، طبعی مزاجات ، صنائع و مرکبات اور معرفۃ الطبیعات ، الھیات ، جوھر و ہئیت ، مقادیر الاشکال وغیرہ پر گفتگو کی ہے اور اس میں اپنی انفرادیت کے اظہار کی سعی بلیغ کی ہے ، لیکن درحقیقت ان میں سے کسی میں اس کی ذاتی تحقیق و تدقیق کا مطلقاً دخل نہیں ہے۔ تصنیفات و تالیفات کے سلسلے میں عبداللہ بن مقنع نے بالکل سچ کہا ہے کہ جس نے کوئی کتاب وضع کی وہ اعتراضات کا ہدف بنا ، جس نے از خود اس سلسلے میں چھوٹا سا طاق بھی بنایا وہ قابل تحسین ہے لیکن جس نے ان میں گڑبڑ کی یعنی قیاسات پر مبنی جوڑ توڑ سے کام لیا وہ گویا ایک فعل مکروہ کا مرتکب ہوا۔

ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی ان کتابوں کی مندرجہ بالا فہرست قلمبند کرنے ، ابی جعفر محمد ابن جریر طبری کی توصیف کرنے اور ابوالفرج قدامہ کو تصنیف و تالیف کے سلسلے میں داد دینے اور ثابت بن قرّہ الحرانی اور اس کے بیٹے سنسان کی تاریخی اور دیگر تالیفات کا منصفانہ جائزہ پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"ہم نے اپنی زیر نظر کتاب "مُروجُ الذہب" میں صرف ان مُصنّفین و مؤلفین کی کتابوں کے حوالوں پر اکتفا کیا ہے جو اپنی جگہ انتہائی مشہور و معروف اور لائق استناد تھیں، اسی طرح کتب تواریخ، کتب احادیث میں معرفت اسماء الرجال، ان کے ادوار و طبقات، ان کی نقول سیر و اخبار حتیٰ کہ دورِ صحابہ و تابعین میں بھی اہل علم کی ثقاہت اور ان کے اختلاف آراء و روایات کا کلی طور پر جائزہ لے کر ان کی مرتّب کردہ صرف انھیں کتابوں سے اپنی کتب موسومہ "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں حوالے دیے ہیں جو ۳۳۲ھ تک ہمارے مطالعہ میں آئیں۔

کتاب زیرِ نظر "مروج الذہب" کی افادیت

ہم نے اپنی زیر نظر کتاب کا نام "مُروجُ الذہب معادن الجوہر" اس میں نادر و نایاب اور قیمتی معلومات کی فراہمی کی بناء پر رکھا ہے۔ اس میں اپنی پچھلی تصنیفات کا عطر پیش کیا گیا ہے۔ احوال ملوک اور آثار زماں پر مفصّل گفتگو کی گئی ہے جس کی اہل علم و درایت کے لیے افادیت ظاہر ہے۔ مرور ایام کے ساتھ عالمی تغیرات کے پیشِ نظر اپنی تصانیف ماقبل پر اضافے کیے گئے جن کا علم اہل دانش کے لیے ضروری ہے اور ان سے لاعلمی و تغافل یقیناً ان کی نگاہوں میں بھی ناپسندیدہ عمل ہوگا۔ ہم نے بہر نوع جملہ علوم و فنون پر حتیٰ الوسع اور حتیٰ الامکان روشنی ڈالی ہے اور حتی المقدور کسی موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑا، کہیں ضروری تفصیل، کہیں اجمال و اشارات اور کہیں بلاغت عبارات سے کام لیا گیا ہے۔

منجانب مؤلّف تصرفات کی تردید

ہم نے زیر نظر کتاب میں اندراج واقعات کے سلسلے میں اپنی جانب سے کوئی تصرف نہیں کیا ہے اور ہم خدائے قدوس کو حاضر و ناظر اور قادر مطلق جان کر اس امر کا اظہار ضروری سمجھتے ہیں کہ اصلاً و نقلاً جو کچھ اس کتاب میں لکھا گیا ہے وہ بعد کمال تحقیق درج کیا گیا ہے جو مفید خلائق اور اہل نظر کے لیے باعث عبرت بھی ہوگا ویسے ہر بات میں خدا کے سوا کسی کو کمال قدرت حاصل نہیں۔

اب ہم اخبار و آثار کے لحاظ سے اس کتاب کے اگلے ابواب کی طرف آتے ہیں اور خدا سے طالب توفیق ہیں۔

باب دوم

اس کتاب کے ابواب کی بلحاظ موضوعات تقسیم

ابواب کتاب زیر نظر کتاب میں ہم نے اس سے قبل اغراض کتاب کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم اس کے جملہ ابواب کا حسب مراتب بلحاظ کلیت ذکر کریں گے تاکہ قارئین کرام کو متن کتاب کے تمام موضوعات کا مطالعہ کتاب سے قبل علم ہوسکے اور وہ ان کی سلسلہ وار اہمیت پر غور فرما سکیں۔

سب سے پہلے ہم ابتدائے کائنات، شان تخلیق اور نسل انسانی کا حضرت آدمؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک ذکر کریں گے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم سے لے کر بنی اسرائیل کے انبیاء و ملوک اور ان کے متعلق قصص پر گفتگو کریں گے، ازاں بعد ان اہل فترہ کا ذکر کریں گے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک درمیان میں آنے والے ملوک وغیرہ پر مشتمل ہوگا۔ البتہ اس سے قبل ہم ملک ارغبعم بن سلیمان بن داؤدؑ اور بنی اسرائیل کے دوسرے سلاطین کے حالات و کوائف پر روشنی ڈالیں گے۔ اس کے بعد درج ذیل موضوعات مختلف ابواب میں ہماری گفتگو کا موضوع بنیں گے۔

۱۔ ہندوستان اور دوسرے ممالک کے حالات و کوائف، وہاں کی سیر و سیاحت اور عبادات سے متعلق وہاں کے باشندوں کی رائیں۔

۲۔ ارضیات، سمندر، دریاؤں اور پہاڑوں کی ابتداء، سات اقالیم و کواکب کا ذکر۔

۳۔ بحر اسود پر معلومات اور اس کی تدریجی وسعت و پہنائی کا ذکر۔

۴۔ مد و جزر کے متعلق لوگوں میں حالیہ اختلاف آرا اور اس سے قبل جو کہا گیا۔

۵۔ بحر روم کا ذکر اور اس کے طول و عرض اور ابتدا و انتہا کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے۔

۶۔ ترتیب کے لحاظ سے دوسرے سمندروں مثلاً بحر اخزر، بحر ... بحر مانطس

خلیج قسطنطنیہ اور ان میں گرنے والے دریاؤں کے منابع و مخارج کا ذکر۔

۷۔ چینی ترکی سلاطین، ان کے حالات و کوائف اور سیاسیات کا ذکر۔

۸۔ سمندری معلومات اور اس کے عجائب و غرائب نیز سواحلی اقوام پر گفتگو۔

۹۔ جبل قبح، اس کے اطراف کی وادیوں کی اقوام، ترک و بلغراد کی نسلیں، ان کی قسمیں اور احوال گرد و پیش۔

۱۰۔ سریانی سلاطین

۱۱۔ ملوک موصل و نینوا جنہیں عوری بھی کہا جاتا ہے۔

۱۲۔ ملوک بابل وغیرہ جنہیں کلدانی بھی کہا جاتا ہے۔

۱۳۔ فارس کے اوّلین بادشاہ، ان کی سیرت وغیرہ۔

۱۴۔ ملوک الطوائف جو اشغانی کہلاتے ہیں اور وہ دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے درمیان آتے ہیں۔

۱۵۔ انساب فارس اور ان کے متعلق لوگوں کے اقوال

۱۶۔ ساسانی سلاطین، جو فارس کے دورِ ثانی میں شامل ہیں۔

۱۷۔ ملوکِ یونان اور ان کے حالات، نیز ان کے حسب و نسب کے متعلق لوگوں کے اقوال۔

۱۸۔ ہندوستان میں سکندر کی لڑائی کا حال

۱۹۔ سکندر کے بعد یونانیوں کے حالات۔

۲۰۔ روم، اہلِ روم کے ابتدائی انساب، تعداد ملوک، ان کے ادوار کی تاریخ اور سیرت قومی۔

۲۱۔ رومِ متنصرہ جسے قسطنطینی روم بھی کہا جاتا ہے اور اس زمانے کے حالات و کوائف۔

۲۲۔ ظہورِ اسلام کے بعد رومی بادشاہ دورِ آرمینوس تک، یہ آخری بادشاہ ۳۳۲ ہجری میں گزرا ہے۔

۲۳۔ ذکر مصر، دریائے نیل شہر مصر اس کی ابتدا، فراعین مصر، وہاں کے قدیم عجائبات وغیرہ۔

۲۴۔ اسکندریہ، اس کی بنیاد، اس کے بادشاہ، ان کے حالات و کوائف اور اس دور کے عجائبات وغیرہ

۲۵۔ سوڈان، وہاں کی نسلیں، مختلف اجناس، ان کی اقسام، باہمی نسلی تباین و تضاد اور وہاں کے بادشاہوں کے حالات و کوائف۔

۲۶۔ صقلیہ (سسلی)، اس کے مساکن، حالات ملوک اور اس خطۂ ارضی کی مختلف اجناس۔

۲۷۔ انگریزی، فرانسیسی اور دوسری یورپی اقوام، ان کے بادشاہوں کے حالات اور سیرتیں اور ان کی [illegible] ہسپانوی سے لڑائیاں۔

۲۸ - المانیہ (جرمنی) اور اس کے ہمسایہ ممالک، ان کے مساکن اور سیرت و اطوار۔
۲۹ - قوم عاد، اس کے بادشاہ، ان کے متعلق معلومات، ان کی لمبی چوڑی وسیع عمارات۔
۳۰ - قوم ثمود، اس کے بادشاہ، اس کے نبی حضرت صالح علیہ السلام اور اس قوم کے دیگر حالات و کوائف۔
۳۱ - مکہ، بیت اللہ، اس کی بنیاد، زمانہ ماقبل کے حالات اور متعلقہ کوائف۔
۳۲ - کرۂ ارض، اس کے باشندوں کے وطن در وطن حالات و کوائف۔
۳۳ - تاریخ نویسوں کے یمن، شام، عراق اور حجاز کے متعلق وجہ تسمیہ میں بسلسلۂ تحقیقات اختلافات۔
۳۴ - ذکر یمن، اس کے باشندوں کا حسب و نسب اور ان کے متعلق لوگوں کے اذکار و افکار۔
۳۵ - شاہانِ یمن اور ان کے اخلاف کے حالات، ان کے سیرت و کردار اور ان کے ادوار۔
۳۶ - یمن کے ملوک حیرہ اور ان کے حالات و کوائف۔
۳۷ - یمن سے منتقل ہونے والے شامی غسّان وغیرہ اور ان کے حالات۔
۳۸ - قدیم عرب کے باشندے، اقوام عرب، ان کے مختلف مساکن کی وجوہ، بدوی لوگ، ان کے قیام کے پہاڑی علاقے، کرد اور ان کا حسب و نسب و دیگر حالات و کوائف۔
۳۹ - عربی ادیان و مذاہب، زمانۂ جاہلیت میں ان کے افکار و خیالات، مختلف شہر، اصحابِ فیل کا ذکر، احکام احابیش، عبد المطلب اور اس باب سے متعلق دیگر حالات و کوائف۔
۴۰ - اقوالِ عرب میں مبالغہ اور غلو اور اس کے متعلق عرب و غیر عرب لوگوں کی رائیں۔
۴۱ - اقوام عرب میں ھام و صفر اور ان کے حالات و کوائف۔
۴۲ - جنّ اور دیگر غیر انسانی نفوس، ان کے متعلق عربوں کے خیالات، ان کا اثبات و انکار۔
۴۳ - عربوں کے قیافے شناسی، نفسیاتی اندازے، فال، شگون، اشارات اور فال دیکھ کر نفل نکالنی وغیرہ کا ذکر۔
۴۴ - کہانت اور اس کی تشریح، اس کے متعلق لوگوں کے خیالات، عربی کی طلاقت و رطب اللسانی، خواب اور ان کی تعبیرات کے متعلق عربوں کے خیالات، نیز اس باب کے تحت متعلقہ افکار اذکار۔
۴۵ - کہانت کے متعلق تمام معلومات، سیل عرم جو ارض سبا میں آیا اور اس کے نتیجے میں تباہی کے بعد نئی بستیوں کی بنیاد اور وہاں کے باشندوں کے تازہ مساکن وغیرہ۔
۴۶ - ازمنۂ عرب و عجم، ان کے شہر، سال و ماہ اور ان میں [illegible]

ان کے ناموں میں اختلاف اور ان کے تاریخی حالات وکوائف۔

۴۷ - سریانی شہروں سے رومی شہروں یا مہینوں کا موازنہ اور ان کے سنین کی تعداد اور دیگر معلومات۔

۴۸ - فارس کے ماہ وسال اور ان کے متعلق معلومات۔

۴۹ - ازمنۂ فارس اور ان کے متعلقہ حالات وکوائف۔

۵۰ - عربی سن (ماہ وسال) اور ان کے دنوں اور راتوں کے نام۔

۵۱ - قمری مہینوں کی راتوں کے متعلق عربوں کے اقوال اور اس سلسلے کی دیگر باتیں۔

۵۲ - دنیا پر شمسی و قمری اثرات اور اس کے متعلق اذکار وافکار۔

۵۳ - ربع مسکوں کی آب و ہوا) اس پر شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً سلطان الکواکب (سورج) کے اثرات۔

۵۴ - قابلِ احترام عمارتوں یعنی معابد (عبادت گاہوں) مناور، ہیکلوں، گرجاؤں، صنم کدوں، ہندی عبادات (پوجا پاٹ)، کواکب اور دیگر عجائبات عالم۔

۵۵ - یونانی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۶ - صقلیہ (سسلی) کی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۷ - قدیم رومی عبادت گاہیں اور ان کے کوائف۔

۵۸ - صابیوں اور حرانیوں کی متبرک عمارات اور ان کے کوائف و معلومات وعجائبات۔

۵۹ - سورج اور چاند کے نام پر عبادت گاہیں، ان کی بناء اور اس سلسلے میں مجوسیوں یعنی آتش پرستوں کے بنیادی افکار۔

۶۰ - تمام عالمی تاریخ - ابتدا سے عہدِ رسالت نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک - اور اس کے علوم وفنون۔

۶۱ - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت، آپ کا حسب ونسب اور اس باب کے تحت دیگر اذکار۔

۶۲ - بعثت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ کی ہجرت۔

۶۳ - ہجرت کے اسباب وکوائف وغیرہ۔

۶۴ - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے تا وفات حالات۔

۶۵ - وہ امور وکوائف جو مکہ میں آپؐ کی ولادت سے آپؐ کی وفات تک ظاہر ہوئے۔

۶۶ - جمع احادیث کی ابتداء جو اس سے قبل کسی کے اقوال و اعمال کے سلسلے میں صورت پذیر نہیں ہوئی۔

۶۷ - خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کی سیرت و نسب کا ذکر۔

۶۸ - حضرت عمرؓ کی خلافت، آپ کے حسب و نسب اور آپ کی سیرت کا ذکر۔

۶۹ - حضرت عثمان بن عفانؓ، آپ کی خلافت، آپ کے حسب و نسب اور آپ کی سیرت کا ذکر۔

۷۰ - حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت، آپ کے حسب و نسب، آپ کی سیرت اور آپ کے دوسرے بھائی بہنوں کا حسب و نسب اور دیگر کوائف پر گفتگو۔

۷۱ - جنگِ جمل، اس کی ابتدا اور اس ضمن میں جو لڑائیاں ہوئیں ان کے حالات۔

۷۲ - جنگِ صفین عراق و شام کی شمولیت، ثالثی اور تحکیم کا ذکر۔

۷۳ - حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اہل نہروان و خوارج سے جنگ کا حال۔

۷۴ - ذکرِ شہادت حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔

۷۵ - آپ کے کلام، اقوال اور زہد و تقویٰ کا ذکر۔

۷۶ - حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے حالات اور آپ کی سیرت کا ذکر۔

۷۷ - ایام معاویہ بن ابی سفیان کے حالات اور آپ کے دورِ امارت کے کچھ نوادر کا ذکر اور آپ کی سیرت کا حال۔

۷۸ - اخلاق و سیاست معاویہؓ اور آپ کے دورِ امارت کے حالات۔

۷۹ - ذکرِ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم اور ان کے اوصاف اور حضرت علیؓ بن ابی طالب اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے فضائل۔

۸۰ - یزید بن معاویہ بن ابی سفیان کا ذکر۔

۸۱ - حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی شہادت اور آپ کے اہل بیت و معاونین کی شہادتوں کا حال۔

۸۲ - یزید بن معاویہ کی سیرت اور اس کے زمانے کے کچھ نوادر کا ذکر جو حرّہ میں ظہور پذیر ہوئے۔

۸۳ - حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی اولاد امجاد کے اسمائے گرامی۔

۸۴ - ایام معاویہ بن یزید، مروان بن حکم، مختار بن ابی عبید، عبداللہ بن زبیرؓ اور ان حالات کا ذکر جو ان کے دور میں گزرے۔

۸۵ - عبدالملک بن مروان، اس کے حالات اور حجاج بن یوسف کے کردار و سیرت اور اس کے کچھ ذاتی اوصاف کا ذکر۔

۱۰۸ - المستعین اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۰۹ - المعتز اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۰ - المہتدی اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۱ - المعتمد اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۲ - المعتضد اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۳ - المکتفی اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۴ - المقتدر اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۵ - القاہر اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۶ - الراضی اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۷ - المتقی اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۸ - المستکفی اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۱۹ - المطیع اور اس کا دَورِ خلافت۔

۱۲۰ - تاریخ ثانی کی تدوین کا ذکر جو ہجرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لے کر اس وقت تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ یہ جمادی الاوّل ۳۳۶ھ کا مہینہ ہے جب ہم زیرِ نظر کتاب کی تدوین و تحریر سے فارغ ہوئے۔

۱۲۱ - ان حُجاج کا ذکر جنہوں نے اوّل الاسلام کے لائق تعظیم حضرات کے ساتھ ۳۳۶ھ تک فریضۂ حج ادا کیا اور اسی پر ہماری زیرِ نظر کتاب کا اختتام ہوتا ہے۔

۱۲۲ - مذکورہ بالا حضرات کے القاب و آداب اور ان کی تعداد جو اہل علم نے قلمبند کی ہے۔

مندرجہ بالا سطور قلمبند کرنے کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :-

"مندرجہ بالا ابواب میں ہم نے جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان کے تحت حالات کی تفصیلات، سیرت ملوک و وزراء اور مختلف ممالک کے حالات و کوائف کی تفصیل کی بناء پر زیرِ نظر کتاب کے طے شدہ ابواب میں اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے خلفائے عباسیہ کی مجالس میں علوم و فنون پر مباحث کا ذکر ہے جو ہماری پہلی دو کتابوں میں چھوٹ گیا تھا۔ اس طرح اب زیرِ نظر کتاب کے ابواب کی مجموعی تعداد ۱۳۲ ہو گئی ہے۔ اس سے قبل ہم پہلے باب میں زیرِ نظر کتاب کا سببِ تالیف اس کے اغراض و مقاصد اور اہمیت نیز افادیت بیان کر چکے ہیں۔ اس دُوسرے باب میں ابواب

کی تعداد، ان کے تحت موضوعات اور آخر میں لائق تعظیم اوّل الاسلام اصحاب کے ساتھ جن محترم شخصیتوں نے فریضۂ حج ادا کیا ان کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں کہ ان دونوں کے اسمائے گرامی اور القاب و آداب کے ساتھ زیرِ نظر کتاب کے آخری باب میں کریں گے۔ اب قارئین کرام زیرِ نظر کتاب کا باب سوم اور اس کے تحت مندرجات ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

وما توفیقی الا باللہ

باب سوم

ذکر مبدا و شان تخلیق و ابتدائے انواع مخلوق

اہل اسلام میں جملہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ خدائے عزوجل نے اشیاء کو اس طرح پیدا کیا کہ اس سے قبل ان کی کوئی مثال نہ تھی اور ان کی ابتدا غیر اصل سے کی۔ اس متفقہ رائے کے ذکر کے بعد ابن عباس وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ان علماء کی آراء کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پانی پیدا کیا، اس پر اپنا عرش قائم کیا اور جب مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو پانی سے دھواں اٹھایا اور اسے آسمان موسوم کیا، پھر پانی کو منجمد کر کے اس سے زمین پیدا کی اور اسے پھاڑ کر دو دن میں یعنی پہلے اور دوسرے دن سات طبقات میں نیچے اُوپر تقسیم کیا اور اسے حوت پر ٹھہرایا۔ حوت کا مطلب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں "ن والقلم وما یسطرون" کے تحت ارشاد فرمایا اور عربی لغت کے مطابق بڑی وہ "بڑی مچھلی" ہے اور پانی میں ہے اور پانی "صفا پر" اور صفا پشت ملک پر اور ملک چٹانوں کی طرح سخت جگہ پر اور یہ چٹانی جگہ "ریح" (ہوا) پر ہے اور یہ صخرہ اور ریح وہی چیزیں ہیں جن کا اللہ جل شانہٗ نے لقمان اور اس کے بیٹے کی حکایت میں قرآن پاک میں ذکر فرمایا ہے۔ حوت (بڑی مچھلی) جب ہلی جُلی اور زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ نصب فرما دیے جس سے زمین ساکن ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد (قرآن) فرمایا ہے کہ "ہم نے زمین کو ایسا بنایا کہ تم اس پر چلو پھرو" اور اللہ نے اس میں پہاڑ اور اس میں رہنے والوں کے لیے روزی کے سامان پیدا کر دیے۔ اور انھیں مکمل طور پر ان کے لیے مسخر کر دیا اور یہ سب کچھ اس نے دو دن میں کیا یعنی تیسرے اور چوتھے دن، پھر زمین، آسمان اور پہاڑوں سے پوچھا کہ آیا تم اُس کے حکم سے انکار کرو گے جس نے کائنات پیدا کی؟ اگر تم بفرض محال انکار کرو بھی تو تمہیں طوعاً و کرہاً اس کا حکم بجا لانا پڑے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم بطور اطاعت تیرا حکم

مانیں گے (الفاظ قرآن کا مفہومی ترجمہ) اور جو دھواں تھا وہ پانی کا تنفس تھا، اللہ تعالیٰ نے اس سے ملکِ واحد بنایا، پھر اسے پھاڑ کر اس سے دو دن میں سات آسمان بنائے اور یہ دو دن جمعرات اور جمعہ تھے۔ اور جمعہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جملہ آسمانی اور ارضی مخلوق کو جمع کیا۔ آسمانی مخلوق میں اس نے ملائکہ، بحور اور سرد پہاڑ بنائے۔ اس نے فلک دُنیا کو سبز زمرد سے، دُوسرے آسمان کو سفید چاندی سے، تیسرے آسمان کو سُرخ یاقوت سے، چوتھے آسمان کو سفید موتی سے، پانچویں آسمان کو پیلے سونے سے، چھٹے آسمان کو آبی رنگ یاقوت سے اور ساتویں آسمان کو نور سے تخلیق کیا۔ پھر اس نے فرشتوں کو اپنے تقرب و تعظیم کے لیے قیام کا حکم دیا لیکن ان کے ٹخنے زمین کے ساتویں طبقے تک پہنچے ہوئے تھے، فرشتوں کے پاؤں اگرچہ ساتویں طبقہ ارضی کے نیچے تھے لیکن ان کے سر عرشِ اعظم کے نیچے تھے، یعنی عرش تک نہیں پہنچے تھے اور وہ اسی طرح پانچ سو سال تک کھڑے رہے اور کہتے رہے کہ "اللہ تعالیٰ کے سوا جو مالک عرش عظیم ہے کوئی معبود نہیں"۔ اور اب وہ اسی طور سے حالت قیام میں تا قیام قیامت اللہ تعالیٰ کی انہیں الفاظ میں حمد کرتے رہیں گے۔ اور عرش کے نیچے ایک سمندر ہے جس سے حیوانات کا رزق بتدریج ایک آسمان سے دُوسرے آسمان تک اترتا ہوا خدا کے حکم سے وہاں پہنچتا ہے جس جگہ کو "ابرم" کہا گیا ہے۔ پھر خدا نے ہوا سے تخاطب کیا کہ وہ بادلوں کو اُڑائے پھرے، آسمانِ دنیا کے نیچے بھی ایک سمندر جس میں قدرتِ خداوندی سے کچھ چوپائے رہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان تخلیقات سے فارغ ہوا تو اس نے پشت زمین کو سکون بخشا اور تخلیق آدم سے قبل جن پیدا کیے، انہیں جزائر بحور میں رکھا۔ ابلیس انہیں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعلہ زن آگ سے پیدا کیا، اور انھیں ہدایت کی کہ وہ باہم کشت و خون اور عداوت میں مبتلا نہ ہوں لیکن انہوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ایک دُوسرے کا خون بہایا تو اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے جو اس کی تسبیح و تہلیل میں ہمہ دم مصروف تھے وہاں بھیجے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سوں کو قتل کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان دنیا میں ابلیس کو خازن و سردار مقرر کر دیا لیکن اس کے دل میں تکبر پیدا ہو گیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتوں سے فرمایا: "میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں" (ترجمہ) فرشتوں نے عرض کیا "وہ خلیفہ کیا ہو گا؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "(وہ انسان ہوگا اور) زمین پر اس کی ذریت ہو گی، وہ فساد کرے گی اور ایک دُوسرے سے حسد کرے گی اور ان میں سے بعض کچھ دُوسروں کو قتل کریں گے"، فرشتوں نے عرض کیا "کیا تو زمین پر اسے خلیفہ

بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا جب کہ ہم تیری حمد و ثنا کرتے ہیں اور تیری تقدیس بیان کرتے ہیں'' (القرآن - ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے'' (القرآن - ترجمہ)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے اس گفتگو کے بعد جبریلؑ فرشتے کو زمین پر بھیجا تاکہ وہاں سے مٹی لائے لیکن زمین نے اعوذ باللہ کہہ کر معذرت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے میکائیل فرشتے کو بھیجا لیکن جب زمین نے اس سے بھی معذرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ملک الموت عزرائیل کو بھیجا تو زمین بولی کہ خدا کی پناہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتی - چنانچہ حضرت عزرائیل نے زمین سے سیاہ، سرخ اور سفید مٹی لی اور اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوئے - یہی وجہ ہے کہ نوعِ انسانی مختلف رنگوں میں بٹی ہوئی ہے - اللہ تعالیٰ کی طرف سے لفظ آدم کی وجہ تسمیہ یہی ہے کہ اس نے اسے ادیم زمین سے بنایا ہے، یوں بعض اقوال اس سے مختلف بھی ہیں - اللہ تعالیٰ نے موت کا کام ملک الموت کو سونپا ہے - خدا نے آدمؑ کی مٹی کو خمیر کے لیے اس طرح رکھا کہ اس کے سب اجزا باہم پیوست ہو گئے اور یہ عمل چالیس سال کی مدت تک ہوتا رہا - پھر چالیس سال تک اسے اسی طرح چھوڑے رکھا تاکہ اس میں فطری طور پر جو تغیر اور تبدیلی ہونا ہو ہو جائے - پھر اس مٹی سے اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کا پتلا بنایا لیکن اس میں روح نہیں پھونکی، تاہم اسے ۱۲۰ سال تک یونہی رہنے دیا - بعض اقوال کے مطابق یہ مدت بھی چالیس سال ہی تھی - یہ پتلا سوکھی کھنکھنی (بجتی ہوئی) ٹھیکرے جیسی مٹی کا تھا جس میں ابلیس سامنے سے داخل ہو کر پشت کی طرف سے نکل جاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کیا بنایا ہے یعنی اس کے پیلے (پتلے کے لیے) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں "من صلصالٍ کالفخار" ارشاد فرمایا ہے، فرشتے اس پتلے سے گزرا کرتے تھے جن میں پیش پیش ابلیس تھا - جب اللہ تعالیٰ نے آدم کے پتلے میں روح پھونکنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے کہا: "آدمؑ کو سجدہ کرو چنانچہ سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (اس نے تکبر اور انکار کیا)'' (القرآن - ترجمہ) اس نے کہا: "یا رب! میں اس سے بہتر ہوں، تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے، میں بادشاہ ہوں، نور سے آراستہ اور کرامت میں ممتاز ہوں اور میں وہ ہوں جس نے زمین آسمان ہر جگہ تیری عبادت کی ہے - اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہاں سے نکل جا! تجھ پر قیامت تک میری طرف سے لعنت ہوتی رہے گی -" ابلیس نے (نکلتے ہوئے) خدا سے اس وقت تک کی مہلت مانگی جب مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے - لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اسے اس وقت معلوم تک (آزاد رہنے کی) مہلت بخش دی - ابلیس چلا گیا اور اس پر اس حد تک پھٹکار

رہی کہ اس نے خدا کی نافرمانی کی اور آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا جس کا اسے حکم دیا گیا تھا۔ جہاں تک آدمؑ کا تعلق ہے وہ اس وقت بھی اس مقام پر تھے جہاں مامور و مطیع ہوتے ہیں مگر خود مکلف بالاطاعت نہ تھے اس لیے انہیں سجدہ کرنا گویا خدا کو سجدہ کرنا تھا۔ انسانوں میں کچھ حضرات کا بحث دوسرا ہے (بہرحال، خدا نے آدمؑ میں اپنی روح پھونکی لیکن اس حد تک کہ وہ چل پھر سکے۔ بیٹھ سکے اور بات چیت کر سکے، تاہم آدمؑ نے اسی کو مکمل سمجھ لیا) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے: "انسان جلد باز تھا" مزید روحانی حصول سے اسے روشنی ملی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے آدمؑ اللہ کی حمد کر، اللہ تجھ پر رحمت کرے۔"

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

اب تک جو باتیں ہم نے تخلیق عالم و آدمؑ کے متعلق تحریر کی وہ یا تو از راہ شریعت ہم تک پہنچی ہیں یا خلاف نے اپنے اسلاف سے نقل کی ہیں اور ہم نے زیر نظر کتاب میں اور اس سے قبل اپنی تصنیفات میں جو کچھ لکھا ہے وہ تقریباً انہیں کے الفاظ میں انہیں کی آراء و نظریات پر مبنی ہے اور ہمارے لیے صرف معلوماتی ذخیرہ ہے جس میں دلائل و براہین شامل ہیں، اس لیے نہ ہم اس کی تردید کا حق رکھتے ہیں نہ تنقید کا۔

اس سلسلے میں امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے یہ روایات کی گئی ہیں آپ نے فرمایا:۔

"جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عالم و مخلوق کرنا چاہی تو زمین اور آسمان کو متشکل کرنے سے قبل مبداء خلق جو تشکیل فرمائی وہ اس طرح کہ اپنے ملکوتی، جبروتی اور وحدانی نور سے ایک حصہ الگ کر کے اسے پہلے اشکال خفی میں رکھا پھر اسے ظاہری روشنی بخش کر جو صورت دی وہ ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری خاکہ تھا۔ اس نوری خاکے سے خدا نے یوں خطاب فرمایا: تو مختار منتخب ہے، تجھ میں میرا نور اور میری ہدایات کے خزانے ہیں۔ اس کے بعد خدائے قادر و قیوم نے زمین و آسمان، ثواب و عقوبت اور جنت و دوزخ کو اپنے اس نور کے حوالے کر کے فرمایا کہ ہم نے تجھے اور تیرے اہل بیت کو ہدایت کا منصب بخشا اور اپنے علم کے خزانوں سے جو کچھ دیا ہے وہ ان کے لیے دقیق و دشوار نہ ہوگا۔ نہ کبھی پوشیدہ رہے گا، ہم نے انہیں اپنی مخلوق پر دلیل و حجت بنایا ہے اور اپنی قدرت و توحید کی اشاعت کا وسیلہ۔ پھر اس نے اپنی تخلیق کردہ مخلوق سے اپنی ربوبیت و توحید کے اقرار میں اخلاص کی گواہی لی اور اس کے بعد محمدؐ و آل محمدؐ کے انتخاب پر ان سے تصدیق کا اقرار کرایا۔ خدا

کا محمدؐ کو ہدایت عالم پر مامور فرمانا اور اپنے نور سے حصہ دینا اور ان کی آل کو منصب امامت سے سرفراز فرمانا سُنّتِ عدل کے عین مطابق ہے۔" اس کے بعد آپ (حضرت علی رضؓ) نے تکوین عالم کے خفائے خداوندی اور اس کے مکنون علمی میں رہنے اور اس کے بعد تخلیق آب، پانی سے دھوئیں کے اخراج عرشِ خداوندی کے پانی پر استقرار، پانی پر سطح ارضی، دھوئیں سے تشکیل سماوات، کل کائنات کا خدا کی قدرت، توحید و ربوبیت کے اقرار اور اطاعت کے اظہار، نورِ ازلی سے فرشتوں کی تخلیق اور نورِ خدا سے ابداع انوار و اختراع ارواح اور توحید الٰہی سے نبوتِ محمدی کی ازلی قربت کا ذکر فرمایا ہے، نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ ظہور محمدی اور آپ کی زمین پر بعثت سے پہلے ہی آسمان پر آپ کی عظمت کے چرچے تھے۔ بعدۂ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے مزید فرمایا:۔

اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کی اپنے اس نورِ خفی کے ذریعہ کرمت مخصوص کرنے سے قبل جو نورِ محمدی اور نوری و روحانی ازوات میں سب سے ممتاز تھا فرشتوں کے سامنے اس کی توجیہ بیان فرما دی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے علوم مخفی سے علم الاشیاء وغیرہ کے بارے میں سرفراز فرما کر انھیں آپ کے سجدے کا حکم دیا تھا۔ آدم علیہ السلام کا یہ امتیاز درحقیقت نور محمدی ہی کی بنا پر تھا جو زمین پر آپ کے ظہور، آپ کی بعثت و وفات کے بعد آپ کے نائبین (ائمہ) کے حصے میں آیا۔ صرف اسی لیے ہم ائمہ آلِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے نوعِ انسانی میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں کیونکہ ہم نسل انسانی کے زمین پر ظہور سے قبل ہی ارضی و سماوی نور، خازن مکنون علوم خداوندی تھے اور زمین پر اس کے احکام کی وضاحت کرنے والے، مصیر الامور کا مرکز، ہدایات و حجت باری تعالیٰ جل شانہٗ کا منظر، مصور الامور، غایۃ النور ہیں اور اسی لیے افضل المخلوقین، اشرف الموحدین دلائل رب العالمین ہیں اور ہم سے تمسک وجہ نجات ہے۔ فضیلت آلِ محمدؐ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا اقوال ابی عبداللہ جعفر بن محمد نے اپنے والد محمد بن علی سے اور انھوں نے اپنے والد علی بن حسین سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ سے روایت کیے ہیں اور ہمیں ان اقوال کی صحت پر معترض ہونے کی اس لیے ضرورت نہیں کہ جملہ سابق مصنفین ان پر مہر تصدیق ثبت کرتے آئے ہیں اور ہمیں ان مصنفین کی ثقاہت و دیانت میں کوئی شک نہیں۔ ان مصنفین کی فہرست یہاں بخوفِ طوالت درج نہیں کی گئی۔

توریت کی رُو سے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتداء دوشنبہ (پیر) سے کی اور یوم شنبہ (سنیچر) پر اس کا اختتام فرمایا اس لیے یہودی ہفتہ کے روز کو روزِ عید سمجھتے ہیں اور اہل انجیل یعنی مسیح یہ کہتے

ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یک شنبہ (اتوار) کو اپنی قبر سے اُٹھے اور اسی لیے وہ اتوار کو روزِ عید سمجھتے اور مناتے ہیں، لیکن جُملہ فقہاء اہلِ آثار اس پر متفق ہیں کہ تخلیق کائنات کی ابتداء اتوار کے دن اور اس کا اتمام جمعہ کے دن ہوا یعنی از ابتدا تا انتہا اس میں چھ دن لگے اور عالمِ عدم سے چھٹے دن حضرت آدمؑ میں رُوح پھُونکی گئی پھر آدمؑ سے حوّا کو پیدا کیا گیا اور یہ دونوں تین ساعتوں تک جنت میں مقیم رہے۔ یہ تین ساعتیں کیا ہیں؟ وہ چوتھائی دن ہے جو سالہائے دُنیا کے لحاظ سے ۱۵۰ سال کا ہوتا ہے۔ اس کے بعد آدمؑ کو سراندیپ (لنکا) میں، حوّا کو جدّہ میں، ابلیس کو بیسان (؟) میں اور سانپ کو اصفہان میں اتارا گیا۔

آدمؑ کو ہندوستان کے جزیرہ سراندیپ کے پہاڑ راہون پر اتارا گیا۔ ان کے جسم پر جو جلدی لباس تھا وہ لباس جنت کا بقیہ تھا اور خوشبوؤں سے معطّر تھا۔ اس کی خوشبو تمام ہندوستان میں ہواؤں کے ذریعے پھیل گئی، کہا جاتا ہے کہ اسی وجہ سے ہندوستان میں عود، لونگ، مُشک وغیرہ جملہ خوشبوئیں پائی جاتی ہیں، واللہ اعلم۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کی کانوں سے ہیرے اور اس جزیرے کے سمندر سے موتی نکلتے ہیں کہتے ہیں جب آدمؑ کو زمین پر اتارا گیا تو ان کے ساتھ بہت سے میوے اور کھانے کی اشیاء بھی بھیجی گئیں، مثلاً اخروٹ، بادام، مونگ پھلی، نارنگی، انار، کشمش، عناب سیب، انگور، خشخاش، کچھ سبزیاں، مثلاً کھیرا، ککڑی اور کچھ غلّے اور دالیں وغیرہ بھی بھیجی گئیں۔

آدمؑ و حوّاؑ کو پہلے الگ الگ اتارا گیا تھا پھر جہاں وہ دونوں ایک دُوسرے سے متعارف ہوئے یا ملے اس جگہ کا نام عرفہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس جگہ کی وجہ تسمیہ آدمؑ و حوا کی ملاقات (تعارف) ہی ہے لیکن اس قول میں اختلاف ہے۔

جب آدمؑ نے حوّا سے ملاقات کے بعد تعلقات زوجیت قائم کیے اور حوّا پہلی بار حمل کے بعد جس اولاد کو جنم دیا ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکے کے نام قابین اور لڑکی کا نام لوندا رکھا گیا اور جب حوّا کے دوبارہ حمل قرار پایا تو اس سے بھی ایک لڑکا پیدا ہوا اور ایک لڑکی۔ لڑکے کے نام ہابیل اور لڑکی کا اقلیما رکھا گیا۔ لڑکوں کے ناموں میں راوی اختلاف رکھتے ہیں لیکن اہلِ کتاب اور کچھ دوسرے لڑکوں میں سے پہلے کے نام قابین پر متفق ہیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، تاہم ایک گروہ ایسا ہے جو اس کا نام قابیل بتاتے ہیں مگر اکثریت کی رائے وہی ہے جو ہماری ہے۔

علی بن الجہم خلقت کائنات و مخلوق کی بابت اپنے قصیدے میں ایک جگہ کہتا ہے:۔

"جب ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام قابین رکھا گیا، اور یہی نام ہم بجگہ (سننے)

اور دیکھتے آئے ہیں تاہم اسے کوئی اب ہابیل کے نام سے پکارے یا قابین کے ان دونوں میں (ہمارے نزدیک) کوئی فرق نہیں ہے۔"

اہل کتاب کہتے ہیں کہ آدمؑ نے ہابیل کی بہن کی قابین سے اور قابین کی بہن کی ہابیل سے شادی کی اور دو ساتھ ساتھ پیدا ہونے والے بہن بھائیوں میں بلحاظ تقدیم و تاخیر ولادت یہ فرق رکھا اور یہی فرق (اولاً) ازدواجی تعلقات میں سنت آدم ٹھہرا، لیکن مجوسیوں کو اہل کتاب کی اس رائے سے اختلاف ہے وہ بہن بھائیوں کے مابین رشتۂ ازدواج کو جائز سمجھتے اور تا حال اسی پر عمل پیرا ہیں اور اگر اپنے بطن سے نہ ہوں) تو بیٹوں کا ماؤں سے نکاح بھی ان کے نزدیک داخل حرمت نہیں ہے۔ ہم نے اس پر اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے جس کے چودھویں باب میں ہم نے دنیا کی قدیم معاشرت، رسم و رواج اور آثار و افکار پر گفتگو کی ہے۔

جہاں تک ہابیل اور قابین کی حکایت کا تعلق ہے، ہابیل اس خوف سے کہ قابین اس کی بہن کے ساتھ اس کی بھیڑ بکریوں اور دیگر مال و متاع پر بھی قبضہ نہ جمالے مغلوب الغضب ہو گیا اور یہی حال قابین کا بھی ہوا لیکن قابین نے پہل کر کے ہابیل کو قتل کر دیا جس کا ذکر اللہ جل شانہ نے اپنی کتاب مقدس (قرآن) میں کیا ہے کہا جاتا ہے کہ قابین نے ہابیل کو عراق کے کسی گھنے جنگل میں موت کے گھاٹ اتارا اور کچھ لوگ اسے ملک شام کے جنگلات دمشق کا واقعہ بتاتے ہیں۔ بہر حال جب قابین نے ہابیل کو قتل کر دیا تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے اِدھر اُدھر پھیرتا رہا۔ اس پر خدا نے دو کوّے بھیجے جن میں سے ایک نے دُوسرے کو مار کر زمین میں دفن کر دیا۔ یہ دیکھ کر قابین نے بھی ان کی تقلید میں ہابیل کی لاش کے ساتھ یہی عمل کیا پھر کہنے لگا: "افسوس میری سمجھ ان کوّوں سے بھی گئی گزری تھی ورنہ میں اس سے پہلے ہابیل کی لاش کو ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔" جب آدمؑ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو انہیں حد درجہ صدمہ پہنچا اور وہ گریہ وزاری کرنے لگے۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"حضرت آدمؑ کے اپنے بیٹے کی موت پر مرثیہ کہنے کے سلسلہ میں کچھ اشعار بھی ان سے منسوب کیے جاتے ہیں جو یہ ہیں:۔

"بستیاں بدل گئی ہیں اور ان کے باشندے بھی ۔۔۔ روئے زمین قبیح ہو گیا ہے ۔۔۔۔!

سب رنگ اور مزے بدل گئے ہیں ۔۔۔ صبیح چہروں کی بشاشت کم ہو گئی ہے

اہل زمین نے وہ خوشبو، شرافت و کشادگی ۔۔۔ جو بلند جنت الفردوس میں تھی بدل دی ہے

ہمارا پڑوسی دشمن[1] ہم سے کنارہ کش نہیں ہوتا | نہ مرتا ہے کہ ہمیں راحت و آرام ملے
قابیل نے ہابیل کو ظلم سے قتل کر دیا ہے | پس میں اس کے چہرہ ملیح کو یاد کرکے غمگین ہوں
میرا کام مسلسل اشکباری ہے | جب کہ ہابیل کو قبر نے آغوش میں لے لیا ہے
طول حیات میرے لیے باعث غم ہے | میں اپنی اس زندگی سے خوش نہیں ہوں"

میں نے تواریخ اور سیر و انساب کی کچھ کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے یہ اشعار پڑھے تو ابلیس آپ کے سامنے اس طرح آیا کہ آپ اس کی آواز تو سن سکتے تھے لیکن اسے دیکھ نہیں سکتے تھے، تاہم اس کے اشعار ذیل آپ نے سماعت فرمائے :-

"اے آدم تم بستیوں اور ان کے باشندوں سے بیزار ہو | وسعت ارضی میں تمہارا قیام ضیق بن گیا ہے
تم اور تمہاری بیوی حوا تو یہاں رہتے تھے ، | کیا اب تم دنیا کی اذیتوں سے تنگ آ گئے ہو؟
میرے مکرو فریب اس وقت تک ختم نہ ہوں گے | جب تک تم سے آرام و راحت کا ذرہ ذرہ نہ چھن جائے
اب تم روتے اور کہتے ہو کہ کاش | رحمت رحمٰن اور ہوائے خلد بریں پھر تمہارے پاس ہو"

میں نے یہ بھی پڑھا ہے کہ حضرت آدمؑ نے ابلیس کی آواز سنی اور اسے اس وقت بھی نہیں دیکھا جب اس نے اپنا آخری شعر پڑھا جو ہمارے اوپر درج کردہ اشعار میں نہیں ہے - وہ یہ ہے :-

"ہابیل کے قتل سے گوشت و خون جڑ پکڑیں گے | اور تمام زندہ انسان ذبح کی ہوئی لاش بن جائیں گے"

جب حضرت آدمؑ نے ابلیس کے یہ اشعار سُنے تو ان کے حزن و ملال میں اضافہ ہو گیا اور وہ قاتل و مقتول کو حقیقی طور پر پہچان گئے - اس کے بعد خدا نے آپ پر وحی نازل کی اور فرمایا کہ تم سے وہ نور جو پاک و مطہر تھا لے لیا گیا ہے - اب وہ خاتم الانبیاء میں ہے جس کی اولاد کو ہم نے خلفائے ابرار اور ائمہ ابرار بنایا ہے - اس کی اور اس کے آل اطہار کی دعوت زمین میں اور ان کے فیوض و برکات اور ان کے اطاعت گزاروں کی تشیع جب ختم ہو گی تو یہ دنیا بھی ختم ہو جائے گی اب تم پاک صاف ہو کر ہماری تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو اور جب تمہاری بیوی پاک صاف ہو جائے تو اس کے پاس جاؤ - ہماری ودیعت تمہارے ہی ایک بیٹے کے وجود میں کسی وقت نور بن کر جلوہ افروز ہو گی" (مفہوم)

بطن حوا سے حضرت شیثؑ کی ولادت

اس کے بعد خلوت حضرت آدمؑ سے حضرت حوا کے ایام حمل پورے ہونے کو آئے تو ان کی پیشانی چمکنے لگی ، سر کے

---

[1] مراد ابلیس (مترجم)

بالوں کی چمک بڑھ گئی، آنکھوں سے نور جھلکنے لگا اور وضع حمل کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا تو اس میں ذکور کے جملہ جسمانی کمالات ظاہر ہونے لگے، مکمل وقار، حسنِ صورت، مکمل ہئیت، خلقی اعتدال و توازن، نور وجلالت، غرض حضرت حوا کا تمام نور اس میں منتقل ہوگیا۔ حضرت آدمؑ نے اس طفل کا نام شیث رکھا اور اسے "جلال خداوندی" کہا جانے لگا۔ حتیٰ کہ جب وہ زمانۂ شباب کو پہنچا تو حضرت آدمؑ نے اسے اپنی وصیت سپرد کرکے کہا کہ وہ ان کے بعد (زمین پر) "حجۃ اللہ" اور خلیفہ ہوگا۔ یہ نوع انسانی میں دوسرے شخص تھے جنہیں پاک ذرات اور نوری اجرام ودلیعۃً منتقل ہوئے۔

شیثؑ کو آدمؑ کی وصیت اور آپ کی وفات

جب حضرت آدم (علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے شیث کو وصیت کی کہ وہ عطیات الٰہی اور اس کے عطا کردہ علمی خزائن کی حفاظت کرے۔ حضرت آدمؑ کی وفات روز جمعہ اسی وقت ہوئی جس وقت آپ کی تخلیق عمل میں آئی تھی۔ یہ عرصہ تخلیق آدمؑ سے (سنات دنیا کے لحاظ سے) آپ کی تخلیق سے آپ کے بیٹے اور بیٹے کے بیٹے تک تخمیناً چالیس ہزار سال ہوتا ہے۔

آپ کے مدفن کے بارے میں اختلاف رائے ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ منیٰ میں مسجد خلیف میں مدفون ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ابی قبیس کے مقام کہف میں۔ بہرحال حقیقت کا علم خدا کو ہے۔

حضرت شیثؑ کا مرتبہ

حضرت شیثؑ تاحیات نوعِ انسانی میں حکم کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب آپ کی زوجہ کے حمل قرار پایا تو وہ تمام نوری آثار جو حضرت آدمؑ سے حضرت شیثؑ میں منتقل ہوئے تھے ان سے ان کی زوجہ میں منتقل ہوگئے اور پھر ان کے بیٹے انوش میں۔ اسی طرح یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہا۔ حضرت شیثؑ نے اپنے بیٹے انوش کو ان جملہ کرامتوں اور عظمتوں سے جو انہیں اپنے والد حضرت آدمؑ سے پہنچی تھیں آگاہ کر دیا تھا اور یہ علم امتیاز اسی طرح نسل در نسل صدیوں تک منتقل ہوکر حضرت عبدالمطلب تک پہنچا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس نورِ قدیم سے مشرف فرمایا۔ پھر یہ نور آپ کے بیٹے عبداللہ کی طرف منتقل ہوا اور ان سے ان کے ولدِ مبارک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔

کچھ لوگ نصوصِ قرآنی سے ثابت کرتے ہیں کہ رسول عربی نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ نور سنت الٰہیہ کے اصول سے آپ کی اولاد در اولاد منتقل ہوا جنہیں امام کہا جاتا ہے اور وہ معصوم اور انبیاء علیہم السلام کی طرح مامور من اللہ ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ امامیہ کا ہے جو شیعانِ علیؓ کہلاتے ہیں اور فرقہ معتزلہ، زیدیہ وغیرہ بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں جب کہ دوسرے فقہاء وعلمائے امصار

اس عقیدے کے قائل نہیں ہیں۔ ان مباحث کو ہم زیر نظر کتاب کے آئندہ صفحات میں تفصیلاً پیش کریں گے۔

انوش بن شیث اور لود

انوش بن شیث نے زمین پر بڑی طویل عمر پائی۔ کہا جاتا ہے (واللہ اعلم) کہ حضرت شیث آدم علیہ السلام کی دوسری اولاد کی بہ نسبت ان کی اصل اولاد ہیں اور اولاد آدم کا صحیح نسبی سلسلہ آپ ہی سے چلا۔ ان کی عمر ۹۱۲ سال ہوئی۔ انہیں کے زمانے میں اپنے بھائی ہابیل کے قاتل قابیل کو قتل کیا گیا۔ قابیل کے مقتل کے بارے میں عجیب و غریب روایات ہیں جن پر ہم نے اپنی پہلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں گفتگو کی ہے۔ انوش کی وفات زمین پر ہبوط آدم کی تشرین اول کے تیسرے حصے میں ہوئی اور ان کی عمر ۹۶۰ سال ہوئی۔ ان کے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام قینان تھا جس کی پیشانی میں وہی نور منتقل ہوا جو انوش کی پیشانی میں تھا، انوش نے قینان سے عہد خداوندی بحیثیت "خلیفۃ اللہ فی الارض" کو پورا کرنے کا عہد لیا اور اس کے بعد انوش نے وفات پائی، ان کی عمر ۹۲۰ سال ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر وفات بخار سے اس وقت ہوئی جب ان کا بیٹا مہلائیل پیدا ہو چکا تھا اور انہوں نے عہد مہلائیل سے لیا تھا۔ مہلائیل کی عمر ۸۰۰ سال ہوئی۔ ان کی وفات سے پہلے ان کا بیٹا لود پیدا ہو چکا تھا جس سے انہوں نے مذکورہ بالا عہد لیا جو بطور قدیم قائم رہا انہوں نے بہت سے شہر بھی تعمیر کیے۔ لیکن لود کے زمانے میں بہت سے سانحات پیش آئے مثلاً قابیل کی اولاد سے اولاد لود کے محاربات جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیل سے کیا ہے، اسی نوعیت کے محاربات شیث اور قابیل کی اولاد کے درمیان میں واقع ہوئے۔ یہ سب واقعات اس خطہ ارضی میں پیش آئے جو آدم علیہ السلام سے بطور علاقہ ہند منسوب ہے جہاں قابیل کی اولاد نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ لود کی اولاد اس کے قریبی علاقے "ممار" میں مقیم تھی، یہ بھی ہندوستان ہی کا علاقہ تھا، لود کی اولاد اس لیے "ماری" کہلائی، لود کی عمر ۷۸۲ سال ہوئی اور انہوں نے "آذار" میں وفات پائی۔

اخنوج

لود کے بعد ان کے بیٹے اخنوج کا زمانہ آیا، اخنوج ہی دراصل اللہ کے نبی ادریس علیہ السلام ہیں، اگرچہ صابیوں کے نزدیک وہ "ہرمس" ہیں جس کے معنی عطارد ہیں۔ بہ حال یہی اخنوج یا ہرمس حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جن کا رتبہ قرآن شریف کے بموجب اللہ تعالیٰ نے بلند فرمایا۔ آپ کی عمر ۳۰۰ سال ہوئی اور اکثر راویوں کا اسی پر اتفاق ہے وہ پہلے انسان ہیں جس نے پڑے سی کر پہنے اور انہیں سوئی سے سیا۔ آپ پر ۳۰ آسمانی صحیفے نازل ہوئے۔ حضرت آدم پر ۲۱ صحیفے نازل ہوئے تھے اور حضرت شیث پر ۲۹ صحیفے نازل ہوئے، تسبیح و تہلیل یعنی عبادات پر مشتمل تھے۔

متوشلح ادریس علیہ السلام کے بیٹے متوشلح تھے اور وہی موروثی نور ان کی پیشانی پر بھی نمودار ہوا انہوں نے بہت سی بستیاں آباد کیں، بلغراد، صقلیہ اور روس انہیں کے آباد کردہ ہیں۔ ان کے بارے میں لوگوں نے بہت کچھ کہا ہے۔ انہوں نے ۹۶۰ سال عمر پائی اور "ایلول" میں فوت ہوئے۔ اس کے بعد ان کے بیٹے لمک ہوئے لیکن ان کے زمانے میں اولاد آدم میں پھوٹ پڑ گئی اور ہر طرف فساد پھوٹ پڑے۔

نوحؑ لمک کے بعد حضرت نوح علیہ السلام ان کے بیٹے کا زمانہ آیا لیکن ان کے زمانے میں ظلم و طاغوت نے اور شدت اختیار کی۔ آپ نے اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا اور حتی الامکان کوشش کی کہ نوعِ انسانی راہِ راست پر آجائے لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا تو آپ (حضرت نوحؑ) نے ان مبتلائے کفر و ظلم کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم دیا، جب کشتی تیار ہو گئی تو خدا کے حکم سے حضرت جبریلؑ آئے اور اپنے ساتھ حضرت آدمؑ کا تابوت بھی لائے۔ جس میں ان کی لاش تھی۔ یہ کشتی آذار میں ۱۹ ماہ تک رہی۔ اس کے علاوہ حضرت نوحؑ کے ساتھ آپ کے احکام اور احکام الٰہی پر عمل کرنے اور اسے معبود اور قادر مطلق ماننے والوں میں کچھ اور اشخاص بھی تھے، یہ سب حضرات خدا کے حکم سے کشتی میں سوار ہو گئے تو خدا کے حکم سے زمین شق ہو گئی اور اس میں سے پانی اُبل پڑا، دوسری طرف آسمان سے پانی ٹوٹ پڑا۔ اور ساری زمین اس پانی میں غرق ہو گئی اور پانچ ماہ تک غرق رہی۔ حضرت نوحؑ کی کشتی پانی پر بہتی ہوئی جودی پہاڑ کی چوٹی پر جا ٹھہری تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ طوفان ختم ہوا۔ جبل جودی زمین کے خطۂ باسوری میں واقع ہے جو جزیرہ ابن عمر اور موصل کے نزدیک ہے اور دریائے دجلہ سے آٹھ فرسخ (تقریباً ڈیڑھ کوس) کے فاصلے پر ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی کے آثار جودی پہاڑ پر تا حال موجود ہیں۔

طوفان نوحؑ کا پانی جب سمٹا اور زمین اُبھری تو اس نے اکثر جگہ سمندروں کی شکل اختیار کر لی، ان کا پانی نمکین تھا، باقی پانی پہاڑی غاروں اور عمیق گڑھوں میں سما گیا جو مخلوق ارضی کے پینے کے کام آیا، اس کا مزہ میٹھا تھا۔ اس کا ذکر ہم انہار و بحور کے سلسلے میں آگے چل کر کریں گے۔

حضرت نوحؑ کی کشتی میں آپ کے تین بیٹے سام، حام اور یافث اور تینوں کی بیویاں تھیں۔ ان کے علاوہ چالیس مرد اور چالیس مرد اور تھے۔ یہ سب جودی پہاڑ کی چوٹی پر کشتی سے اُترے اور وہیں رہ پڑے۔ اس آبادی کا نام ثمانین اس لیے پڑا جو آج تک چلا آتا ہے کہ وہاں کچھ عرصہ بعد صرف اسی آدمی باقی رہ گئے تھے جو حضرت نوحؑ کے مذکورہ بالا تینوں بیٹوں کی اولاد میں تھے انہیں

باقی ماندہ اشخاص کے بارے میں ارشاد باری ہے: "ہم نے اس کی (نوحؑ کی) ذریت (انہیں باقی ماندہ افراد) سے بنائی۔" اس قول کی تاویل معنویت خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ نوحؑ کے مذکورہ بالا بیٹوں کے علاوہ آپ کا ایک اور بیٹا بھی تھا جس سے آپ نے فرمایا تھا: "اے بیٹے ہمارے ساتھ (کشتی میں) سوار ہو جا" (القرآن۔ ترجمہ) حضرت نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کا نام "یام" تھا۔

حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹوں حام، سام اور یافث میں تمام خطۂ ارضی کو تقسیم کر دیا لیکن حام کو ملعون اور "عبد غیر" ٹھہرایا، سام کو مبارک کہا اور یافث کو کثرتِ اولاد کی دعا دی۔ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت نوحؑ مذکورہ بالا طوفان کے بعد ۳۵۰ سال تک زندہ رہے، ویسے آپ کی پوری عمر ۹۵۰ سال ہوئی جب کہ اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے۔

مساکن حام بن نوح حام اور اس کی اولاد کا قیام مختلف بحری و بری حصّوں میں رہا۔ ہم آگے چل کر اس کا اور سام و یافث اور ان کی اولاد کے مساکن کا حسب موقع ذکر کریں گے۔

مساکن سام سام نے زمین کے وسطی حصے حضرموت، عمان اور عالج وغیرہ میں قیام کیا۔ اس کے بیٹوں میں ارم بن سام اور ارفخشد بن سام بن نوح ہوئے ہیں۔

ارم بن سام ارم بن سام کی اولاد میں عاد بن عوص بن ارم بن سام ہوئے ہیں جب وہ رمل کے مفصلات میں مقیم تھے تو انھیں میں ہود کو خدا نے نبی بنا کر بھیجا۔

ثمود بن سام ثمود بن عابر بن ارم بن سام، شام و حجاز کے درمیانی خطۂ ارضی میں آباد ہوئے حضرت صالحؑ انھی کے بھائیوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں جن کا ذکر ہم دیگر انبیاء کے ساتھ حسب موقع کریں گے۔

طسم، جدیس، عملیق طسم، وجدیس دونوں لاوذ بن ارم کے بیٹے تھے، ان کی اولاد میں بعض حرم میں اور بعض شام میں آباد ہوئے۔ انھیں میں عمالیق بھی تھے جو مختلف ممالک میں منتشر ہو گئے۔ ان میں امیم بن لاوذ ارض فارس چلا گیا، اس کا تفصیلی ذکر ہم حسب موقع کریں گے جہاں فارس کی مختلف نسلوں کے بارے میں اختلاف آراء کا ذکر ہوگا اور امیم سے کیومرث کے نسلی تعلق کا تذکرہ بھی ہوگا۔ یہی امیم فارس کے خطہ "وبار" میں جا بسا تھا جس کے متعلق عرب راویوں نے کہا ہے کہ جنات نے اس بستی پر غلبہ حاصل کر رکھا تھا، عاد بن عوص کے بھائی عبیل بن عوص مدینہ میں آباد ہوئے تھے۔

ماش بن ارم اور اس کی اولاد

سام بن نوحؑ کی اولاد میں ماش بن ارم بن سام بھی گزرا ہے۔ یہ ماش بن ارم بن سام دریائے فرات کے کنارے بابل میں آباد ہوا تھا۔ بابل کا قلعہ اور فرات کا پُل اسی نے بنایا تھا۔ وہ بابل پر ۵۰۰ سال حکمران رہا۔ اسے "ملک القبط" بھی کہا جاتا ہے۔ اسی کے زمانے میں اللہ تعالٰی نے زبانوں میں فرق پیدا کیا۔ خدا نے سام کی نسل کے لیے ۱۷ اور یافث کی نسل کے لیے ۳۶ زبانیں تخلیق کیں جس سے لغات کے شعبوں میں بھی فرق پیدا کر دیا اور زبانوں میں تفریق ہو گئی۔ زبانوں کے اس فرق کا ذکر ہم مختلف شہروں کی تفصیل کے ساتھ کریں گے۔ بابل کی مختلف زبانوں کے متعلق اشعار بھی کہے گئے ہیں۔ لفظ "فالغ" کا مفہوم مختلف قوموں میں زمین کے بٹوارے کا ہے جیسے (عربی میں) "فالج" یعنی تقسیم کنندہ کہا جائے گا۔ اسی کو بابل کی زبان میں فالغ کہا گیا ہے۔

فالغ بن شالخ اور اس کی اولاد

ارفخشد بن سام بن نوحؑ کا بیٹا شالخ تھا اور اس کے بیٹے کا نام فالغ تھا جس نے خطہ ہائے ارضی کی تقسیم کی، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جدِ اعلیٰ تھا، اسی کا بیٹا قحطان تھا اور اس کا بیٹا یعرب ابن قحطان کے نام سے پکارا گیا، وہ پہلا شخص تھا جس نے ملکی انتظام کی تعلیم دی اور صبح و شام کے سلام کو رواج دیا۔ کہا گیا ہے کہ جس طرح اس نے ملکی انتظام کیا بجز ملوک حیرہ کے اور کسی نے نہیں کیا۔ قحطان ابرالیمن کا ذکر ہم انشاء اللہ یمنی انساب کے تحت کریں گے تاہم واضح رہے کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے عربی زبان میں صحت اعرابی کے ساتھ کلام کیا جس سے الفاظ کی معنویت پر بہت اثر پڑا۔ اس کے بعد یقطن ابن عامر بن شالخ آتا ہے، وہی ابو جرہم ہے جو یعرب کا چچازاد بھائی ہے اور جرہم ہی وہ شخص ہے جس نے یمن میں اقامت اختیار کی لیکن بولتا عربی تھا۔ اس کی اولاد یمن کے بعد مکہ مکرمہ میں آ بسی، ان کے متعلق بہت سی روایات ہیں، قطورا انہیں کے چچیرے بھائیوں میں سے ہے۔ اسی کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں جنھوں نے بنو جرہم میں عقد کیا جو رشتے میں ان کے بیٹے کے ماموں ہوتے تھے۔

اہل کتاب بیان کرتے ہیں کہ ملکک بن سام بن نوح زندہ تھا جب سام پر اللہ تعالٰی کی طرف سے نزول وحی کا آغاز ہوا۔ سام ہی کی اولاد سے نسل آدم تا آخر الاباد چلتی رہے گی۔ سام ہی حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت (تدفین کے لیے) وسطِ ارض میں لے گیا تھا اور اپنے بیٹے ملکک کو اس کا متولی بنایا تھا۔ سام کی وفات ایلول میں جمعہ کے روز ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۰۰ سال تھی۔

ارفخشذ بن سام ارفخشذ سام کا بیٹا تھا اور ان کی وفات کے بعد کافی مدت تک زندہ رہا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۴۶۵ سال تھی، وفات نیسان میں ہوئی۔

شالخ بن ارفخشذ ارفخشذ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا شالخ تھا، اس نے ۴۳۰ سال عمر پائی۔

عابر بن شالخ شالخ کے بعد اس کا وارث اس کا بیٹا عابر ہوا، اس نے بہت سی بستیاں تعمیر کیں، اسی کے زمانے میں اولادِ آدم کے مابین تقسیم ارضی کے سلسلے میں تنازع ہوا۔ اس نے ۴۴۰ سال عمر پائی۔

فالغ بن عابر عابر کی وفات کے بعد اس کی وراثت حسب معمول اس کے بیٹے فالغ کو ملی۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے بابل کی بنیاد اور اختلاف السنہ کے سلسلے میں زیر نظر کتاب کے گزشتہ صفحات میں کہیں کر دیا ہے۔ اس نے ۲۳۰ سال عمر پائی۔

رعو بن فالغ فالغ کے بعد اس کی وراثت اس کے بیٹے رعو کو ملی۔ اسی کے زمانے میں زمین پہ بت پرستی شروع ہوئی، جابر و ظالم نمرود اسی کے زمانے میں گزرا ہے۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۲۰۰ سال تھی۔ اس کی وفات نیسان میں ہوئی۔

ساروغ بن رعو رعو کے بعد اس کا بیٹا ساروغ اس کا وارث ہوا، اس کے زمانے میں بت پرستی کو کافی فروغ حاصل ہوا اور زمین پہ بہت سے حادثات کا ظہور ہوا۔ وفات کے وقت اس کی عمر ۲۳۰ سال تھی۔

ناحور بن ساروغ ساروغ کے بعد ناحور بن ساروغ نے اس کی جگہ لی۔ اس کے زمانے میں زمین پہ کئی بار زلزلے آئے اور بنی نوع انسان میں باہم متعدد لڑائیاں ہوئیں جو اس سے قبل سننے میں نہیں آئی تھیں اور اسی زمانے میں الگ الگ پہننے کپڑے اور آلات حرب بھی ایجاد ہوئے نیز بلاد ہند میں بڑی تخریب پھیلی اور بہت سے حوادث رونما ہوئے۔ اس نے ۱۴۶ سال عمر پائی۔

تارح بن ناحور ناحور کے بعد اس کی جگہ اس کے بیٹے تارح نے لے لی۔ وہ تارح ہی ہے جو آذر کے نام سے مشہور ہوا، اس کے زمانے میں بت پرستی اور پھیلی، جگہ جگہ بت بنائے اور رکھے جانے لگے، صنم خانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ مظاہر پرستی بھی خوب پھلی پھولی ہیئت و نجوم سے لوگ روشناس ہوئے۔ انھوں نے آلات جنگ تیار کیے اور ان کے استعمال

سے لوگوں کو دانفیت بہم پہنچائی، حاکموں کے برآب کہیں سے کہیں جا پہنچے حتیٰ کہ نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اس کی پرستش ہونے لگی۔ نجومیوں نے نمرود کو بتایا کہ ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اس کے تخت و تاج کو ملیا میٹ کر دے گا اور اس کی عزت و حرمت کے لیے بھی خطرہ بن جائے گا۔ اسی لیے نمرود نے ہر نومولود بچے کو قتل کرانا شروع کر دیا۔ ابراہیم بن تارح یعنی پسر آذر کی جان غاروں میں چھپ کر بچی، آذر کی عمر اس کی وفات کے وقت ۲۶۰ سال تھی اور یہی قرین قیاس و صحت ہے۔ باقی ٹھیک ٹھیک خدا ہی جانتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا قصہ اور آپ کے زمانے کے حالات

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی پناہ گاہ سے نکلے تو آپ نے دُنیا کے حدوث و آثار کو دیکھا، پہلے آپ نے ستارے زُہرہ پر نظر کی تو اس کی چمک دمک دیکھ کر کہا "یہی میرا رب ہے۔" پھر جب چاند اپنی پوری آب و تاب سے آسمان پر نمودار ہوا تو آپ اسے دیکھ کر بے ساختہ بولے:۔ "یہ میرا رب ہے" اور جب آفتاب عالمتاب نے صبح کو اُفق مشرق سے سر اُبھارا تو آپ نے حیران ہو کر فرمایا:۔ "یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔" لیکن جب آپ نے ان تینوں کے طلوع و غروب پر غور فرمایا تو (دل میں) کہا "میں غروب ہونے والوں پر ایمان لا کر ان کی پرستش نہیں کر سکتا۔" لوگوں کا آپ کے ان اقوال میں اختلاف ہے، کچھ کہتے ہیں کہ یہ باتیں آپ نے سنِ بلوغ کو پہنچنے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکلّف بالشرع ہونے سے قبل ہی کی تھیں اور کچھ لوگ اس کے برعکس رائے رکھتے ہیں۔ بہرحال جب ان کے پاس خدا کی طرف سے حضرت جبریئیل (فرشتہ) آئے تو آپ کو دین حق سے مطلع کیا اور خدا نے آپ کو نبوّت سے سرفراز فرما کر اپنا خلیل (دوست) بھی فرمایا۔ جب آپ نے لوگوں کو دین حق (توحید الٰہی وغیرہ) کی تعلیم دینا شروع کی تو وہ لوگ جو بت پرستی پر اپنے آباد اجداد کی طرح مصر تھے آپ کے خلاف ہو گئے اور آپ کی دینی سرگرمیوں سے نمرود کو مطلع کر دیا لیکن جب وہ مکرر دلائل سے آپ کو قائل نہ کر سکا اور آپ خدا کی وحدانیت کے اعلان پر مُصر رہے تو اس نے آپ کو آگ میں پھینکوا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو سرد اور آپ کے لیے سلامتی کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت دنیا میں جہاں جہاں آگ جل رہی تھی وہ بھی بجھ گئی۔

ولادت اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے اسماعیلؑ کی ولادت اس وقت ہوئی جب آپ کی عمر چھیاسی یا ستاسی سال ہو چکی تھی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کی

عمر پورے نوّے سال تھی ۔ بہرحال اسماعیل سارہ کی باندی ہاجرہ کے بطن سے تولد ہوئے ۔ سارہ وہ عورت تھیں جو حضرت ابراہیمؑ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور وہ تبوایل بن ناحور کی بیٹی یعنی حضرت ابراہیمؑ کی چچا زاد بہن تھیں ۔ بعض لوگ اس سے اختلاف رکھتے ہیں جس کا ذکر ہم حسب موقع آگے چل کر مفصل کریں گے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر لوط بن ہاران بن تارح بن ناحور جو رشتے میں آپ کے بھتیجے تھے ۔ ایمان لائے ۔

اصحابِ موتفکہ

حضرت لوط (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے پانچ شہروں سدوم ، عمورا ، اور موتا ، صاعوزا اور صابورا کی طرف بھیجا اور قوم لوط اصحاب موتفکہ کہلاتی ہے ۔ لفظ موتفکہ "افک" سے مشتق ہے لیکن جو لوگ صرف اس اشتقاق ہی پر گفتگو کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں یہ (مذکورہ بالا شہروں کی نسبت سے) ایک اصطلاح ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان شہروں کے باشندوں کے متعلق قرآن میں (وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ) ارشاد فرمایا ہے ۔ یہ شہر شام و حجاز کی سرحد کے درمیان تھے جو اُردن اور بلاد فلسطین سے بھی ملتی ہیں ، ان شہروں کے آثار اب بھی ملتے ہیں جو کم و بیش ۳۸۲ سال تک صرف مختلف رنگ کے پتھروں کے کھنڈرات کی شکل میں نظر آتے رہے ۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام نے ۲۰ سال سے کچھ زیادہ قیام فرما کر لوگوں کو دین حق کی دعوت دی لیکن وہ کفر پر اڑے رہے اور اپنے افعال قبیح سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے ۔

جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ کی ولادت ہوئی تو سارہ ان سے حسد کرنے لگیں ، اس لیے حضرت ابراہیم انہیں اور اپنے شیر خوار بیٹے اسماعیل کو ارض مکہ میں لے گئے اور انھیں وہاں چھوڑ دیا ، پھر آپ نے (تعمیر کعبہ کی بنیاد رکھ کر) اللہ سے دعا کی :-

(اے اللہ میں نے اپنی ذریت کو اس بے آب و گیاہ زمین میں تیرے مقدس گھر کے پاس لا بسایا ہے)[1] الخ ۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور جرہم و عمالیق قبائل کی اکثریت کے دل میں آپ کی انسیت پیدا کر دی ۔ خدا نے لوطؑ کی قوم کو جیسا کہ قدیم اطلاعات سے پتہ چلتا ہے اس کے اعمال کی سزا کے طور پر ہلاک کر دیا ۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اپنے نام پر حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کا حکم دیا تو آپ نے فرمان الٰہی کی بجا آوری کے لیے اسماعیلؑ کو منہ کے بل لٹا کر ان کی

---

[1] القرآن (ترجمہ) کوکب

گردن پر بطور "ذبیح عظیم" چھری چلادی۔ خدا کو آپ کا یہ عمل پسند آیا اور اس نے اسماعیل کی جگہ خود ہی فدیہ بھیج کر اسے قبول فرما لیا اور ان کے، ان کے بیٹے اسماعیلؑ کے اور خانہ کعبہ کے درجات بلند فرمائے۔

حضرت اسحٰق کی ولادت

حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحٰق اس وقت پیدا ہوئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۱۲۰ سال ہو چکی تھی۔

اولادِ ابراہیمؑ میں ذبیح کون ہے؟

لوگوں میں اس کے متعلق اختلاف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بیٹوں اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ میں ذبیح کون ہے جس کی آپ نے خدا کے نام پر قربانی دی۔ کچھ لوگ اس سلسلے میں حضرت اسماعیلؑ کا نام لیتے ہیں اور بعض لوگ حضرت اسحٰق کا۔ اس کا فیصلہ یوں ہو سکتا ہے کہ اگر ابراہیمؑ کو قربانی کا حکم حجاز میں ملا تو ذبیح یقیناً حضرت اسماعیل ہیں کیونکہ حضرت اسحٰق نے حجاز میں کبھی قدم نہیں رکھا اور اگر حضرت ابراہیمؑ کو خدا کی طرف سے یہ حکم شام میں ملا تو بلاشبہ حضرت اسحٰق "ذبیح" ہوئے کیونکہ حضرت اسماعیلؑ شام سے نکلنے کے بعد پھر کبھی وہاں واپس نہیں گئے۔

حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے قنطورا سے نکاح کیا جس کے بطن سے چھ لڑکے برق، نفس، بدن، مدین، سنان اور سرح پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی وفات شام میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۱۹۵ سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر دس صحیفے نازل فرمائے۔

اولادِ اسحاقؑ

حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد حضرت اسحٰق نے رفقا نام کی لڑکی سے شادی کی جو بتوایل کی بیٹی تھی۔ اس کے بطن سے حضرت اسحٰق کے دو جڑواں بیٹے عیص اور یعقوب پیدا ہوئے ان میں ولادت کا فعل یہ ہے کہ پہلے عیص کی ولادت ہوئی اور پھر یعقوب کی۔ حضرت اسحٰق کی عمر ان لڑکوں کی ولادت کے وقت ۶۰ سال تھی۔ آپ نے ریاست تو عیص اور اس کے بیٹے کو دی لیکن نبوت (خدا کی جانب سے) یعقوبؑ اور ان کے اولاد کو ملی۔ وفات کے وقت حضرت اسحٰقؑ کی عمر ۱۸۵ سال تھی، وہ اپنے والد حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی قبر کے برابر دفن ہوئے۔ ان باپ بیٹے دونوں کے مزار بہت مشہور جگہ پر ہیں جو بیت المقدس سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہے اور آج کل مسجد ابراہیم اور مراعیہ کہلاتی ہے۔

یعقوبؑ بن اسحٰقؑ اور ان کے بھائی عیصؑ

حضرت اسحٰق (علیہ السلام) نے اپنے بیٹے یعقوبؑ کو شام جانے کا حکم دیا اور ان کی

اولاد کے بارے میں نبوت کی بشارت دی۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد جن میں سے چار کو نبوت ملی ان کے نام یہ ہیں :۔

لادی، یہودا، یساخر، زبولون، یوسف، بنیامین، دان، نفتان، کان، اشار، شمعون اور روبیل۔ حضرت یعقوب کے یہ بارہ لڑکے تھے۔ اور ان میں سے جن چار لڑکوں کو نبوت ملی، ان کے نام لادی، یہودا، یوسف اور بنیامین ہیں۔ حضرت یعقوب اپنے بھائی عیص کی طبیعت میں فطری طور پر شر اور فساد ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے ہمیشہ خائف اور تکلیف میں مبتلا رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خوف اور روحانی تکلیف سے نجات دلانے کا وعدہ فرمایا اور نجات دلا بھی دی۔ حضرت یعقوب کے پاس پانچ ہزار پانچ سو بکریوں کا گلہ تھا، انہیں اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق عیص کی شر انگیزیوں سے نجات مل گئی تھی، تاہم آپ نے بربنائے خوف اپنی بکریوں کے گلے سے دسواں حصہ دے دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا انہیں اپنے خدا کے وعدے اور عمل کے بعد بھی اطمینان نہیں ہے، چنانچہ اس کے بعد وہ قطعی طور پر مطمئن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب سے یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کی اولادِ عیص کی ۵۰۰ سال تک زیرِ دست نہیں رہے گی۔ یہی وہ مدت ہے جس کے اندر اندر رومیوں نے بیت المقدس بلکہ سارے فلسطین کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو اپنی غلامی پر مجبور کر دیا تھا تا آنکہ حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں بیت المقدس فتح ہوا۔

حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹوں میں حضرت یوسفؑ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، ان کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اس کا ذکر قرآن (سورۂ یوسف) میں موجود ہے، اس لیے ساری اُمتِ مسلمہ بلکہ جملہ اہلِ علم کو اس کی خبر ہے۔

یعقوبؑ اور یوسفؑ کی وفات

حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی۔ آپ کی عمر اس وقت ۱۴۰ سال تھی۔ انہیں حضرت یوسفؑ نے فلسطین لے جا کر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحٰقؑ کی تربتوں کے قریب دفن کیا۔ حضرت یوسفؑ کی وفات مصر میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ آپ کا مزار مبارک پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور اسے مطلا کیا گیا۔ آپ کا مزار دریائے نیل کے قریب ہے، اسی لیے اس کی چار دیواری سیسے سے بنائی گئی تاکہ مزار کو ہوا اور پانی سے نقصان نہ پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے وصیت فرمائی تھی کہ انہیں فلسطین لے جا کر ان کے والد حضرت یعقوبؑ اور دادا حضرت اسحٰق کی قبروں کے برابر مسجد ابراہیمؑ کے قریب دفن کیا جائے۔

ایوب (نبی)

حضرت ایوب (علیہ السلام) کا شجرۂ نسب یہ ہے :-
ایوب بن موص بن زراح بن رعوایل بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام۔
آپ کا قیام ارض شام میں اس جگہ تھا جو اُردن کے علاقے حوران اور مثنیہ میں دمشق اور جابیہ کے درمیان ہے۔ آپ کثیر المال اور کثیر الاولاد تھے لیکن جب خدا نے آپ کو جان ومال اور اولاد کے سلسلے میں بطور امتحان حد درجہ تکلیف میں مبتلا فرمایا تو آپ نے صبر کیا اور بہر حال خدا کا شکر ادا کرتے رہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن میں فرمایا ہے۔ آپ کی مسجد اور وہ چشمہ جس میں لوگ نہاتے ہیں ابھی تک موجود ہے۔ آپ نے ۲۸۲ سال عمر پائی۔ آپ کی اور آپ کی بیوی رحمت کی قبریں اسی مسجد میں ابھی تک موجود ہیں جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا۔ یہ جگہ شہر نوی سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

تورات اور اس سے پہلی کتابوں میں ذکر آیا ہے کہ موسیٰ بن یشا بن یوسف بن یعقوب نبی کا زمانہ موسےٰ بن عمران سے قبل کا ہے اور وہ موسےٰ وہی تھا جس نے خضر بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشذ بن سام ابن نوح کو طلب کیا تھا لیکن بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ خضر درحقیقت خضرون بن عمیائیل بن تنفز بن عیص بن اسحٰق بن ابراہیم تھا جسے اس کی قوم پر نبی بنا کر خدا نے بھیجا تھا اور اس کی قوم اس پر بحیثیت نبی ایمان لائی تھی۔

موسیٰ بن عمران

آپ موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی ابن یعقوب (علیہ السلام) تھے جن کا قیام مصر میں تھا اور آپ کا زمانہ وہی تھا جو فراعنہ مصر میں سے ایک ظالم وجابر فرعون کا تھا۔ اس فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب بن معاویہ بن ابی نمیر بن ابی ھلواس بن لیث بن ہران بن عمرو ابن عملاق تھا اور یہ مصر کے فرعونوں میں چوتھا فرعون تھا۔ یہ جسمانی لحاظ سے بڑا لمبا چوڑا تھا اور اس نے بڑی طویل عمر پائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی کافی تعداد مصر میں تھی جن پر یہ فرعون بڑے ظلم کرتا تھا۔ اسے کاہنوں اور نجومیوں نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو نہ صرف تیری سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجائے گا بلکہ تجھے بھی ہلاک کر دے گا لیکن اللہ تعالےٰ نے موسےٰ کی پرورش ان کی ماں ہی کے ذریعہ کرائی اور جب بعد میں فرعون نے سمندر میں آپ کا پیچھا کیا تو خدا کے حکم سے آپ تو اپنی جماعت کے ساتھ صحیح وسالم پانی پر چل کر پار اتر گئے لیکن فرعون ہلاک ہوگیا۔ یہ سارا قصہ قرآن میں اللہ تعالےٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان فرمایا ہے۔

شعیبؑ

اسی زمانے میں حضرت شعیبؑ جو اللہ کے نبی تھے (علیہ السلام) گزرے ہیں۔ ان کا پورا نام شعیب بن نویت بن رعوایل بن مر بن عنقا بن مدین بن ابراہیمؑ تھا۔ ان کی زبان عربی تھی اور وہ اہل مدین کی طرف بحیثیت نبی مبعوث ہوئے تھے۔ جب موسٰےؑ فرعون سے جنگ کے بعد مصر سے نکلے تھے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت شعیبؑ سے ہوئی تھی۔ اور آپ انھیں کے ارشاد پر ان کے پاس ٹھہر گئے تھے اور ان کی بیٹی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے تھے۔ یہ قصہ بھی اللہ تعالےٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے:۔

ہارون برادرِ موسیٰ علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے موسےٰؑ سے (کوہِ طور پر) خطاب فرمایا تھا اور انھیں ان کے بھائی ہارون کے ساتھ وابستہ کر کے فرعون اور اہل مصر کی اصلاح کے لیے بھیجا تھا لیکن اس نے ان دونوں کی مخالفت کی اور جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے اللہ تعالےٰ نے اسے (سمندر میں) غرق کر دیا اور موسےٰؑ کو بنی اسرائیل کے ساتھ مصر سے نکل کر التیہ جانے کا حکم دیا۔ ان کے ہمراہ نابالغ بچوں کے علاوہ بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ حضرت موسیٰؑ کے پاس وہ الواح تھیں جو خدا کی طرف سے آپ کو صحائف کی صورت میں ملی تھیں اور سنہری حروف میں لکھی ہوئی تھیں۔ جب آپ (ایک روز) کوہِ طور سے اُترے تو آپ نے بنی اسرائیل کو اس حالت میں پایا کہ انھوں نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔ اس منظر کو دیکھ مذکورہ بالا صحائف آپ کے ہاتھوں سے گر کر منتشر ہو گئے۔ آپ نے انہیں جمع کر کے ان کی شیرازہ بندی کی اور ایک تابوت "تابوت سکینہ" کے نام سے بنا کر انہیں اس میں رکھ دیا، اس کے لیے آپ نے ایک ہیکل بھی تعمیر کیا۔ آپ کے بھائی ہارون جو کہانت پر معمور رکھے تھے اس ہیکل میں رہنے لگے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسےٰؑ پر توریت کے تدریجی نزول کا اتمام فرمایا تو اس وقت آپ کا قیام اَلتیہ میں تھا۔ آپ کے بھائی ہارون کی وفات بھی وہیں ہوئی اور انہیں جبل شرات پر جو کوہِ طور کے نزدیک ہے کسی غار میں لے جا کر دفن کیا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس غار سے بعض راتوں کو ذی رُوح لوگوں کے گریہ وزاری کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ ہم نے اس کا ذکر اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں قدیم اقوام کے آثار و قصص کے تحت تفصیل سے کیا ہے۔ بہرحال یہ قصہ حضرت موسےٰ (علیہ السلام) کی وفات سے پہلے کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہارونؑ کی وفات حضرت موسےٰؑ کی وفات سے سات ماہ قبل ہوئی تھی (بعض روایات یہ بھی ہیں کہ ان کے بھائی کی وفات کا واقعہ خود ان کی وفات سے تین سال قبل پیش آیا تھا۔ حضرت ہارونؑ کی وفات

کے وقت ان کی عمر ۱۲۲ سال تھی، تاہم ایک دوسری روایت میں اسے ۱۲۰ سال بتایا گیا ہے۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت موسیٰ اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کی وفات سے تین سال قبل شام چلے گئے تھے جہاں اس زمانے میں سریانیوں میں لڑائیاں ہو رہی تھیں جن میں عمالیق، قربانی اور مداینی وغیرہ بری راہ سے شام آکر شریک ہو گئے تھے جن کا ذکر توریت میں ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر پہلے دس صحیفے نازل فرمائے تھے جن کی تعداد اختتام نزول تک سو ہو گئی تھی۔ اس کے بعد آپ پر عبرانی زبان میں توریت نازل ہوئی جو اوامر و نواہی، عبادات اور ان کے متعلق احکام الٰہی پر مشتمل تھے۔ توریت کی ۵ جلدیں تھیں جنہیں بعض لوگ "اسفار" یعنی صحیفے بھی کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے "تابوت سکینہ" کے نام سے جو تابوت تیار کر لیا تھا اس میں چھ لاکھ سات سو پچاس مثقال سونا لگا تھا۔

یوشع بن نون الکاہن

حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں حضرت ہارون کے بعد اگر کسی نے کہانت میں کمال پیدا کیا تو وہ یوشع بن نون تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت موسےٰ (علیہ السلام) اپنی وفات کے وقت ۱۲۲ سال یا ۱۲۰ سال کے تھے لیکن ان کے اور ان کے بھائی حضرت ہارون کے عالم پیری یا عالم شباب کے حالات علاوہ ان حالات کے جو سطور بالا میں بیان کیے جا چکے ہیں کہیں نہیں ملتے۔

حضرت موسیٰ بن عمران کی وفات کے بعد یوشع بن نون ہی اسرائیل کے ساتھ شام کی طرف گیا۔ وہاں اس وقت عمالیق میں سے جبابرہ اور کچھ ملوک شام نے غلبہ حاصل کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یوشع بن نون ان پر چڑھ آیا کو جن سے اس کا کچھ ربط و ضبط تھا چڑھا لایا اور ارض غور کے اریحا اور زغر شہروں کو فتح کر لیا۔ یہ وہ سرزمین تھی جو بحیرۂ منتنہ کہلاتی تھی اور وہاں کسی کا نہانا دھونا یا غوطہ لگانا ناممکن تھا کیونکہ اس میں اس وقت مچھلیاں وغیرہ جیسا کوئی ذی روح نہیں تھا۔ اس کا ذکر فلاسفہ میں صاحب المنطق اور ان سے قبل اور بعد کچھ اور لوگوں نے بھی کیا ہے یہیں بحیرۂ طبریہ آکر ختم ہوتا ہے اور اسی سرزمین کا نام اب اُردن ہے۔ بحیرۂ طبریہ کی ابتدا دمشق کے "بحیرۂ کفرلی" اور بحیرۂ فرعون کے امتزاج سے ہوئی ہے۔ جب دریائے اردن کا دہانہ بڑھ کر بحیرۂ منتنہ سے جا ملا اور دونوں کے پانیوں میں امتیاز باقی نہ رہا بلکہ وسط بحیرہ منتنہ میں دونوں گڈمڈ ہو گئے تو انھیں صرف بحیرۂ منتنہ ہی کہا جانے لگا۔ اور چونکہ اس میں اس کے بعد کسی دوسری طرف سے کوئی دریا یا بحیرہ شامل نہیں ہوا، اس لیے اس کا یہ واحد نام پڑ جانا

بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس کے بارے میں کئی اور عجیب و غریب روایات ہیں جنہیں ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزمان عن الامم الماضیہ و الملوک الداثرہ" میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہماری مذکورہ بالا کتاب سے معلوم ہوگا بحیرہ منتنہ سے خربوزے کے برابر پتھر نکلتے ہیں جن میں سے ایک کو "حجر الیہود" کہا جاتا ہے۔ فلاسفہ نے بھی اس پتھر کا ذکر کیا ہے۔ طبی نقطۂ نظر سے اس کا استعمال مثانہ اور اس کے اطراف کے درد میں مفید ہے۔ اس پتھر کی (درختوں کی طرح) دو قسمیں ہیں یعنی نر اور مادہ، پہلی قسم کا پتھر مردوں کے امراض کے لیے اور دوسرا عورتوں کے امراض کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہے نا عجیب و غریب بات؟ اس بحیرے سے ایک غبار سا اٹھتا رہتا ہے جسے حمرہ کہا جاتا ہے اور وہاں کے باشندے کہتے ہیں کہ ایسا کوئی دوسرا بحیرہ جس سے ایسا غبار اٹھتا ہو اور اس میں مچھلیاں اور کوئی دوسرا جانور نہ پایا جاتا ہو، روئے زمین پر کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا، تاہم بلادِ آذربائیجان میں آرمینیا اور مراغہ (مراکش) کے درمیان ایسا ہی ایک بحیرہ پایا جاتا ہے جس سے غبار اٹھتا رہتا ہے جسے یعنی اس بحیرے کو آج کل لوگ "کیودان" کہتے ہیں۔ وہاں بھی اس میں مچھلیاں اور کوئی دوسرا جانور نہیں پایا جاتا لیکن وہاں کے لوگوں کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہے۔ ممکن ہے ان دونوں بحیروں یعنی بحیرۂ منتنہ اور بحیرۂ کیودان میں مچھلیوں اور کسی دوسرے جانور کی عدم موجودگی کی واحد اور مشترک وجہ مذکورہ بالا غبار ہی ہو۔

ملک شام کی طرف سمیدع بن ہوبر بن مالک بھی گیا تھا لیکن یوشع ابن نون سے اس کی جنگ چھڑ گئی جس میں یوشع مارا گیا۔ بنی اسرائیل میں موسےٰ بن عمران کے بعد جو یوشع بن نون ۲۹ سال تک زندہ رہا وہ یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف بن لیعقوب بن ابراہیم (علیہ السلام) تھا۔ ملوک عمالیق کے ساتھ جس یوشع بن نون کی محاربات کا ذکر کیا جاتا ہے وہ درحقیقت سمیدع تھا جو مدین کے نواحی علاقے ایلہ میں مقیم رہا۔ اسی کے بارے میں عوف بن سعد جرہمی کہتا ہے۔

"کیا تجھے عملقی ابن ہوبر یاد ہے، وہ اور اس کی اولاد ایلہ میں رہ کر منتشر ہو گئی

یہود جحافل اس سے نسبت کے دعویدار تھے وہ مدتوں افسوس کرتے اور روتے پھرے"

اس کے بعد جو عمالیق رہ گئے تھے، انہیں عروج ہوا پھر گر کر زمین پر پناہ ڈھونڈتے پھرے لیکن مکہ کے پہاڑوں میں کبھی نہیں رہے اور اس سے قبل سمیدع کا کبھی ذکر نہیں سنا تھا۔ (ترجمہ مفہومی)

بلادِ شام کے علاقہ بلقاء کے قریوں میں ایک قریہ تھا، وہاں ایک شخص بلعم بن باعور ابن سفور بن وسیم بن ناب بن لوط بن هاران رہتا تھا، کہتے ہیں وہ بڑا مستجاب الدعوات تھا۔ اس سے

اس کی قوم نے یوشع بن نون کے لیے دُعا کرنے کے لیے کہا تو اس نے معذرت کر لی۔ بعض ملوک عمالیق کے بارے میں اس نے اشارۃً کہا کہ انہوں نے یوشع بن نون کی طرح حسین عورتوں کا لشکر بنا لیا تھا لیکن پھر وہ انھیں عورتوں پر بری نظر ڈالنے لگے تو ان میں طاعون پھیل گیا جس سے ستر ہزار آدمی لقمۂ اجل ہو گئے۔ اسی قبیل کی اور روایات بھی ملتی ہیں۔ بلعم وہی شخص ہے جس کے بارے میں ارشادِ باری ہے کہ اسے اللہ نے کچھ نشانیاں دی تھیں جو بعد میں اس سے لے لی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب یوشع بن نون کی وفات ہوئی تو اس وقت اس کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

بنی اسرائیل میں یوشع بن نون کے بعد کالب یوقنا بن بارص بن یہودا ہوئے۔ یوشع اور کالب وہ دو اشخاص تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے انعامات سے نوازا۔

ان اذکار کے بعد المسعودی بیان کرتے ہیں :۔

"میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ یوشع بن نون کی وفات کے بعد بنی اسرائیل میں کوشان الکفری قابل ذکر شخص تھے جو ۸۰ سال زندہ رہ کر ہلاک ہو گئے، اس کے بعد عمیائیل بن قابیل تھے جو بنی اسرائیل میں ۴۰ سال قیام پذیر رہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کوش جبار تھے جو بلقاء کے علاقے آب میں رہتے تھے۔ اس کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر پھیل گیا تو ان پر کنعان نے رضائے الٰہی سے ۲۰ سال تک حکومت کی اور اس کے بعد ہلاک ہو گیا۔ بنی اسرائیل پر اخیاری کی ۴۰ سال تک حکومت رہی۔ اس کے بعد شمویل اور طالوت حکمران رہے جن کے خلاف جالوت ملک البربر نے ارض فلسطین کی جانب سے خروج کیا۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :۔

"جیسا ہم نے پہلے بیان کیا یوشع کے بعد کالب بن یوقنا کا دور آیا جس کے بعد بنی اسرائیل فنحاص بن العاذر بن ہارون بن عمران نے ۳۰ سال حکمرانی کی۔ یہ بڑے مدبر شخص تھے، وہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے صحیفوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں محفوظ کرنے کے لیے "خابیۃ النحاس" نامی عمارت تعمیر کی اور اسے صخرۂ بیت المقدس سے ملا دیا جس کی بنیاد اس سے قبل رکھی جا چکی تھی، انہوں نے "خابیۃ النحاس" کا گنبد سیسے کا بنوایا۔ اس سے فارغ ہو کر ایک اور صخرہ بنایا اور پہلی عمارت کی طرح اس کے نیچے بھی ایک تہ خانہ بنوایا۔"

"جب فنحاس بن العاذ ہلاک ہو گیا تو بنی اسرائیل پر کوشان الاثیم ملک الجزیرہ حکمران بنا جس نے ان پر آٹھ سال تک سختی کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد کالب کا بھائی عینائیل بن یوقنا حکمران

بنا۔ یہ یہودا کی اولاد میں سے تھا اور اس نے ۴۰ سال تک حکومت کی۔ پھر اعلون ملکِ مواب بڑی جد وجہد کے بعد حکمران بنا اور اس نے ۱۸ سال حکمرانی کی۔ اس کے بعد افرائیم کی اولاد میں سے آہوز کا دور آیا جو ۵۵ سال زندہ اور ۳۵ سال حکمران رہا۔ اس وقت تک تخلیق عالم کو چار ہزار سال گزر چکے تھے۔ اس مدت کے متعلق تاریخ میں کچھ اور روایات بھی ملتی ہیں۔ بہرکیف آہوز کے بعد شاعان بن آہوز نے ۲۵ سال حکومت کی جس کے بعد حکومت دبورا نامی ایک عورت کے حصے میں آئی جس کے ساتھ ایک مرد کو بھی جو نفتالی کی اولاد میں سے تھا۔ شریک حکومت کہا جاتا ہے، ان کی مدت حکمرانی ۴۰ سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد حکومت سرداران بنی مدین عریب، ربیب، برسونا، دارع اور صلنا کی طرف منتقل ہوگئی لیکن ان کا دور ۹ سال ۳ ماہ سے زیادہ نہیں رہا۔ اس کے بعد آل منشا میں سے کدمون نامی ایک شخص کا دور آیا جس نے ملوک مدین کو قتل کر کے حکومت حاصل کی۔ اس کا دورِ حکومت ۴۰ سال رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابیالخ ۳ سال ۳ ماہ، پھر آل افرایم میں سے تولغ نے ۲۳ سال آل منشا میں سے یا بین نے ۲۲ سال، ملوکِ عمان نے ۱۸ سال ۳ ماہ، لحم کے گھرانے میں سے نخشون نے ۷ سال، شنسون نے ۲۰ سال، ایلح نے ۱۰ سال، عجران نے ۸ سال حکومت کی۔ اس کے بعد ملوک فلسطین حکومت پر قابض ہو گئے اور ۴۰ سال تک حکمران رہے جس کے بعد عیلان الکاہن ۴۰ سال تک حکومت کرتا رہا، لیکن اسی کے زمانے میں بابلیوں نے بنی اسرائیل پر فتح حاصل کی اور دوسرے مالِ غنیمت کے ساتھ مذکورہ بالا تابوت بھی اُٹھا لے گئے اور چونکہ بنی اسرائیل مفتوح تھے، اس لیے انھیں بھی بطور مالِ غنیمت گرفتار کر کے ساتھ بابل لے گئے اور انہیں اپنی آل اولاد اور وطن مالوف سے دُور کر دیا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ قوم حزقیل کے ساتھ پیش آیا۔ انھیں بھی ان کے وطن سے نکالا گیا تھا تو وہ نواح حضرموت میں چلے گئے تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا: "مرجاؤ" تو وہ مر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر دیا تھا۔ انھیں خدا نے مرضِ طاعون میں مبتلا کر دیا تھا۔ ان میں سے صرف تین لڑکے بچے تھے جن کی اولاد میں سے کچھ لوگ رمل میں، کچھ دُور دراز سواحل پہاڑوں میں اور کچھ سمندری جزیروں میں سے ایک جزیرے "الجزیرہ" میں چلے گئے تھے۔ ان حکایات کی تفصیل بڑی طویل ہے کہا جاتا ہے کہ وہ کچھ عرصہ بعد اپنے ملک واپس آ گئے تھے۔"

بنی اسرائیل نے حزقیل سے دریافت کیا تھا:۔

"کیا تو نے کوئی ایسی قوم دیکھی ہے جس پر ایسے مصائب پڑے ہوں جیسے ہم پر پڑے؟"

اس نے جواب دیا: "نہیں لیکن تمہیں تو خدا نے بھاگنے کا موقع دیا مگر خود میری قوم میں سات دن تک طاعون پھیلا اور قریب قریب سب مر گئے تھے۔"

بنی اسرائیل میں عیلان الکاہن کے بعد شمویل بن برخان بن ناحور کا دور آیا۔ اسی دور میں اس کو نبوت بھی ملی اور وہ ان میں ۲۰ سال زندہ رہا۔ اس دور میں اللہ تعالیٰ نے ان میں جدال و قتال ختم کر کے امن و صلح کی فضا پیدا کر دی۔ اسی شمویل سے بنی اسرائیل نے یہ درخواست کی تھی کہ ان کے لیے کسی ایسے شخص کو بلائے جو ہمارے ساتھ مل کر فی سبیل اللہ دوسروں سے جنگ کرے تو اس نے حکومت طالوت کے سپرد کر دی تھی۔ وہ درحقیقت ساؤل[1] بن بشر بن انیال بن ظرون بن بحرون بن افیح بن سمیداح بن صالح بن بنیامین بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ السلام تھا۔ اسی کے زمانے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں پرُ امن حکومت دی تھی، اس سے قبل وہ کبھی اس طرح مجتمع نہیں ہوئے تھے جیسے طالوت کے زمانے میں ہوئے۔ حضرت موسیٰؑ کے مصر سے نکلنے اور طالوت کا زمانہ آنے تک ۵۷۲ سال ۳ ماہ گزر چکے تھے۔ طالوت بذات خود چمڑا رنگنے کا کام کرتا تھا، سالن سے روٹی کھاتا تھا، اس نے اپنی قوم کو عملاً نمونہ بن کر دکھایا۔ شمویل نبی نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ خدا نے تمہیں طالوت جیسا شخص دے کر گویا اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ بنی اسرائیل نے اس کی حکومت کا حق تسلیم کر کے جو کچھ کہا تھا وہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بھی بیان فرمایا ہے۔

بنی اسرائیل کے نبی شمویل نے ان سے کہا تھا کہ تمہارا "تابوت سکینہ" (صحائف) اور جو مبارک چیزیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون نے چھوڑی تھیں اور انھیں ملائکہ آسمان پر لے گئے تھے تمہیں پھر مل جائیں گی۔ چنانچہ مذکورہ تابوت جو دس سال تک بابل میں رہا تھا اور وہ چیزیں جو ملائکہ لے گئے تھے انھیں پھر مل گئیں لیکن اس زمانے میں جب بنی اسرائیل پر طالوت حکومت کر رہا تھا ایک طاقتور شخص سلطان جالوت نے کثرتِ مال و منال کے ساتھ کثیر تعداد میں لشکر جمع کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ (جالوت) بڑے بڑے جنگی ساز و سامان اور اجناس وغیرہ لے کر فلسطین پہنچا۔ بلحاظ شجرۂ نسب وہ جالوت[2] بن بایول بن حطان بن فارس تھا۔ جب وہ فلسطین کے قریب پہنچا تو شمویل نے طالوت کو بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس کے مقابلے کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ جب جالوت، اُردن اور فلسطین

---

[1] بعض نسخوں میں (کتابوں) میں اسے شادل بن قیس بن انیال بن صارون بن تحورب بن اقیح ابن بنیامین بتایا گیا ہے۔

[2] ایک کتاب میں اسے جالوت بن مالود بن دبال بن حطان بن فارس بتایا گیا ہے۔

کے درمیان ایک نہر پر پہنچا تو اللہ تعالٰی نے اس نہر کے پانی کو پینے کے ناقابل بنا دیا۔ اس میں کتنے اور دوسرے غلیظ جانور لوٹ رہے تھے۔ اللہ نے اس واقعہ کا ذکر اپنی مقدس کتاب (قرآن) میں فرمایا ہے۔ اس طرح اللہ تعالٰی نے ان پر پیاس مسلط کر دی۔ پھر طالوت نے اپنے لوگوں میں سے ۳۱۳ منتخب جنگجو لیے جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے بھائی بھی تھے۔ طالوت نے اس لشکر کو صف بستہ کر کے جالوت کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ دونوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی جھولی سے ایک پتھر نکال کر گوپھن میں رکھا اور جالوت کا نشانہ لے کر اس کی جانب پھینکا، پتھر جالوت کے لگا جس سے وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ طالوت نے وعدہ کیا تھا اپنی تہائی ملکیت اور تہائی سلطنت اس شخص کو دے گا جو اس کے ساتھ جالوت کے خلاف جنگ میں پیش پیش رہے گا اور اپنی بیٹی سے خود اس کا عقد کرے گا۔ چونکہ جالوت کی موت حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوئی تھی اس لیے اللہ تعالٰی نے قرآن میں ارشاد فرمایا:- "داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا۔" (ترجمہ) یہ بھی روایات ملتی ہیں کہ جالوت نے ربیعہ کے باشندوں کو اس شبہ میں کہ نہر انھوں نے گندی کر دی تھی اور اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا تہ تیغ کر دیا۔ کچھ روایات یہ بھی ہیں کہ بنی اسرائیل کے نبی شمویل نے کہا تھا کہ اس نے جالوت کو قتل نہیں کیا۔ بہر حال جالوت کا حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں قتل کا واقعہ بالکل درست ہے جس پر قرآن نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان سب واقعات اور اہل بربر کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں کیا ہے۔ اہل بربر کی اصل و نسل کے حقائق ان کے دوسری جگہوں میں منتقل ہونے کے واقعات اور کچھ دوسرے حالات ہم نے اس کتاب میں بھی حسب موقع بیان کر دیے ہیں۔ اللہ نے جالوت کا تو زیادہ ذکر نہیں کیا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کی عظمت کا ذکر فرمایا۔ پہلے تو طالوت نے چاہا کہ جالوت سے جنگ کے سلسلے میں اپنے مذکورہ بالا وعدے سے پھر جائے لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ ساری قوم کا التفات دیکھ کر اس نے اپنی تہائی سلطنت اور تہائی مال و منال ان کی خدمت میں پیش کر دیے اور ان کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی بھی کر دی۔ نیز اپنے خدام میں سے بھی ایک تہائی انھیں دے دیے لیکن بعد میں ان سے حسد کرنے لگا اور ان کی مخالفت پر اتر آیا لیکن اللہ تعالٰی نے اسے اس سے باز رکھا تو وہ اپنے پہلے سلوک پر قائم رہا۔ طالوت نے اس کے بعد کچھ عرصے تک حکومت کی لیکن ایک رات قوم کو حضرت داؤد علیہ السلام کے اتباع کی وصیت کر کے چھپ گیا

ؔ گاڈں کا نام رکوکب۔

چل بسا۔ اس کا دورِ حکومت ۴۰ سال رہا۔ بیان کیا گیا ہے کہ جس جگہ جالوت قتل کیا گیا وہ جگہ اُردن کے قریب غور کے شہروں میں سے تھی اور اس کا نام بیسان تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ہاتھ لگا کر لوہا نرم کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا جس سے آپ زرہیں بنایا کرتے تھے، ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور پرندوں کو آپ کا مطیع بنا دیا تھا جو آپ کے ساتھ خدا کی حمد و ثنا کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر عبرانی زبان میں زبور نازل فرمائی تھی جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں۔ ان کا تہائی حصہ تو آپ سے متعلق ہے، تہائی بخت نصر کے اذکار پر اور تہائی آپ کے مستقبل کے لیے احکام پر مشتمل تھا۔ اس میں کچھ حصہ اہل ثور کے اذکار کا ہے اور کچھ ترغیب و تمجید اور ترہیب پر مشتمل ہے لیکن اس میں اوامر و نواہی اور حلال و حرام کے متعلق کچھ نہیں تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے اطراف و جوانب کے لوگ آپ کی ہیبت سے متاثر تھے اور یہی حال آپ کے کچھ مخالفین اور دشمنوں کا تھا۔ آپ نے یروشلم میں ایک عبادت گاہ تعمیر کی تھی اس کا ایک حصہ محراب داؤد کہلاتا تھا جو ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک موجود ہے۔

اس کے قریب بحیرۂ منتنہ اور دریائے اُردن بھی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی آپ کے دشمنوں کے ساتھ جو واردات پیش آئی تھی اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بھی فرمایا ہے اور ان میں سے ایک کے متعلق آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا ہے: "(اے داؤد) اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے" (ترجمہ)

لوگوں کا اس بارے میں باہم اختلاف تھا کہ آیا داؤد علیہ السلام خطا اور ارادۂ فسق سے مبرا ہیں یا نہیں؟ اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں انبیاء کے معصوم ہونے کے سلسلے میں کر چکے ہیں۔ حضرت داؤد کی جس لغزش کے سلسلے میں لوگوں میں باہمی تنازعہ تھا اس کا بھی ذکر پہلے آچکا ہے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ سے ارشاد فرمایا تھا: "اے داؤد ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے، پس لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو" (القرآن۔ ترجمہ) لیکن لوگوں میں ایک ایسا شخص بھی تھا جس کے خیال میں یہ قصہ اوریا بن حیان اور اس کے مقتل کے بارے میں تھا۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتاب "المبتدا" وغیرہ میں کیا ہے۔ یہاں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ حضرت داؤد اس واقعے کے بعد چالیس دن تک روزے سے رہ کر خدا کے آگے رو رو کر توبہ کرتے رہے تھے اور خدائے تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی تھی۔

سلیمان بن داؤد سلیمان بن داؤد علیہ السلام بید الشئی حسین و جمیل تھے اور بڑے ہو کر اپنے والد

حضرت داؤد علیہ السلام کے قضائے امور میں شامل ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم و حکمت بخشے تھے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے یقیناً ہم نے ان دونوں (داؤد و سلیمان) کو حکمت اور علم بخشے ہیں۔ (القرآن۔ ترجمہ)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے سلیمانؑ کو وصیت فرمائی اور داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے لشکر میں ستر ہزار بڑے باہمت، الوالعزم اور بہادر سپاہی تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں مدین وایلہ میں لقمان حکیم بھی تھا۔ اس کا پورا نام لقمان بن عنقاء بن تربد بن صادون تھا، حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت کے چوتھے عشرے میں پیدا ہوا تھا، کچھ دن تین ابن جسر کی خدمت میں رہا، بڑا نیک شخص تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے ایسی حکمت عطا فرمائی تھی کہ خلق خداوندی میں یونس بن متی کے زمانے تک جنہیں بلاد موصل کی ارض نینوا میں مبعوث کیا گیا تھا اس سے زیادہ کسی میں حکمت نہیں پائی گئی۔

ملک سلیمان

حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد سلطنت ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملی، اللہ تعالیٰ نے انھیں حکمت و نبوت سے بھی سرفراز فرمایا تھا آپ نے اپنی رعایا کے ساتھ حد درجہ منصفانہ سلوک کیا، آپ کے جملہ امور میں استقامت تھی، آپ کے لشکر ہمیشہ آپ کے مطیع رہے۔ آپ نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی، یہی مسجد اقصیٰ ہے جس کے اطراف تک کو اللہ تعالیٰ نے برکت دی ہے۔ جب آپ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو آپ نے خود اپنے لیے ایک مکان بنایا جسے ہمارے زمانے میں "کنیسۃ قیامہ" کہا جاتا ہے۔ اس کنیسہ کو اہل نصاریٰ بہت مقدس سمجھتے ہیں۔ بیت المقدس میں ان کے اور بھی کنیسہ ہیں۔ جیسے کنیسۂ صیہون جس کا ذکر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا ہے اور ایک اور کنیسہ بھی ہے جو کنیسہ جسمانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا مزار مبارک اسی آخر الذکر کنیسہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مال و منال اور ملک و سلطنت کے علاوہ ایسی بے نظیر نعمتوں اور طاقتوں سے سرفراز فرمایا تھا جو خلق خدا میں آج تک کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن و انس، طیور اور ہوا کو آپ کا تابع فرمان بنا دیا تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے۔ سچ ہے "اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں۔" حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنی اسرائیل پر چالیس سال حکومت کی حالانکہ آپ کی عمر باون سال ہوئی۔ یہ توفیق الٰہی تھی۔

مَلِک ارخبعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السّلام

حضرت سلیمانؑ کے بعد ملوک بنی اسرائیل اور انبیاء

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت آپ کے بیٹے ملک ارخبعم کو ملی اور جملہ بنی اسرائیل نے اس پر اتفاق کیا لیکن سبط یہودا اور سبط بنیامین یعنی یہودا اور بنیامین کی اولاد کے سوا ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ جس وقت ارخبعم کو ہلاک کیا گیا اس وقت ان کی حکومت کو ۱۷ سال گزر چکے تھے۔ اس کے بعد حکومت یوربعم اور اس کی اولاد کے ہاتھ آئی لیکن ان میں اختلافات اور لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ خود یوربعم کے لیے سونے کا جواہرات سے مرصع بچھڑا تیار ہوا اور وہ اس کی پرستش میں لگ گیا تو اللہ تعالٰے نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کی حکومت ۲۰ سال رہی۔ اس کے بعد ابیا بن ارخبعم بن سلیمان نے تین سال، احاب نے چالیس سال پھر یوراب نے جس نے بتوں، ان کی شبیہوں اور تصاویر کی پرستش شروع کر دی تھی ایک سال اور اس کے بعد حکومت ایک عورت کو ملی جس کا نام عیلان تھا۔ اس کے زمانے میں اولاد داؤد علیہ السلام میں پھر تلوار چلنے لگی۔ اس میں ایک غلام غالب آیا جسے لوگوں نے عیلان کی طرف منسوب کیا اور عیلان کو قتل کر دیا۔ عیلان کا دورِ حکومت سات سال رہا، اگرچہ بعض مؤرخین کو اس سے اختلاف ہے۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کی اولاد میں صرف ایک شخص حاکم ہوا اور اس کا دورِ حکومت بھی صرف سات سال رہا جب کہ اس کی عمر چالیس سال یا کچھ کم و بیش ہوئی۔ اس کے بعد ملیصا کا زمانہ آیا جس کا دورِ حکومت ۵۲ سال رہا۔ اسی کے زمانے میں حضرت شعیب علیہ السلام ہوئے ہیں جن کے متعلق تاریخ میں متعدد بیانات ہیں جن کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں کیا ہے۔

اس کے بعد نوفا بن عدل حاکم ہوا جس کا دورِ حکومت ۱۰ سال اور بعض تواریخ کے مطابق ۱۷ سال رہا۔ اس کے بعد اجام حاکم ہوا۔ اس نے مظاہر پرستی کا آغاز کیا اور احکام الٰہی سے روگردانی میں

حد سے تجاوز کیا۔ اس پر ملوک بابل نے جن میں فلیعس پیش پیش تھا فوج کے ساتھ حملہ کیا، اسرائیلیوں سے اس کی سخت جنگ ہوئی۔ توتابن عدل کو قید کر لیا گیا اور بابلیوں نے اس کے تمام شہر اور مقبوضات و مساکن لوٹ لیے۔ توتابن عدل ہی کے زمانے میں یہودیوں میں بسلسلہ مذہب نزاع پیدا ہوا، اسامرہ نے ان سے الگ ہو کر حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے بعد مبعوث ہونے والے انبیاء کی نبوت سے انکار کر دیا، وہ کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی ہوا (نہ ہوگا) انھوں نے اپنے حکمران ہرون بن عمران کی اولاد میں سے منتخب کیے۔ اسامرہ ہمارے زمانے میں بھی پائے جاتے ہیں ان کے مساکن فلسطین اور اردن کے علاوہ مختلف بستیوں شلاً مشہور قریہ بعادا میں ہیں جو رملہ اور طبریہ کے درمیان میں ہے، نیز ان کی آبادیاں نابلس تک پھیلی ہوئی ہیں لیکن ان کی اکثریت نابلس ہی میں آباد ہے۔ ان کے نام سے ایک پہاڑ بھی منسوب جسے طوریک کہا جاتا ہے۔ اسامرہ کی نمازوں کے اوقات یہود کے اوقات نماز سے مختلف معیّن ہیں۔ ان کی ہر نماز کے وقت چاندی سے بنا ہوا ناقوس پھونکا جاتا ہے۔ "لَا مَسَاس" (مت چھو) ان کا نعرہ ہے۔ ان کے نزدیک نابلس بیت المقدس ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کا شہر ہے اور اب "مرعاہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان میں بھی یہودیوں کی طرح مختلف فرقے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نام کوسان اور ایک دوسرے کا دروسان ہے۔ قدامت عالم کے متعلق ایک فرقے کی رائے کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ اور۔ ہم نے ان کا تفصیلی ذکر طوالت کلام کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے۔

حاکم بابل فلیعس نے جب احاہم کو گرفتار کر لیا اس وقت اس کی حکومت کو ۱۰ سال گزر چکے تھے۔ جب ملوک بابل احاہم بن عدل کو گرفتار کر کے لے گئے تو بنی اسرائیل کا حکمران اس کا بیٹا حزقیل بن احاہم ہوا۔ اس نے از سر نو خدائے واحد کی پرستش کا اعلان اور تمام پرانے اصنام جن کی پہلے پرستش کی جاتی تھی تڑوا دیے۔ اس کے زمانے میں شاہ بابل نے بیت المقدس پر دوبارہ حملہ کیا اور کثیر تعداد میں لوگوں کو قتل کر دیا اور حزقیل کے اعزہ و اقارب میں بہت سے لوگوں کو قید کر لیا۔ حزقیل کو قتل کر دیا گیا۔ اس وقت اس کی حکومت کو ۱۰ سال گزر چکے تھے۔

حزقیل کے بعد اس کا بیٹا میشا جو کسی طرح بچ نکلا تھا حکمران ہوا لیکن اس نے فتنہ و فساد سے سارے ملک کو تہ و بالا کر دیا۔ اسی نے اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شاہ روم قسطنطین کو اس پر مسلط کر دیا۔ قسطنطین نے ایک بڑا لشکر جرار لے کر میشا پر چڑھائی کی۔ اس کے سارے لشکر کو تہ تیغ کیا اور اسے قیدی بنا کر روم لے گیا۔ وہ وہاں ۲۰ سال تک رہا۔

حبس کے بعد اسے رہا کر دیا گیا اور وہ اپنے ملک لوٹ آیا۔ اس کی حکمرانی کا زمانہ اس کے بعد ۲۵ سال اور بعض مؤرخین کے نزدیک ۳۰ سال رہا، اس کی موت اپنے ہی ملک میں واقع ہوئی۔

میشا کے بعد اس کا بیٹا امور بن میشا حکمران ہوا لیکن اس نے ملک میں فتنہ و فساد پھیلانے کے علاوہ پھر بت پرستی کو رواج دیا۔ جب ملک میں فتنہ و فساد حد سے تجاوز کر گیا تو مصر کے فرعون الاعرج نے موقع پا کر اس پر حملہ کر دیا۔ اس نے امور بن میشا کو قتل تو نہیں کیا لیکن اسے قید کر کے مصر لے گیا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ اس کی مدتِ حکومت صرف پانچ سال رہی تاہم مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے۔

امور بن میشا کے بعد اس کا بھائی نوفین حکمران ہوا۔ اللہ کے نبی حضرت دانیال علیہ السلام اسی نوفین کے بیٹے تھے۔ بنی اسرائیل کے اسی حکمران کے زمانے میں بخت نصر جو ملکِ فارس سے پہلے عراق و عرب کا والی تھا اٹھا اور جہاں تک ہو سکا بنی اسرائیل کو قتل کیا اور باقی لوگوں کو قید کر کے عراق لے گیا۔ وہی توریت کو اور ملوک بنی اسرائیل کی جو دوسری کتابیں تھیں بیت المقدس کے ہیکل سے نکال کر لے گیا تھا اور انھیں ایک کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ اسی ہیکل میں جو تابوت رکھا تھا وہ بھی اس نے نکال لیا تھا اور اسے دنیا کے بہت سے حصوں میں گھماتا پھرا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے کم سے کم ۳۸ ہزار آدمیوں کو قید کیا تھا جو صرف بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اسی کے زمانے میں اللہ کے نبی آرمیا علیہ السلام ہوئے ہیں۔ یہی بخت نصر جب مصر کی طرف بڑھا تو اس نے وہاں کے فرعون الاعرج کو قتل کر دیا اور جب مغرب کی طرف بڑھا تو اس نے بہت سے حکمرانوں کو قتل کر کے مدائن فتح کر لیا۔ ملکِ فارس نے بنی اسرائیل کی ایک کنیز سے شادی کر لی تھی اور اس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا تھا اسی نے بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ان کے وطن واپس کر دیا تھا لیکن یہ برسوں بعد کا واقعہ ہے۔

جب بنی اسرائیل وطن واپس لوٹے تو وہاں زربابل حکومت کر رہا تھا۔ اس نے بیت المقدس کو از سرِ نو تعمیر کیا اور شہر کی جو عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں ان کی مرمت کرائی، توریت کو کنوئیں سے اسی نے نکالا اور بنی اسرائیل کو امن و امان اور استقامت سے دوبارہ ہمکنار کیا۔ اس نے ۴۶ سال حکومت کی۔ بنی اسرائیل میں اس نے وہ شرعی عبادات از سرِ نو شروع کرائیں جو عہدِ اسیری میں ترک ہو گئی تھیں۔ اسامرہ کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کے پاس توریت کا جو نسخہ اس وقت ہے وہ موسوی توریت نہیں ہے جو حضرت موسیٰ بن عمران کے پاس سے [ ] انہیں ملی تھی بلکہ اس میں بہت کچھ رد و بدل کر دیا گیا

ہے اور یہ سب کچھ بنی اسرائیل کے مذکورہ بالا حکمرانوں نے کیا ہے۔ اسامرہ کہتے ہیں کہ توریت کا اصل اور صحیح نسخہ صرف انھیں کے پاس ہے۔ ایک کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ بنی اسرائیل کی جس کنیز کا اوپر ذکر آیا ہے اس سے خود بخت نصر نے شادی کی تھی اور بنی اسرائیل کو وطن واپس کر دیا تھا مگر یہ بات محل نظر ہے۔

اسماعیل بن ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد بیت اللہ کی تولیت ان کے فرزند حضرت اسماعیل کے حصے میں آئی۔ خدا نے آپ کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا اور انھیں عمالیق اور قبائل یمن کی طرف جانے کا حکم دیا۔ آپ نے انھیں بت پرستی سے روکا لیکن ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور اکثر کافر ہی رہے۔ حضرت اسماعیل کے دس بیٹے ہوئے جن کے نام یہ ہیں قاثث، قیدار، اربل، لیم، مسیح، دوما، دوام، میثا، حداد، حیم، قطورا اور ماس[1]۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو وصی بنایا تھا اور انھوں نے اپنے بھائی اسحٰق علیہ السلام کو لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے قیدار کو وصی بنایا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳۷ سال ہوئی اور آپ جس جگہ مدفون ہوئے وہ بیت اللہ میں حجر اسود کے قریب ہے۔ حضرت اسحاق یا قیدار کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت قاثث بن اسماعیل علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے بیٹے قاثث ہی کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے براہِ راست کعبۃ اللہ کی تولیت سونپی تھی۔

بین سلیمان والمسیح

بین سلیمان اور بین المسیح علیہما السلام نبی تھے اور انھیں میں سے وہ نیک لوگ ہوئے جنھیں آرمینیا، دانیال اور عزیزؑ کہا جاتا ہے۔ تاہم حضرت عزیز علیہ السلام کی نبوت کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے۔ انھیں میں اشعیا، حزقیل، الیاس، یسع، یونس، ذوالکفل اور خضر بھی تھے۔ ابن اسحٰق کی روایت کے مطابق آرمینیا ہی خضر تھے۔ ذکریا بھی انھیں میں سے تھے جن کا پورا نام ذکریا بن اُدن ہے۔ آپ حضرت داؤدؑ کی نسل اور یہودا کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے حضرت مریمؑ کی بہن اشیاع بنت عمران سے شادی کی تھی۔ حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ تھیں اور خود عمران ماثان بن یعامیم کے بیٹے اور حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اشیاع اور مریمؑ کی ماں کا نام حَنّہ تھا۔ حضرت ذکریاؑ کے بیٹے حضرت

---

[1] بعض کتابوں میں ان کے نام یہ ہیں:۔ نابت، قیدار، اربیل، میسم، مشمع، دوما، مسا، خداد، اسیما، یطور، نافش، اور یاقدیا۔

یحییٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خالہ زاد بھائی تھے۔ یہودیوں کی طرف سے ان پر حضرت ذکریا نجار تھے حضرت مریمؑ کے ساتھ (نعوذ باللہ) بدکاری کا الزام لگایا گیا اور انہیں قتل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب یہودی انہیں پکڑنے کے لیے ان کا تعاقب کر رہے تھے تو اس وقت آپ ایک درخت کے قریب تھے اسی وقت درخت کا تنا شق ہوا اور آپ اس میں داخل ہو گئے۔ یہودی ان کے اس طرح اچانک غائب ہو جانے پر حیران تھے۔ اس وقت ابلیس ملعون نے ان کی مدد کی اور درخت کی طرف اشارہ کر دیا۔ چنانچہ درخت اور اس کے ساتھ آپ کو بھی چیر دیا گیا۔ حضرت مریمؑ کی ہمشیرہ اشباع کے بطن سے جب حضرت ذکریاؑ کے بیٹے یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ انھیں لے کر مصر چلی گئی تھیں، جب وہ بڑے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں نبوت سے سرفراز فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے فلسطین جانے کا حکم دیا لیکن جب وہ اس غرض سے وہاں تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے ان کی نبوت کی تردید کی اور انھیں بھی قتل کر دیا۔ بنی اسرائیل کے بارے میں متعدد روایات ملتی ہیں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بعد اللہ نے ان پر حکمرانی کے لیے مشرق کی طرف سے ایک حکمران بھیجا جس نے ان میں سے ہزاروں کو حضرت یحییٰ بن ذکریا کے قصاص خون کے طور پر تہ تیغ کر دیا۔ اس کا یہ فعل اس لیے قابل معافی ہے کہ اس نے اتمام حجت کے طور پر بنی اسرائیل کے سامنے متعدد تقریریں کی تھیں۔

مولدِ مسیح علیہ السلام

حضرت مریمؑ بنت عمران جب ۱۷ سال کی ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس حضرت جبریل فرشتے کو بھیجا جس نے حکم باری تعالیٰ سے ان میں وہ رُوح پھُونکی جس سے ان کے شکم مبارک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حمل قرار پایا۔ وضع حمل کے وقت وہ بیت المقدس کے قریب بیت لحم میں تھیں جب کہ اس سے قبل ۴۲ برس تنہا حرم بیت المقدس میں گزار چکی تھیں۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بڑے ہوئے تو نصرانیوں نے ان کی زبان سے توریت اور پچھلی کتابوں کا ذکر سُن کر یہ سمجھا کہ وہ اپنے اسلاف کے دین پر ہیں اور اس کی اشاعت کرتے ہیں۔ آپ نے اُردن کے شہر طبریہ کی خانقاہ میں جسے "المدراس" کہا جاتا ہے ۳۰ سال اور بعض روایات کے مطابق ۲۹ سال کی عمر تک قیام فرمایا لیکن سفر کے دوران میں آپ کے اقوال اس کتاب مقدس پر مبنی تھے جو نور بن آپ کے سینۂ مبارک میں چمک دمک رہی تھی۔ اس کا ذکر قرآن میں ان الفاظ میں پایا جاتا ہے: "ہم نے تجھے اپنا نبی بنایا ہے، اپنا مخصوص بندہ بنایا ہے اور اپنے نور سے تجھے نکھارا ہے۔" (القرآن۔ مفہومی ترجمہ) آپ نے اپنے سفر کے

اختتام پر اس کتاب نور کے الفاظ کو بشکل انجیل مذکورہ بالا خانقاہ کے خادم کے سپرد کر دیا اور وہاں سے تشریف لے گئے۔ آپ سے یہ قول منسوب ہے کہ "اب اللہ کی مشیت ابن البشر پر ختم ہو گئی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اس قریہ میں رہتے تھے جسے ناصرہ کہتے ہیں۔ میں نے خود نصرانیوں کی زبان سے یہی سُنا ہے۔ میں نے ناصرہ میں ایک کنیسہ یا خانقاہ بھی دیکھی ہے جسے نصرانی عزت کی نگاہ سے دیکھتے اور متبرک سمجھتے ہیں۔ اس میں پتھر کے تابوت رکھے ہیں جنہیں لعل جیسے قیمتی پتھروں سے سجایا گیا ہے۔ حضرت مسیح بحیرہ طبریہ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں صیادین رہتے تھے جو بنی زبدہ تھے اور ان میں نصارین بھی تھے۔ آپ نے انھیں دین حق پر ایمان لانے اور اپنے اتباع کی دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کا اقرار کرنے والوں میں تین آدمی صیادین یعنی بنو زبدہ میں سے اور بارہ نصارین میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے چار حواریوں میر وحنا، شمعون، بولس اور لوقا نے انجیل مدوّن کی ہے اور اس میں جو اطلاعات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ملتی ہیں وہ انھیں کی تالیف ہیں لیکن اس میں آپ کے مولد اور آپ کے احکام کا پتہ نہیں چلتا۔ یحییٰ بن زکریا کے قیام طبریہ اور وہاں ان کے مزار کے متعلق جو کہا جاتا ہے وہ درحقیقت یحییٰ المعمدانی تھا۔ آپ کے قیام کو دریائے اردن میں کسی جگہ بتانا اور وہاں آپ کے مزار کی گنبد کی نشان دہی کرنے سے خدا جانے کیا مقصد ہے۔ دریائے اُردن بحیرہ طبریہ سے نکلتا اور بحیرہ منتنہ کی طرف بہتا ہے لیکن وہاں کسی کے مزار اور اس کے گنبد کو عجائبات و معجزات میں کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے؟ اگرچہ یہودی آپ کے اللہ کی طرف زندہ اُٹھا لیے جانے کے قائل نہیں ہیں۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام اور یوسف نجّار کے بارے میں بہت سے اذکار موجود ہیں لیکن چونکہ ان کے متعلق نہ قرآن میں کچھ ہے اور نہ رسولِ خدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کچھ فرمایا ہے اس لیے ہم نے ان پر گفتگو سے اعراض (گریز) کیا ہے۔

بیان اہل فترہ جو حضرت عیسٰی اور حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانوں کے درمیان گزرے ہیں

حضرت عیسٰی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فترہ میں اہل توحید کی ایک جماعت تھی جو بعثت انبیاء پر ایمان رکھتی تھی لیکن اکثر لوگ اس کے عقائد سے اختلاف کرتے تھے۔ یہ بیان حنظلہ بن صفوان کا ہے جو نبی تھے اور وہ حضرت اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے، انہیں خدا نے الرّس پر نبی بنا کر بھیجا تھا۔ اصحاب الرّاس کے دو قبیلے تھے جن میں سے ایک کو اُدمان اور دوسرے کو یامن کہا جاتا تھا۔ بعض روایات کے مطابق اس دُوسرے قبیلے کا نام رعویل اور اس کا تعلق یمن سے تھا۔ اس قبیلے میں حنظلہ خدا کی طرف سے بطور نبی مبعوث ہوئے تھے لیکن انہوں نے ان کو قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ان پر بخت نصر کو مسلط کرے گا اور وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور اس کا ذکر ہم پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں۔

الاسکندر اسکندر فترہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بعد پیدا ہوا۔ اس نے سُورج کے طلوع و غروب پر تحقیق کے لیے دو صدیوں کے دوران میں مشرق سے مغرب تک سفر کیا۔ وہ بڑا حلیم الطبع شخص تھا۔ اس نے اپنی دو صدیوں کی تحقیق کا چشم دید حال اپنی قوم سے بیان کیا جس کی وجہ سے اس کا نام ذوالقرنین پڑ گیا۔ ذوالقرنین کے بارے میں جو روایات ہیں ان میں بڑا اختلاف ہے۔ ہم نے اس کا تفصیلی ذکر اپنی دو پہلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے تاہم اس کا کچھ ذکر ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر ملوک یونان و روم کے ذکر کے ساتھ کریں گے۔

اصحاب کہف اصحاب کہف کے زمانے کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں ان میں بہت اخ

ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اہلِ فترہ کے دَور میں تھے اور دُوسرے لوگ ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ ہم نے ان کا کچھ ذکر ملوکِ روم کے سلسلے میں اس کتاب میں بھی کیا ہے۔ ویسے اس کی تفصیلات ہم اس سے قبل اپنی کتاب "کتاب الاوسط" اور اُس سے پہلے اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزماں" میں تحریر کر چکے ہیں۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد جرجیس بھی فترہ ہی میں ہوئے ہیں۔ آپ کو کچھ حواری بھی مل گئے تھے انھیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرما کر کچھ ملوک موصل کی طرف بھیجا تھا۔ ان میں سے ایک حکمران نے آپ کو قتل کر دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ کر دیا۔ اس حکمران نے آپ کو پھر قتل کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ زندگی بخش دی۔ یہ آپ کی دنیا میں تیسری زندگی تھی۔ اس پہ متذکرہ حکمران نے آپ کو آگ میں جلا کر دریائے دجلہ میں پھنکوا دیا۔ اس کے بعد خدا نے اس حکمران اور اس کے حکم پر چلنے والے سب لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کا ذکر ہم نے ایمان لانے والے اہلِ کتاب کے ذکر کے ساتھ کیا ہے۔ اس کا ذکر وہب بن مُنبّہ کی کتاب "المبتدا والسیر" کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے۔

اسی فترہ میں حبیب نجار بھی پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا قیام بلادِ شام میں انطاکیہ میں تھا۔ وہاں کا ایک حکمران بڑا ہی ظالم و جابر اور بُت پرست تھا۔ آپ نے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں سے دو کو اس کے پاس بھیجا تاکہ اسے ہدایت کریں اور دینِ حق کی دعوت دیں لیکن اس حکمران نے ان کو قید کر کے ان پر حد درجہ تشدد کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حبیب نجار نے ان کی مدد کے لیے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں میں سے ایک تیسرے شخص کو وہاں روانہ کیا۔ اس تیسرے شخص کے بارے میں لوگوں کے اندر تنازعہ پیدا ہوا مگر ان میں سے اکثر لوگ حضرت مسیح کے ان تینوں شاگردوں کے حامی اور پیرو بن گئے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ان تینوں شاگردوں میں سے ایک کو رومی زبان میں پطرس، عربی میں سمعان اور سریانی میں شمعون کہا جاتا ہے۔ پطرس ان دو میں سے تھا جنہیں قید کر دیا گیا تھا۔ دوسرے کا نام توما تھا اور جس تیسرے کو ان کی مدد کے لیے بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام بولس تھا۔ انہیں تینوں کے پیرؤوں کے پھر الگ الگ فرقے ہو گئے۔ مذکورہ بالا حکمران کے ساتھ ان تینوں کے حالات بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ پہلے دونوں کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب باتوں اور معجزوں کا بھی ذکر آتا ہے۔ کہتے ہیں وہ اندھوں کو بینا، مبروص لوگوں کو اچھا اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ بولس نے انھیں فہمائش کی تھی کہ یہ خدا کی مرضی میں مداخلت ہے اور انہیں نرمی سے سمجھایا تھا۔ بولس اور پطرس کو شہر رومیہ میں قتل کر دیا گیا تھا اور دونوں کو بڑی قابلِ رحم

حالت میں سولی دی گئی تھی - ان کے حالات مذکورہ بالا حکمران کے حالات کے ضمن میں اکثر تاریخی کتابوں میں ملتے ہیں - اسی زمانے میں سمعا ساحر بھی تھا اور اسی زمانے میں انطاکیہ میں بلّور کا کارخانہ بھی کھولا گیا تھا - ہم نے یہ سب حالات تفصیل کے ساتھ اپنی پہلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور کتاب الاوسط" میں بیان کر دیے ہیں، تاہم کچھ حالات انشاء اللہ آگے چل کر رومی بادشاہوں اور رومی عجائبات کے ضمن میں بیان کریں گے -

اصحاب اخلود

اہل فترہ میں سے کچھ لوگ یمن کے شہر نجران میں رہتے تھے - یہ زمانہ حاکم یمن ذی نواس کا تھا - اسے خبر ملی کہ نجران میں نصرانی قوم بھی رہتی ہے - وہ خود یہودی تھا، لہٰذا وہ نجران پہنچا اور نصرانیوں کو ایسی سزائیں دیں جن کی رُوئے زمین پر مثال نہیں ملتی، انھیں بھو کا رکھ کر کانٹے کی طرح کر دیا، انھیں گرم سلاخوں سے داغا گیا، آگ میں ڈالا گیا اور تار کے کوڑوں سے پیٹا گیا - پھر ان کے سامنے یہودیت پیش کی گئی - ان میں سے جو بچ گئے تھے انہوں نے یا تو یہودیت اختیار کر لی یا انکار کر کے آگ میں جلا دیے گئے - انہیں میں ایک عورت تھی جو نصرانی رہنے پر مُصر تھی - جب اسے آگ میں ڈالا جانے لگا تو وہ اس کے بھڑکتے شعلوں کو دیکھ کر ڈر گئی - اس عورت کا سات مہینے کا ایک بچہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس شیر خوار معصوم بچے کو گویائی عطا فرمائی - اس نے اپنی ماں سے کہا: "اے ماں اپنے دین پر قائم رہ، اس کے بعد کوئی آگ نہیں ہے -" اپنے بچے کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس عورت کا ایمان پختہ ہو گیا، چنانچہ اسے آگ میں ڈال دیا گیا - یہ لوگ موحد تھے، آج کے نصاریٰ نہیں تھے -

اس زمانے میں حبشہ کا حکمران نجاشی تھا - اس کی حکومت کی سرحدیں یمن سے ملتی تھیں - شاہِ روم نے ایک شخص ذو ثعلبان کو اس کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ تم ہمارے پڑوسی ہو لہٰذا ہماری حکومت کے تحت اور ہماری حفاظت میں آ جاؤ - نجاشی نے انکار کیا تو رومی بادشاہ نے اس پر حملہ کر کے اسے مغلوب کر لیا حتیٰ کہ ایرانی شہنشاہ نوشیرواں نے روم پر حملہ آور ہو کر اسے شاہِ روم کی ماتحتی سے نجات دلائی - یہ حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں لکھ چکے ہیں اور کچھ باقی ماندہ حالات انشاء اللہ ملوک یمن کے ضمن میں زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے - اصحابِ اخلود کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے -

خالد عبسی

اہل فترہ میں خالد بن سنان عبسی بھی گزرے ہیں - ان کا پورا نام خالد بن سنان بن غیث بن عبس ہے آپ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ نبی تھے جنہیں ان کی قوم نے ہلاک کر دیا -" اس وقت عرب میں فتنہ و فساد کی آگ پھیلی ہوئی تھی اور مجوسی اس آگ

غالب آئے ہوئے تھے۔ انہی خالد علبسی نے اس وقت لوگوں سے فرمایا تھا: "اُٹھو، بڑھو، اللہ کی طرف دوڑو۔" جب خالد علبسی کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنی بہن سے فرمایا تھا: "میرے مرنے کے بعد ایک گدھا (مراد حمیری) اپنے کھُروں سے میری قبر کھودے گا، اس سے قبل حالات اور ابتر ہو جائیں گے تم میری لاش میرے مدفن سے نکال کر لے جانا۔" جب آپ کی قبر کھودی جانے لگی تو کچھ عربوں نے کہا کہ "رہنے دو، ہم پر یہ الزام آئے گا کہ ہم ان کی میت اپنے ہاں لے گئے تھے۔" جب حضرت خالد علبسی کی بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی اور آپ کو اس نے سورہ اخلاص کی پہلی آیت قل ھو اللہ احد (کہو اللہ ایک ہے) اور دوسری اللہ الصمد (وہ ذات برحق جو بے نیاز ہے) تلاوت فرماتے ہوئے سُنا تو بولی:

"میں نے اپنے والد کو یہی کہتے سُنا ہے۔" ہم اس کا ذکر اس کتاب میں حسب موقع آگے چل کر کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

رئاب الشنّی

المسعودی کہتے ہیں، یہ شخص درحقیقت قبیلہ عبد القیس سے تھا لیکن شنّی کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ نصرانی تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتا تھا۔ وہ کہتا تھا "تین انسان ارضی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ پہلا رئاب الشنّی ہے، دوسرا راہب بحیرا اور تیسرا وہ شخص جس کے بعد کوئی نہیں آئے گا یعنی نبی آخر الزماں، رسول عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔" کہتے ہیں جب اس کی اولاد میں سے کسی کو مرنے کے بعد دفن کیا جاتا تو رئاب الشنّی اس کی قبر پر ایستادہ نظر آتا تھا۔

اسعد ابو کرب الحمیری

وہ مومن تھا۔ اسی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۷۰۰ سال قبل آپؐ کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ درج ذیل اشعار اسی کے ہیں:۔

"میں شہادت دیتا ہوں کہ احمدؐ اللہ تعالےٰ کے رسول ہیں،
کاش میری عمر اتنی ہوتی، کہ میں آپؐ اور آپ کے ابن عم کا وزیر ہو سکتا
آپؐ کی اطاعت زمین پر جملہ عرب و عجم پہ لازم ہے

(ترجمہ)

وہ پہلا شخص ہے جس نے خانہ کعبہ کی موسمی تغیرات سے حفاظت کی ہے۔ ایک حمیری کے درج ذیل شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"ہم انہی میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے خانہ کعبہ کو موسمی تغیرات سے محفوظ کیا۔"

(ترجمہ)

قس بن ساعدہ الایادی

قس بن ساعدہ الایادی ایاد بن اد بن معد کی اولاد میں سے اور اہل فترہ میں سے تھا۔ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان رکھتا تھا۔ یہ قول اسی کا ہے کہ "جو پیدا ہوا وہ مرے گا اور جو مرے گا وہ ختم ہو جائے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" اس کی عقل و حکمت کے لاتعداد اقوال عربوں میں ضرب المثل بن گئے ہیں۔

ایک دفعہ بنی ایاد کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے قس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ انہوں نے جواب دیا "حضور! ان کا تو انتقال ہو گیا" آپ نے فرمایا: "اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک دن میں نے اسے عکاظ کے بازار میں ایک سرخ اونٹ پر بیٹھے ہوئے گزرتے دیکھا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا: "جو پیدا ہوا وہ مرے گا، جو مرے گا وہ ختم ہو جائے گا اور جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔" اس کے بعد آپ نے اس کے بہت سے حکیمانہ اقوال بھی لوگوں کو سنائے، پھر فرمایا: "اس نے بہت سے اشعار بھی کہے ہیں جو حکمت سے پر ہیں لیکن وہ مجھے یاد نہیں۔" اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا "اس کے ایسے کچھ اشعار مجھے یاد ہیں۔" آپ نے فرمایا: "سناؤ" حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قس کے کچھ اشعار سنائے تو آپ نے فرمایا: "اللہ قس پر رحم فرمائے، مجھے امید ہے قیامت میں وہ مومنین کے ساتھ ہو گا۔"

ان سطور کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"قس کے اشعار بے شمار ہیں جو اقوال حکمت، پیشگوئیوں اور لوگوں کی بداعمالیوں کے سلسلے میں زجر و توبیخ پر مشتمل ہیں۔ ہم نے ان کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور کتاب الاوسط میں (تفصیلاً) کیا ہے۔"

انھیں اہل فترہ میں زید بن عمرو بن نفیل بھی تھا۔ وہ اہل مکہ کو بت پرستی سے روکتا تھا۔ وہ عمر بن خطاب کا چچازاد بھائی تھا۔ آپ نے اسلام لانے سے قبل مکے کے غنڈوں کو اس پر مسلط کر رکھا تھا، اس لیے وہ دن کو پہاڑی علاقے میں قیام کرتا تھا اور رات کے وقت چھپتے چھپاتے مکے میں داخل ہوتا تھا۔ وہ گھبرا کر شام چلا گیا تھا لیکن وہاں بھی اسلام پر گفتگو کرتا رہتا تھا اس لیے عیسائیوں نے اسے زہر دے دیا۔ اس نے شام ہی میں انتقال کیا ہم اس کا تفصیلی ذکر ملوک غسان کے ساتھ اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے تھے۔

امیہ بن ابی سلط ثقفی

انھیں اہل فترہ میں امیہ بن ابی سلط ثقفی بھی تھا جو بڑا ذہین شاعر تھا۔

جب وہ شام کی طرف سفر کر رہا تھا تو اسے بہت سے یہودی و نصرانی راہبوں نے دیکھا کہ اکثر دینی کتابوں کے حوالے دیتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عرب میں ایک پیغمبر مبعوث ہوگا۔ وہ اہل مذاہب کی آراء پر مشتمل ایسے اشعار پڑھتا تھا جن میں آسمان، زمین، چاند، سورج، ملائکہ، بعثت انبیاء، حشر و نشر اور جنت دوزخ کا ذکر ہوتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و توحید کا ذکر کرتا اور اس کی حمد و ثنا کرتا تھا۔ یہ اسی کا شعر ہے :-

"الحمد للہ، اس کا کوئی شریک نہیں — جس نے اسے نہ سمجھا اس نے خود پر ظلم کیا"

وہ بعض باتوں میں اہل جنت کی تعریف کرتا اور کہتا تھا :-

"اس میں کچھ غلطی یا گناہ نہیں ہے — اگر میں ان میں شامل ہونے کی تمنا رکھتا ہوں"

جب اسے حضور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر ملی تو کچھ سوچ کر متاسف ہوا پھر مدینے جاکر اسلام لانے کا ارادہ کیا لیکن شاید حسد نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔ ایک دن وہ کسی جگہ لوگوں کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ وہاں ایک کوّے نے کسی درخت پر بیٹھ کر تین آوازیں نکالیں اور پھر اڑ گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: "جانتے ہو یہ کوّا کیا کہہ رہا تھا؟" وہ بولے: "نہیں تو۔" وہ کہنے لگا: یہ کہہ گیا ہے کہ امیہ شراب کے تین پیالے ختم کرنے سے قبل فوت ہو جائے گا۔"

لوگوں نے سمجھا وہ انھیں بنا رہا ہے۔ وہ بولا: "اپنے اپنے پیالوں میں شراب کی مقدار دیکھو۔" جب اس کی باری آئی تو وہ اداس اور رنجیدہ ہوگیا۔ پھر بولا: "دیکھو دیکھو میں نہ کہتا تھا۔ میں وہی ہوں جس سے اس کی حمد اور اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے۔" اس کے بعد اس کی سسکیاں تیز ہوئیں، پھر آواز بیٹھی اور وہ موت کی وادی میں گم ہوتا چلا گیا۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :-

"اس زمانے کے اہل معرفت اور اس سے قبل کے لوگوں میں ابن داب، ہثیم بن عدی ابی مخنف، لوط بن یحییٰ اور سائب کلبی بھی گزرے ہیں۔ آخر الذکر نے قریش میں کتابت شروع کی لیکن جس نے سب سے پہلے اپنی پہلی ہی کتاب میں باسمک اللھم (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) لکھا وہ امیہ بن صلت ثقفی تھا۔ جب وہ شام کے سفر پر گیا تھا تو اس کے ہمراہ بنی ثقیف اور قریش وغیرہ کے بھی کچھ لوگ تھے۔ وہاں سے واپسی میں وہ رات کے وقت قیام و طعام کے لیے جس منزل پر ٹھہرے اس جگہ اچانک ایک ضعیفہ لاٹھی ٹیکتی ہوئی ان کے سامنے آکر بولی: "تم

ایک غریب ضعیفہ کا کھانا کیوں کھا رہے ہو؟" اس کا مخاطب اُمیّہ تھا۔ سب نے اسے حیرت سے دیکھا لیکن اس نے اپنی لاٹھی تین مرتبہ زمین پر مار کر جواب اُمیّہ ہی سے طلب کیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے بغیر کھانا کھائے وہاں سے کوچ کر دیا۔ دوسری رات کو بھی یہی واقعہ پیش آیا اور پھر تیسری منزل پر بھی انہیں اسی واقع سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بوڑھی عورت نے اُمیہ سے ہر بار یہی پوچھا تھا کہ اس کے لباس کے اوپری حصّے کا رنگ کیا ہے اور نچلے حصّے کا کونسا رنگ ہے۔ اُمیہ نے جو امر واقعہ تھا وہ بیان کر دیا تھا یعنی دونوں رنگ علی الترتیب سفید اور سیاہ بتائے تھے لیکن جب وہ تیسرے موقع پر کوچ کے لیے آمادہ ہوئے تو اس سے قبل اُمیّہ نے اپنے جسم کے مبروص حصّے پر غور کیا تھا کیونکہ اس کے بدن کا نچلا حصّہ سیاہ اور اوپری حصّہ گردن سے سینے تک سفید تھا۔ واپسی کے سفر میں انھیں ایک نصرانی راہب ملا جس سے دوران گفتگو انھوں نے وہ واقعہ بیان کیا۔ راہب نے پوچھا "اس بوڑھی عورت نے اپنا نام کیا بتایا تھا۔" اُنھوں نے کہا: "اُم العوام۔" یہ سُن کر راہب بولا: "ارے آپ لوگ اس شیطان کی خالہ کے ہاتھ کہاں پڑ گئے تھے، وہ یہودی ہے، علم رمل کے ذریعہ پیشگوئیاں بھی کرتی ہے اور ایسے کرشمے بھی دکھاتی ہے، پھر اُمیہ سے کہا: تمہارے جسم کے مبروص حصّے کی در پردہ نشاندہی اس نے علم رمل کے ذریعہ کی ہے پھر سب سے بولا: "اس کا شوہر بنی عوام کے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تھا اس وقت سے وہ انتقاماً سارے عربوں کو ہلاک کرنا چاہتی ہے، وہ تمہیں بھی ہلاک کرنا چاہتی تھی۔" پھر وہ اُمیّہ سے خاص طور پر مخاطب ہو کر بولا "تمہاری جان" باسمک اللّٰھم لکھنے سے بچ گئی ہے، اسی کو غنیمت جانو۔" شراب خانے میں کوّے کے تین بار بولنے کے بعد اُمیّہ کی اپنی موت کے متعلق پیشگوئی اسی بڑھیا کے تین بار زمین پر لاٹھی مارنے کی طرف اشارہ تھا۔

اُمیّہ کے بارے میں بہت سے قصّے مشہور ہیں۔ اسلام لانے کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی کتابت بھی اسی نے کی تھی۔ اس کے کچھ حالات ہم اس سے قبل اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں بیان کر چکے ہیں۔" اس کے بعد المسعودی رقم طراز ہیں:-

"انھیں اہل فترہ میں سے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیّ بھی تھا۔ وہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا رشتے میں چچا زاد بھائی تھا۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: "یہ لوگوں کو ایذا پہنچائے گا اور جھوٹ بولے گا۔" اس نے حصولِ علم کے بعد توریت، زبور اور انجیل کا مطالعہ کیا تھا اور آپؐ کے بارے میں اپنی چچا زاد بہن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی تھی اور

بُت پرستی ترک کر دی تھی لیکن ایک دن جب آپؐ کے پاس آیا تو اس نے اپنے ہاتھ میں ایک کاغذ تھام رکھا تھا۔ وہ آتے ہی بولا: "اے میرے بھائی کے بیٹے! کیا تم چاہتے ہو کہ تم جس راہ پر چل رہے ہو تمہیں اس کا ثبوت دوں؟ تم نے (نعوذ باللہ) لوگوں کو تکلیفیں دی ہیں، ان کو ان کے گھروں سے اجاڑا ہے اور انھیں قتل کیا ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ ایک دن (میری طرح) خدا کے حکم سے نصرانی ہو جاؤ گے۔" بعض لوگ اس روایت کو غلط بتاتے ہیں لیکن انھیں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ جب وہ مرا تو نصرانی تھا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت نہیں دیکھا البتہ کچھ لوگ اس روایت سے بھی اختلاف رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ آپؐ کے دست مبارک پر اسلام لایا تھا بلکہ اس نے آپؐ کی مدح میں کچھ اشعار بھی کہے ہیں۔

انہیں میں عتبہ بن ربیعہ کا رشتہ دار بھی تھا۔ وہ اہل نینوا میں سے تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نے طائف میں اس وقت دیکھا تھا جب آپ اہل طائف کو دین حق کی دعوت دینے تشریف لے گئے تھے۔ اس کی آپ سے حدیقہ میں گفتگو کے بارے میں کچھ روایات بھی ملتی ہیں۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں لوگوں کو بشارت بھی دی تھی۔ تاہم چند روایات یہ ہیں کہ غزوہ بدر کے روز جب وہ قتل ہوا تو نصرانی تھا۔"

انھیں میں ابو قیس صرمہ بن ابی انس بھی تھا۔ اس کا شمار بنی نجار کے انصار میں ہوتا ہے۔ وہ قبل اسلام راہب ہو گیا تھا، مسیحیوں کا لباس پہنتا تھا اور اس نے بُت پرستی سے ہاتھ اُٹھا لیا تھا۔ اس نے عبادت گاہ کے طور پر ایک گھر بنا لیا تھا جس میں وہ غسلِ طہارت کے بغیر داخل نہیں ہوتا تھا۔ وہ کہتا تھا: "میں ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں۔" وہ حضور نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام میں داخل ہوا۔ اس کا ایمان (یقیناً) بہت پختہ اور قابل ستائش تھا۔ آیاتِ مسحور اوقات سحری کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہیں جو یہ ہیں:۔ "کھاؤ پیو جب تک سیاہ و سفید دھاگے میں تمیز نہ کر سکو فجر کے وقت تک" (القرآن۔ ترجمہ)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں درج ذیل مشہور شعر اسی کا ہے:۔

"آپؐ نے قریش کے ساتھ مکہ میں دس سال قیام فرمایا
کسی کو تا دم مرگ ایسا سچا انسان مل نہیں سکتا۔"
(ترجمہ)

انھیں میں ابو عامر اوسی بھی تھا۔ اس کا پورا نام عبد عمرو بن صیفی بن نعمان تھا۔ وہ قبیلۂ اوس کے بنی عمرو ابن عوف میں سے تھا اور "ابو حنظلہ غسیل ملائکہ" کے نام سے مشہور ہے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں اپنے قبیلے کا سردار تھا مگر راہب ہو گیا تھا اور مسیحیوں کا لباس پہننے لگا تھا۔ روایات سے پتہ چلتا ہے کہ جب مدینے میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ سے اس کی خاصی طویل گفتگو ہوئی تھی۔ پچاس سال کی عمر میں وہ تنہا شام چلا گیا تھا اور جب اس کا انتقال ہوا تو نصرانی ہی تھا۔

انھیں اہل فترہ میں بنی اسد بن خزامہ کا عبداللہ بن جحش اسدی بھی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد سے پہلے اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان بن حرب اسی کی بیوی تھیں۔ اس نے کتب سماویہ کا مطالعہ کیا تھا اور نصرانیت کی طرف مائل ہو گیا تھا۔ ظہورِ اسلام کے بعد دوسرے مسلمانوں کے ہمراہ اس نے بھی مکہ سے حبشہ ہجرت کی تھی اور اس وقت حضرت ام حبیبہؓ بھی اس کے ساتھ تھیں لیکن وہ وہاں جاکر مرتد ہو گیا اور مسلمانوں سے یوں مخاطب ہوا:-

"میں نے اور تم نے ساتھ ساتھ ذرا ذرا آنکھیں کھولی تھیں لیکن اب تم مجھے عدم بصارت کا الزام دیتے ہو حالانکہ میری آنکھیں دوبارہ کھُل گئی ہیں جب کہ تم بصارت سے محروم ہو چکے ہو۔"

عربی میں یہ محاورہ کُتّے کے پلّوں کے متعلق بولا جاتا ہے جن کی آنکھیں ولادت کے وقت کھُلی ہوتی ہیں اور پھر فوراً ہی بند ہو جاتی ہیں۔ وہ چاہیں بھی تو پھر کچھ دن تک آنکھیں کھول نہیں سکتے۔

عبداللہ بن جحش کا انتقال حبشہ ہی میں ہوا، اس وقت وہ نصرانی تھا۔ جب اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوہ اُم حبیبہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو ان کی طرف سے ولی کے طور پر شاہِ حبشہ نجاشی نے مہر میں چار سو دینار مقرر کیے تھے۔

بحیرا راہب اہل فترہ میں بحیرا راہب کا نام بھی آتا ہے۔ وہ نصرانی تھا اور حضرت مسیح ابن مریم کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔ مسیحیوں میں سرجسؔ کے نام سے مشہور ہے۔ جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابی طالب کے ساتھ بغرض تجارت بارہ سال کی عمر میں شام تشریف لے گئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت بلالؓ بھی ان کے ہمراہ تھے تو آپ راستے

ؔ بعض کتابوں میں جرجس لکھا ہے۔

میں اس طرف سے گزرے جہاں ایک صومعہ (مسیحی حضرات کی عبادت گاہ) میں بحیرا راہب کی حیثیت سے مقیم تھا۔ بحیرا نے آپؐ کو دیکھا تو آپؐ میں وہ تمام علامتیں اور صفات موجود پائیں جو آپ کے متعلق کتب سماوی میں پڑھی تھیں۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ جہاں آپ تشریف فرما تھے وہاں دھوپ سے بچاؤ کے لیے آپ کے فرقِ مبارک پر ابر سایہ فگن تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے آپ سے اپنی عبادت گاہ میں قیام کی درخواست کی اور آپؐ کو بڑے احترام کے ساتھ وہاں لے جاکر بٹھایا، آپؐ کے اور آپؐ کے ہمراہیوں کے لیے کھانا تیار کیا اور حد سے زیادہ خاطر و مدارات کی۔ پھر اس نے کتب سماوی کے حوالے سے آپؐ کے اوصافِ حمیدہ کی طرف اشارہ کر کے آپؐ کو نبوت کی خوش خبری سنائی اور مبارکباد دی۔ اس نے آپ کے دستِ مبارک کی ایک شبیہ بھی بنا کر بطور یادگار اپنی عبادت گاہ میں رکھ لی اور آپؐ کے رسولِ برحق ہونے پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ جب تک آپ کا قیام اس کی عبادت گاہ میں رہا اس نے آپؐ کے رُوئے مبارک سے نظر نہیں ہٹائی۔ آپ کے ہمراہیوں نے اس واقعہ کی اطلاع دوسروں کو دینے کے بارے میں اس سے پوچھا تو وہ بولا:۔

"ابھی نہیں، خاص طور سے مسیحیوں کی طرف سے خبردار رہنا وہ (آپؐ کی طرف اشارہ کر کے) انہیں بربنائے حسد نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اور موقع ملا تو آپؐ کی جان لینے سے بھی نہیں چوکیں گے۔"

بہرحال اس واقعہ کی اطلاع قوی روایات کی رُو سے آپؐ کے چچا ابی طالب کی زبانی دوسروں تک پہنچی۔ مذکورہ بالا سفر کے دوران میں آپ کی ذاتِ مبارک سے بسلسلۂ نبوت جو علامات ظہور پذیر ہوئیں وہ بھی حضرت ابی طالب سے روایت کی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ آپؐ کی ذات مبارک سے مربوط جو علامات نبوت قبل بعثت ظاہر ہوئیں وہ تمام تر آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ سے مروی ہیں۔"

یہاں پہنچ کر المسعودی لکھتے ہیں:۔

"یہاں تک ہم نے تخلیق کائنات کی ابتداء کے بارے میں جو کچھ ہمارے علم میں آیا تمام کا تمام بلاکم و کاست درج کر دیا ہے لیکن اس سلسلے میں ہمارے علم کا ماخذ صرف کتب سماوی اور اقوال انبیاء ہیں۔ دُوسری جملہ روایات و حکایات بھی کتب تواریخ سے تصدیق کے بعد درج کی گئی ہیں۔"

"اب اس کے بعد ہم ممالک ہند کی ابتدا، قدامت اور وہاں کے باشندوں کے مذہبی اور دوسرے خیالات کے بارے میں لکھیں گے۔ اسی طرح دوسرے ممالک اور وہاں کے حکمرانوں کے حالات بھی اسی نہج سے لکھیں گے جس طرح ہم نے مصدقہ تواریخ اور کتب شرعیہ کے حوالے سے ملوک اسرائیل کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

اخبار الہند اور ہندی ممالک و ملوک

اہل ہند ابتدائے کائنات اور تخلیق موجودات عالم کے بارے میں اپنے جداگانہ مخصوص نظریات رکھتے ہیں۔ حکمائے یونان کی طرح ان کے قدیم ترین دانشوروں نے اس سلسلے میں بڑی پُر مغز گفتگو کی ہے۔ ان کے اوّلین سات حکماء کی آراء میں تضاد ہونے کے باوجود پانی سے ابتدائے کائنات کے سلسلے میں سب کے سب متفق ہیں۔ قدیم حکمائے ہند کی رائے میں دنیا کی قدیم ترین سرزمین سرزمین ہند ہے جہاں سے کوہ صحرا جنگلات اور جملہ حیوانات کی ابتدا ہوئی ہے۔ کائناتی علوم پر تحقیق و جستجو کے سلسلے میں ان کے پیش کردہ نتائج سے بحیثیت علمی کسی کو اتفاق ہو یا نہ ہو لیکن ان کی تحقیقی کاوشیں قابل غور و فکر ضرور ہیں۔ ان کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام پہلی بار انہیں کی زمین پر اُترے تھے۔ ان کے خیال میں علمی قدامت کے لحاظ سے ارض ہند قدیم ترین ہے۔ وہیں کی کانوں سے لوہا اور جواہرات نکلے ہیں۔

ہندوستان کی قدیم ترین نسل برہمن نسل ہے۔ ہندوستان کا سب سے پہلا عظیم ترین بادشاہ اسی نسل سے ہوا ہے۔ اسی کے زمانے میں کانوں سے لوہا نکالا گیا جس سے تلواریں خنجر اور دوسرے آلات حرب تیار کیے گئے۔ اسی کے زمانے میں منادر تعمیر کیے گئے جنہیں چمکتے دمکتے مشرقی جواہرات سے سجایا گیا۔ ان منادر میں کواکب کے بارہ برجوں کے نقشے اور انسانی و حیوانی مجسمے تیار کر کے رکھے گئے اور دیواروں پر ان کے نقش و نگار اُبھارے گئے۔ اہل ہند کا مدبر اعظم شمس نامی ایک شخص تھا جس نے مسائل کائنات پر اپنی ایک کتاب میں کچھ عام فہم اور کچھ خواص کے لیے علمی زبان میں بحث کی ہے۔ حکمائے ہند نے اسی کے زمانے میں اجتماعی طور پر کتاب "السند ہند" اور اس کی شرح دہر الدھور لکھی ہے۔ اسی زمانے میں مجسطی کی کتاب "الارجبہد الارکند" اور کتاب بطلیموس کی طرز پر دوسری کتابیں لکھی گئیں۔ انھیں دو کتابوں سے اہل ہند میں علم ہندسہ اور ریاضی کے ان قواعدوں

کی ابتدا ہوئی جو ہندوستان سے مخصوص ہیں۔ ہندوستان کا پہلا شخص شمس ہی تھا جس نے آفتاب کی بلندی کی نشاندہی کی اور یہ بتایا کہ سورج اپنے ہر برج میں تین ہزار سال رہتا ہے اور پورے آسمان کی مسافت ۳۶ ہزار سال میں طے کرتا ہے۔ اس کے حساب کے مطابق ہمارے زمانے میں اس وقت یعنی ۳۳۲ ہجری میں سورج کا قیام برج ثور میں ہے۔ اس کا سفر آسمان میں جنوب سے شمال اور شمال سے جنوب کی طرف ہوتا ہے اس نے عناصر اور ان کے ضعف و توانائی پر بھی گفتگو کی ہے جس کے باقی عالمی ممالک سے قطع نظر اہل ہند پوری طرح قائل ہیں۔ ہم نے ہندوستان کی نسبت سے ان اطلاعات پر اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیلی گفتگو کی ہے۔ یہاں اس سے اس لیے گریز کیا ہے کہ کہیں ہماری اس کتاب کو بھی تاریخی واقعات پر مبنی تصنیف کی بجائے عالمی اخبار و اطلاعات پر مبنی کتاب نہ سمجھا جائے۔ بہر حال یہاں اتنا واضح رہے کہ ہندوستان کا پہلا بادشاہ برہمن تھا جس کی ہلاکت کے بعد ہندوستان کی حکومت پر برہمن ہی اس وقت تک یعنی ۳۳۶ ہجری تک قابض ہیں۔

البراھمہ

ہندوستان کے پہلے برہمن بادشاہ کی نسل کے لوگ براہمہ کہلاتے ہیں وہ ہر قسم کے گوشت کھانے سے اجتناب کرتے ہیں اور اپنے گلے میں تلوار کے تسمے کی طرح ایک موٹا دھاگا ڈالے رہتے ہیں جو ان کے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کے درمیان امتیازی نشان ہے۔ ان کے پسندیدہ سات دانشور گزرے ہیں جن کا قول ہے کہ ہمارا وجود خالق کی حکمت پر مبنی ہے لہٰذا ہمارا عدم اس کی حکمت کے زوال یا نقص کا باعث ہوگا۔ ان میں سے ایک دانشور کہتا ہے کہ ایسا کون ہے جو وجود عالم اور حقائق اشیاء کا کلی طور پر ادراک کر سکے؟ دوسرا کہتا ہے کہ عقل و حکمت کسی ایک شخص تک محدود نہیں ہو سکتی۔ تیسرا کہتا ہے کہ ہمارے لیے انہیں اشیاء کا ادراک کافی ہے جو ہمارے اجسام و اذہان سے قریب تر ہیں۔ چوتھا کہتا ہے کہ اشیاء کی معرفت ہمارے لیے اسی حد تک ضروری ہے جہاں تک ہمیں ان کی احتیاج ہو۔ پانچویں کا قول ہے کہ ہمیں ان حکماء کی صحبت اختیار کرنی چاہیے جو حقیقت اشیاء کے ادراک پر قادر ہوں۔ چھٹا حکیم بولا: اس دنیا میں ہمارا وجود حصولِ سعادت نفس کے لیے وقف ہونا چاہیے کیونکہ یہاں ایک دن جانا ضروری ہے۔ ساتویں اور آخری دانشور نے کہا:۔

"آپ حضرات نے جو کچھ فرمایا میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں، البتہ اتنا جانتا ہوں لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے، اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے، ہم نہ اپنی خوشی سے دنیا میں آئے ہیں نہ یہاں سے جانے پر ہمیں اختیار حاصل ہے، رہی زندگی تو اس

میں پریشانیوں اور تکالیف کے سوا رکھا ہی کیا ہے ؟"

(مفہومی ترجمہ)

اہل ہند نے بعد میں ان قدیم ہندی حکماء کے جملہ اقوال سے انحراف کرتے ہوئے زندگی اور موت نیز عقل و ادراک کے تعلق سے اپنے لیے حسب پسند مذہبی راہیں اختیار کیں اور نسبت سے ان کی سات مختلف ذاتیں ہوگئیں جنہیں فرقے بھی کہا جاتا ہے۔

ابو قاسم بلخی نے اپنی کتاب "عیون المسائل والجوابات" میں اور حسن بن موسیٰ نوبختی اپنی کتاب "الاراء والدیانات" میں اہل ہند کے مذاہب، ان کی آرا اور سماجی روایات کا تفصیلی ذکر کیا ہے جن میں یہ بھی لکھا ہے کہ اہل ہند خود کو آگ کے سپرد کرنے کے علاوہ اپنے اجسام کے اعضا و جوارح کی قطع و برید کر کے اپنے آپ کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر لیتے ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں اس کے علاوہ اہل ہند کے بارے میں وہ سب کچھ لکھا ہے جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔

حالاتِ برہمن میں تنازعات

ہندوستان کے پہلے بادشاہ برہمن کے بارے میں اہل ہند مختلف آراء رکھتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ ابو البشر آدم علیہ السلام تھا اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان کی سرزمین پر خدا کا پیغمبر تھا لیکن ایک مخصوص تعلیم یافتہ طبقے کی رائے یہ ہے کہ وہ بادشاہ ہی تھا جیسا ہم بیان کر چکے ہیں اور یہی آخری بات مشہور ترین ہے

باہور

برہمن کے ہلاک ہو جانے کے بعد اہل ہند نے حد درجہ گریہ وزاری کی اور اس کا جانشین اس کے سب سے بڑے بیٹے باہور کو بنایا جس کے لیے اس کا باپ برہمن پہلے ہی کہہ گیا تھا سیرت کے لحاظ سے وہ بھی اپنے باپ پر گیا تھا اور بظاہر بھی بہت خوش رو تھا۔ اس نے حکماء کی بڑی عزت کی بلکہ ان کے جاہ وحشم میں اور اضافہ کیا اور انہیں اہل ہند کو حکمت کی تعلیم دینے پر مامور کیا اور خود انہیں بھی علم وحکمت میں مزید تحقیق کا حکم دیا۔ اس نے اپنے مذہبی عقائد کے مطابق بہت سی نئی عبادت گاہیں تعمیر کرائیں۔ جب وہ ہلاک ہوا اس وقت اس کی عمر سو سال تھی۔

چوسر یا نرد بازی

ہندوستان میں نرد بازی یا پانسہ پھینکنے کا زیادہ رواج باہور کے زمانے ہی میں ہوا۔ اس سے پہلے اسے صرف ایک کھیل سمجھا جاتا تھا لیکن اس کی ہار جیت میں شرط کے طور پر نفع نقصان کو رواج اسی نے دیا یعنی اسے کسب روزی کا ذریعہ بنایا حالانکہ دنیا میں حصولِ رزق حیلہ و مکر پر منحصر نہیں ہے۔ کہتے ہیں نرد بازی کا موجد اردشیر تھا جس نے نردیں یا گوٹیں بنا کر ان سے کھیلنا شروع کیا تھا۔ اس نے بارہ شہروں کی تعداد کے لحاظ سے چوسر کی بساط کے

بھی بارہ گھر بنائے تھے اور پھر انہیں ہر مہینے کے دنوں کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے تیس خانوں میں تقسیم کیا تھا۔ ہر چند اُردشیر کی یہ ایجاد لہو و لعب تک محدود تھی لیکن اہل دنیا نے بعد میں پانسہ پھینک کر خوش قسمتی اور بدقسمتی کا اندازہ لگانا شروع کر دیا۔ جہاں تک اس کے ذریعہ کسب رزق کا سوال ہے تو اس کا حصول محنت اور جد وجہد کے بغیر کیا معنی رکھتا ہے؟

نزامان

باہبود کے بعد نزامان ارضِ ہند کا بادشاہ ہوا جس کی حکومت کم وبیش ۵۰ سال تک رہی اس کی سیرت وکردار اور احوال حکومت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فارس اور چین کے بادشاہوں سے اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب کا تفصیلی حال ہم اپنی سابقہ کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

ملک فوُر

نزامان کے بعد فور (پورس) بادشاہ ہوا۔ یہ وہی فوُر ہے جس سے سکندر کی جنگ ہوئی تھی اور سکندر نے اسے شکست دے کر قتل کر دیا تھا۔ اس کے قتل کے وقت اس کی حکومت کے ۱۴۰ سال گزر چکے تھے۔

دبشلیم

ملک فوُر کے بعد دبشلیم بادشاہ ہوا جس نے کتاب کلیلہ دمنہ لکھی ہے جسے ابن مقفع سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے بہت سے افسانے وغیرہ عباسی خلیفہ المامون کے کاتب سہل بن ہرون نے اپنی کتاب "ثعلہ وعفرہ" میں ترجمہ کر کے پیش کیے ہیں نیز ان پر کچھ اضافے کر کے کتاب کی منظومات میں مزید حسن پیدا کر دیا ہے۔ دبشلیم کا دورِ حکومت ۱۲۰ سال تک رہا۔

بلھیت اور شطرنج

دبشلیم کے بعد بلھیت ہندوستان کا بادشاہ ہوا۔ شطرنج کا کھیل اسی کی ایجاد ہے۔ یہ کھیل اگرچہ وقت گزاری کے لیے تفریحاً کھیلا جاتا ہے لیکن اس کی بساط پر جس کے کل ۶۴ خانے ہوتے ہیں سولہ سولہ مہروں کو دوطرفہ اس طرح رکھا جاتا ہے جس طرح آمنے سامنے دو فوجوں کی صفوں کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ شطرنج کی چالیں بھی بالکل فوجی چالوں کی طرح ہوتی ہیں اور اس میں داؤ پیچ بھی بالکل اسی طرح ہوتے ہیں جیسے افواج میں لڑنے والوں کے درمیان دست بدست جنگ آگے پیچھے اور دائیں بائیں ہٹ کر یا پینترے بدل کر لڑی جاتی ہے۔ شطرنج میں بھی مدمقابل کی غفلت اور چالوں میں اس کی بے خبری سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے، پوری بساط کو ذہن میں رکھ کر مدمقابل کی ہر چال سے قبل از وقت باخبر رہنا اور اس کے توڑنے کے لیے تدبیر کرنا پڑتی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ کھیل صرف کھیل نہیں ہے، اس میں بڑی دماغ سوزی ہوتی ہے اور دونوں طرف آمنے سامنے بیٹھ کر حد درجہ سوجھ بوجھ اور ذہنی پھرتی کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔ جیسا ہم نے

سطورِ بالا میں بیان کیا شطرنج کی بساط کے ۶۴ خانے ہوتے ہیں لیکن کھیلنے والے اپنے اپنے مہروں کو جن کے رنگ پہچان کے لیے مختلف ہوتے ہیں پہلی دو صفوں میں ترتیب دیتے ہیں۔ اگلی صف میں ۸ پیادے ہوتے ہیں، اس کے پیچھے دوسری صف میں بادشاہ اور وزیر درمیان میں رکھے جاتے ہیں اور ان کے داہنی اور بائیں جانب پہلے ایک ایک فیل، پھر ایک ایک اسپ (گھوڑا) اور آخر میں بادشاہ اور وزیر کے دائیں اور بائیں جانب ایک ایک رُخ جمایا جاتا ہے۔ بادشاہ آگے پیچھے صرف ایک گھر بڑھ سکتا یا ہٹ سکتا ہے، اسی لیے ہر کھلاڑی مدمقابل کے بادشاہ کو اپنے مختلف مہروں کے ذریعہ صرف ایک خانے میں محصور کر دینا چاہتا ہے جس کی وجہ سے وہ آگے نہ بڑھ سکے نہ ادھر ادھر کسی برابر کے خانے میں جا سکے کیونکہ بادشاہ دائیں بائیں، آگے پیچھے صرف ایک خانے تک ہٹ سکتا ہے اور جب مدمقابل اسے ہر طرف سے گھیرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو دوسری طرف کھیلنے والے کو شکست ہو جاتی ہے چالوں کے لحاظ سے بادشاہ کے علاوہ وزیر بساط کے آخر تک سیدھا اور ترچھا جا سکتا ہے جب کہ فیل ترچھا اور رُخ سیدھا بساط کے آخر تک مار کر سکتا ہے لیکن اسپ یا گھوڑا صرف ڈھائی گھر یعنی دو خانے سیدھا اور دو خانوں کی طرف یعنی ادھر ادھر ترچھا چل سکتا ہے جو نصف خانہ سمجھا جاتا ہے یہ تفصیل دہور اور اعصار میں ہر جگہ موجود ہے۔ شطرنج کا کھیل ہندوستان ہی سے یونان، روم اور دوسرے ممالک پہنچا جہاں آج بھی یہ کھیل بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بلہیت کا دَورِ حکومت صرف ۳۰ سال رہا لیکن اس روایت کے بارے میں کچھ اختلافات بھی ہیں۔

کورش

بلہیت کے بعد کورش ہندوستان کا حکمران ہوا۔ اس نے معاشرتی اصلاحات کے علاوہ مذہبی روایات میں بھی بہت سی اصلاحات کیں اور اپنی رعایا کی بہت سی سماجی و معاشی تکالیف رفع کرنے کا باعث بنا۔ کورش ہی کے زمانے میں سندباد بھی تھا جو اس کا مشیر خاص تھا۔ اسی نے کورش کے لیے سات وزرا، معلمین، غلام اور بیویوں کی تعداد کے سلسلے میں ایک کتاب مرتب کی تھی جس کا نام بھی اس کے نام پر کتاب سندبادی رکھا گیا تھا۔ اس نے کورش کے لیے جو سب سے بڑی کتاب لکھی تھی وہ مختلف امراض کے اسباب و علل اور ان کے علاج کے لیے دواؤں کی تجاویز وغیرہ پر مشتمل تھی اس میں جسم انسانی کے مختلف اعضاء اور ان کی کارکردگی کے سلسلے میں اشکال و تصاویر دی گئی تھیں۔ اس بادشاہ کی عمر اس کے انتقال کے وقت ۱۲۰ سال تھی۔

اختلاف الہند

کورش کے انتقال کے بعد ارضِ ہند اختلافِ آراء کی شکار ہو گئی۔ اس کے مختلف حصوں میں مختلف حکمرانوں نے مرکز سے الگ اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں اور

اس طرح سارا ملک ٹکڑوں میں بٹ کر خراب وخستہ اور کمزور ہوگیا۔ سندھ کی الگ، قنوج کی الگ اور کشمیر کی الگ حکومت قائم ہوئی۔ سب سے بڑی حکومت کا پایۂ تخت شہر "مانکیر" (؟) تھا۔ یہ وہ شہر تھا جو اپنے علاقے کے حکمران "بلہری" کے نام سے پہلی بار منسوب ہوا اور اب تک اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کے بعد مرکزی حکمراں اسی شہر میں قیام پذیر رہے اور یہ دستور اب تک یعنی ۳۳۲ھ تک چلا آتا ہے۔

ارض الہند ہندوستان کی سرزمین بڑی وسیع اور بری، بحری اور کوہستانی علاقوں کے لحاظ سے اس کا طول وعرض بہت زیادہ ہے۔ یہ سرزمین مملکت زابج (؟) سے متصل ہے جس کا پایہ تخت مہراج کا مرکزی شہر ہے جو الجزائر کا حکمران ہے الجزائر ہندوستان اور چین کے درمیان واقع ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے محل وقوع میں یہ باتیں شامل ہیں کہ اس کی سرحدیں پہاڑی علاقوں سے گزرتی ہوئی سندھ، خراسان اور تبت سے جا ملتی ہیں۔ ان ممالک میں ہمیشہ باہم کوئی نہ کوئی چپقلش رہی ہے اور اس کی وجہ سے جنگ وجدال تک نوبت آجاتی ہے۔ ان ممالک میں اختلاف آراء کے علاوہ بہت سے مسائل میں تضاد پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اہل ہند تناسخ کے قائل ہیں یعنی روح ایک مردہ جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہو جاتی ہے جس کا ہم پہلے اجمالاً ذکر کر چکے ہیں۔ یہی نہیں اہل ہند عقل وحکمت، سیاست، رنگ، مزاج اور دوسرے اوصاف کے لحاظ سے دنیا کے ان تمام ممالک کے باشندوں سے مختلف ہیں جو سیاہ فام کہلاتے ہیں حتیٰ کہ ان کی اجناس بھی ان ممالک سے مختلف ہیں۔

اہل ہند کے خصائل جالینوس نے خصائل اقوام کے تحت رنگ دار اور سیاہ فام خصوصاً سیاہ فام اقوام بشمول ہند کے دس خصائل بیان کیے ہیں جو یہ ہیں:-

جسم پر بالوں کا گھنا ہونا، شرمگاہوں کو لنگوٹی سے چھپانا، نتھنوں کا پھیلاؤ، ہونٹوں کی موٹائی، عمر کی کوتاہی، جلد گودنا، آنکھ کی پتلیوں کی گہری سیاہی، ہاتھ پاؤں کی جلد کا پھٹنا، عضو تناسل کا طول اور رقص وسرود کی کثرت۔

جالینوس کے بقول ان اقوام میں رقص وسرود کی کثرت اور اظہار مسرت کے لیے اچھل کود کی خاص دماغی فساد اور عقل کی کوتاہی ہے۔ جالینوس کے علاوہ بھی دوسرے حکمائے عالم نے سیاہ فام قوموں میں خصوصاً زنجبار میں رقص وسرود کی کثرت اور خوشی کے موقعوں پر حد سے زیادہ اچھل کود کی یہی وجہ بتائی ہے جس کا ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔

"عبداللہ بن عباس" کے مصنف طاؤس یمانی کسی زنگی کا ذبیحہ نہیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ عجیب الخلقت لوگ ہیں۔ ہندوستان میں گوشت سے پرہیز اور چھوت چھات اس سے کہیں زیادہ ہے۔

ہمارے علم میں آیا ہے کہ معتضد باللہ عباسی کا بیٹا راضی باللہ کسی سیاہ فام کے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں کھاتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ عجیب الخلقت لوگوں میں سے ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ ذبیحہ کے بارے میں بھی وہ طاؤس یمانی کا مقلد اور گوشت خوری سے مجتنب تھا۔ البتہ عمرو بن بحر جاحظ نے اپنی ایک کتاب میں سیاہ فام لوگوں کے کچھ فضائل بیان کرتے ہوئے اہل ہند کی خوبیوں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہندوستان میں سیاہ فاموں کے علاوہ سفید فام لوگ بھی پائے جاتے ہیں اور خوبصورت ہوتے ہیں۔

عادات الہنود

ہندوستان میں حکمران کے لیے ضروری ہے کہ اس کی عمر چالیس سال سے کم نہ ہو اسے معلوم دنیا کے حالات و واقعات سے مکمل واقفیت حاصل ہو، اسے رعایا کی ضروریات اور تکالیف کا صرف احساس ہی نہ ہو بلکہ اس سلسلے میں عملی قدم اٹھانے کے لیے اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے، رعایا پر اس کا رعب داب امورِ سلطنت اور عوام میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لیے ضروری حد تک موجود ہو، امورِ سلطنت میں سیاسیات کو جہاں تک ضرورت ہو اس سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور اس کی عملی اقدار کو بروئے کار لانے میں مستعدی سے کام لے سکتا ہو نیز ان کے مواضع کو بھی مکمل طور پر سمجھ سکتا ہو۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں:۔

"میں نے ارض ہند کے خطۂ سراندیپ (لنکا، سیلون) میں دیکھا اور وہ ایک سمندری جزیرہ ہے کہ جب وہاں کا حکمران فوت ہو جاتا تو اسے ایک خاص مقام پر لے جاتے ہیں جو اسی کام کے لیے مقرر ہے اور اس کی لاش وہاں رکھ دیتے ہیں۔ اس کی بیوی کے ہاتھ میں ایک پوٹلی ہوتی ہے جس میں سے مٹی نکال کر وہ اپنے مردہ خاوند کے سر پر ڈالتی جاتی اور کہتی جاتی ہے "اے لوگو! دیکھو یہ آج تک تمہارا حاکم تھا" اس کا ہر حکم تمہارے لیے واجب العمل تھا اب اس نے دنیا چھوڑ دی ہے اس لیے اس کے احکام بھی آج سے ختم ہو گئے کیونکہ ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی ہے۔ اگرچہ اب وہ زندہ ہو کر دوبارہ نہیں مرے گا لیکن اس کے مرنے سے تم نہ بدل جانا۔" اسی قسم کے الفاظ وہ لوگوں سے نیک چلنی، عبادت، پرہیزگاری وغیرہ پر قائم رہنے کے متعلق کہتی ہے اور انھیں اپنی ملکی روایات پر قائم رہنے کی ترغیب دیتی اور تلقین کرتی

ہے ۔اس کے بعد لاش کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اس پر صندل، کافور اور طرح طرح کی خوشبوئیں ڈالی جاتی ہیں ۔اس کے بعد اسے آگ لگا دی جاتی ہے ۔جب لاش جل کر راکھ ہو جاتی ہے تو اسے ہوا میں اُڑا دیا جاتا ہے ۔لاش کو آگ میں جلانے کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ اس طرح مردہ آئندہ کے لیے پاک صاف ہو جاتا ہے جہاں تک مرنے والے کے دارالامارت، وزیروں اور دوسرے عہدیداروں . . . . کے عہدوں کا تعلق ہے تو وہ اسی طرح رہتے ہیں اور جس طرح حکومت مرنے والے حکمران کے خاندان سے باہر نہیں جاتی اسی طرح یہ تمام عہدے بھی عہدہ داروں کے بعد انھیں کے خاندان میں منتقل ہوتے رہتے ہیں، ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

ہندوستان میں شراب کی ممانعت ہے اور پینے والے کو سزا دی جاتی ہے لیکن یہ مذہبی نقطہ نظر سے نہیں کیا جاتا بلکہ ان کے نزدیک شراب پی کر نشے کی حالت میں انسان عقل و خرد سے عاری ہو جاتا ہے ۔ اور اسے ملکی قوانین اور روایات کا پاس لحاظ نہیں رہتا ۔البتہ حکمران کے لیے ضرورۃً سیاسی سوجھ بوجھ اور تدابیر ملکی پر غور و خوض کے لیے اس کا تھوڑا بہت استعمال صحیح سمجھا جاتا ہے ۔ہندوستان میں گانے بجانے کا رواج بہت ہے جس کے لیے انہوں نے بہت سے آلات بنا رکھے ہیں ۔گانا بجانا خوشی اور غمی دونوں میں ہوتا ہے نیز بڑے دیبوں کے یہاں تقریبات کے موقعوں پر گانا بجانا ضروری ہوتا ہے ہندوستان کی سیاسیات اور رسوم و روایات کے بارے میں ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں" اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیلی گفتگو کی ہے ۔"

جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہمارے زمانے میں ہندوستان کا سب سے بڑا حکمران بلہری ہے دوسرے حصہ ہائے ملک کے حکمران اس کی عزت کرتے، اسی کے رسم و رواج پر چلتے اور اس کے قاصدوں کے ساتھ بھی بڑے احترام سے پیش آتے ہیں ۔ہندوستان کے بعض پہاڑی علاقوں میں بھی جہاں سمندر نہیں ہے حکومتیں قائم ہیں ۔مثال کے طور پر کشمیر وغیرہ ۔سواحل سمندر پر بھی کئی حکومتیں ہیں لیکن بلہری کی حکومت بڑی حصے کے درمیان میں ہے ۔قنوج کا علاقہ بھی اس سے کوسوں دور ہے اس طرح سندھ اور دوسرے بحری، برّی اور یہ دوسرے علاقے بھی ۔بلہری اور اس کی حکومت پر حملے کی کسی کو جرأت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے پاس سواروں اور پیادوں پر مشتمل کثیر فوج ہے جس میں ہاتھی بھی بے شمار ہیں ۔یہ فوج شرقاً غرباً اور شمالاً جنوباً ملکی حفاظت اور سرحدوں کی نگرانی کے لیے ہے۔

ہندوستان کے علاقہ سندھ اور دوسرے برّی و بحری علاقوں کا ذکر ہم آگے چل کر زیر نظر کتاب میں وہاں کے سمندروں اور حکمرانوں کے ساتھ کریں گے جس میں ہندوستان کے حکمرانوں کے مراتب، ان کے ماحول، وہاں کے باشندوں اور عجائب و غرائب کا بھی تفصیلی ذکر ہوگا، ویسے ان کے کچھ حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی قلمبند کر چکے ہیں۔

خِطّہ ہائے ارضی کے بحری و برّی علاقوں، پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں، ان کے آغاز، منابع و مخارج

ہیئت فلکیات و کواکب وغیرہ کا تذکرہ

کچھ حکمائے عالم نے زمین کو مشرقی، مغربی، شمالی اور جنوبی چار حصّوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر ہر حصّے کو مزید دو حصّوں یعنی مسکونہ و غیر مسکونہ (یعنی آباد و غیر آباد) میں تقسیم کیا ہے۔ مسکونہ حصّے وہ ہیں جہاں آبادی کے ساتھ عمرانیات یعنی حکومتیں اور ان کے انتظامی امور بھی شامل ہیں۔ حکماء نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زمین گول ہے اور گردش کرتی ہے۔ ان کے مطابق زمین کا مرکز وسط فلک میں ہے اور چاروں جانب سے اسے ہوا گھیرے ہوئے ہے۔ انہیں حسابی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ زمین کا یہ مرکز فلک بروج کے قریب ایک ابھرا ہوا نقطہ قلیل کی شکل کا ہے۔ انھوںؒ نے یہ بھی نتیجہ نکالا کہ زمین کے آباد جزائر کی قدیم حدود غربی اوقیانوس تک ہیں اور یہ کہ چین کی آباد حدود تک ان کا فاصلہ چھ ساعت پر مشتمل ہے۔ ان کی تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آفتاب ان اقصائے چین میں غروب ہو کر بحر اوقیانوس غربی کے مذکورہ بالا جزائر سے طلوع ہوتا ہے اور یہ زمین کا نصف دائرہ ہے۔ انھوں نے دور ارض پر جب ساعتی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اقصائے چین سے جزائر اوقیانوس تک میلوں کے حساب سے یہ فاصلہ ۱۳ ہزار ۵۰۰ میل ہے۔ اس طول البلد کے بعد جب انہوں نے عرض البلد پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ جب خطِ استوا سے ناحیۂ شمال کے اس جزیرے تک جو برطانیہ سے ملا ہوا ہے دن کا زیادہ سے زیادہ طول ۲۰ ساعت ہوتا ہے تو اس وقت عرض البلد زمین کے خطِ استوا سے مشرق و مغرب کے اس جزیرے تک جو ناحیۂ جنوب میں ہندوستان اور حبش (افریقہ) کے درمیان ہے تو عرض البلد کا نصف حصّہ شمالاً جنوباً جزائر عامرۂ اوقیانوس سے اقصائے عامرہ چین تک مرکز ارض کے اس نقطے سے محسوب ہوگا جس کا سطور بالا میں ذکر ہو چکا ہے یعنی عرض البلد خطِ استوا سے مذکورہ حصّہ زمین کے مابین قریبًا

۰، ڈگری ہوگا اور یہ دائرہ ارض کا چھٹا حصہ ہے۔ جب اس عرض کو جو دائرہ ارضی کا چھٹا حصہ ہے تا حیۂ شمال تک اس طول سے ضرب دیا جائے گا جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے تو یہ مقدار دائرہ ارض کے چھٹے حصے کی نصف رہ جائے گی۔

جہاں تک سات آقالیم کا تعلق ہے تو ان میں پہلی آقلیم ارض بابل ہے اور اس کے فلکی بروج حمل اور قوس ہیں اور اس کے سات ستاروں میں سے ایک ستارہ مشتری ہے۔ دوسری اقلیم ہند، سندھ اور سوڈان پر مشتمل ہے۔ اس کا بُرج جدی اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ زُحل ہے۔ تیسری اقلیم مکہ، مدینہ، یمن، طائف، حجاز اور ان کے درمیانی ارضی حصوں پر مشتمل ہے۔ اس اقلیم کا بُرج عقرب اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ زہرہ ہے جسے "سعد الفلک" کہا جاتا ہے۔ چوتھی اقلیم مصر، افریقہ، بربر، اندلس اور اس کے درمیانی علاقوں پر مشتمل ہے۔ اس کا بُرج جوزا اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ عطارد ہے۔ پانچویں اقلیم شام، روم اور جزیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کا بُرج دلو اور سات ستاروں میں سے ایک قمر ہے۔ چھٹی آقلیم ترکی، خزر، دیلم اور صقلیہ پر مشتمل ہے۔ اس کا بُرج سرطان اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ مریخ ہے۔ ساتویں آقلیم دبیل اور چین پر مشتمل ہے اس کا برجِ شمسی میزان اور سات ستاروں میں سے ایک ستارہ شمس ہے۔

حسین المنجم نے علم نجوم پر اپنی کتاب "کتاب المزیج فی النجوم" میں ابن عبد الملک المروزی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ علم نجوم کے کچھ ماہرین نے جنہوں نے عباسی خلیفہ امیر المومنین المامون کے حکم سے دیارِ ربیعہ میں سنجر کے میدان میں مطالعہ شمس کے لیے جو رصد گاہ بنائی تھی اس کے ذریعہ انہوں نے درجۂ واحد میں کرۂ ارضی کا اندازہ ۵۶ میل لگایا تھا، پھر اس درجہ واحد کو ۳۶۰ سے ضرب دے کر کرۂ ارضی کا محیط جو برّی اور بحری دونوں حصوں پر محیط ہے بیس ہزار ایک سو ساٹھ میل نکالا۔ اس کے بعد اس میں دو ارض کے ایک لاکھ ایک میل اور چالیس ہزار ایک سو بیس میل جمع کرکے حاصل جمع کو بائیس میل پر تقسیم کیا اور خارج قسمت دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا کہ زمین کا قطر تقریباً چھ ہزار چار سو ساڑھے انیس میل ہے اور اس کا نصف قطر تقریباً تین ہزار دو سو سات میل، سولہ دقیقہ تین ثانیہ ہے۔ افریقہ میں ایک میل چار ہزار ذراع (۵۰ تا ۷۰ سینٹی میٹر) کا ہوتا ہے۔ امیر المومنین المامون نے کپڑے، عمارات، اور منازل کے ناپنے کی بنیاد انھیں نتائج پر رکھی تھی۔

اس کے بعد المسعودی لکھتے ہیں :۔

"بطلیموس نے اپنی کتاب "جغرافیہ" میں رُوئے زمین، اس کے شہروں، سمندروں، دریاؤں

چشموں اور زمین کے آباد و غیر آباد اور ان مقامات کا ذکر کیا ہے جہاں حکومتیں قائم ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ اس کے زمانے میں تمام دنیا میں شہروں کی تعداد ۴ ہزار ۵۳۰ ہے۔ اس نے الگ الگ اقلیموں میں ایک ایک اقلیم کے شہروں کے نام بھی بتائے ہیں۔ اس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں دنیا کے پہاڑوں کے رنگ بھی بتائے ہیں۔ ان میں سرخ، سرمئی اور سبز وغیرہ شامل ہیں۔ ویسے دنیا کے جملہ پہاڑوں کے رنگوں کی تعداد اس نے کثیر بتائی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر میں بیش قیمت پتھروں اور جواہرات کی کانیں ہیں۔ اس مشہور فلسفی نے دنیا کے سمندروں کی تعداد پانچ بتائی ہے۔ اس نے ان سمندروں کے جزائر کا پتہ بھی دیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں کون سے مشہور اور کون سے غیر معروف ہیں۔ اس نے بتایا ہے کہ افریقی سمندر میں ——— صرف چند میل کے فاصلے سے تقریباً ایک ہزار جزیرے ہیں اور ان کے علاوہ بھی اور جزیرے ہیں۔ بطلیموس نے اپنی مذکورہ بالا کتاب جغرافیہ میں لکھا ہے کہ بحر مصر بحر روم سے مل کر "بحر اصنام نحاس" سے جا ملتا ہے۔ اس نے ساری دنیا میں (پہاڑوں سے نکلنے والے) بڑے بڑے جملہ چشموں کی تعداد ۲۳۰ بتائی ہے۔ یہ تعداد چھوٹے چشموں کی تعداد کے علاوہ ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ دنیا کی سات اقلیموں میں سال بھر مستقل جاری رہنے والے بڑے بڑے دریاؤں کی مجموعی تعداد ۲۹۰ ہے۔ چھوٹے دریاؤں کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔ البتہ اقالیم کی تعداد وہی ہے جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے لیکن ہر اقلیم ساعتوں کے لحاظ سے ۹۰۰ فرسخ ہے۔ جہاں تک سمندروں کا تعلق ہے تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن میں حیوانات موجود ہیں اور بعض میں نہیں ہیں، بحر اوقیانوس وہ واحد سمندر ہے جس میں حیوانات نہیں پائے جاتے۔ ان سمندروں کی اقسام اور ان کے جملہ کوائف کا ذکر ہم سمندروں کی تفصیلات کے تحت کریں گے۔ یہ سمندر بطلیموس کی مذکورہ بالا کتاب "جغرافیہ" میں نقشوں اور تصاویر کے ذریعہ بتائے گئے ہیں۔ اور نقشوں کے ساتھ ان کے مساحتی پیمانے بھی درج کیے گئے ہیں۔ ان میں کچھ دائروں کی شکل میں اور کچھ مثلث اور دوسری اشکال میں درج کیے گئے ہیں لیکن ان کے جو یونانی نام دیے گئے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہ آ سکے۔ زمین کا قطر اس کتاب میں ۲۰۰۱ بتایا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ ۶۶۰۰ فرسخ ہے، شاید یہ مقدار ضربی قاعدے پر مبنی ہو تاہم ہر فرسخ کی طوالت ۱۶،۰۰۰ ذراع ہونا ضروری ہے اور یہ نجوم کے دائرہ اسفل کی مقدار ہے جو فلک قمر ہے جس کی اپنی مقدار ۱۲،۵۶۹۰ فرسخ ہے۔ بہرحال آسمان کا قطر راس الحمل کی حد سے لے کر راس المیزان کی حد تک ۴ ہزار فرسخ ہے۔ ان افلاک کی تعداد ۹ ہے۔ ان میں پہلا اور سب سے چھوٹا جو زمین سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ قمر کا ہے۔

دوسرا عطارد کا، تیسرا زہرہ کا، چوتھا فلک شمسی، پانچواں مریخ کا، چھٹا مشتری کا، ساتواں زحل کا، آٹھواں کواکب ثابتہ کا اور نواں فلک بروج کہلاتا ہے۔ ان جملہ افلاک کی ہئیت یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے میں پیوست نظر آتے ہیں۔ فلک بروج کو فلک کل کہا جاتا ہے، اسی سے رات اور دن کا ظہور ہوتا ہے کیونکہ سورج اور جملہ کواکب اپنی ایک گردش ایک دائرے میں مشرق سے مغرب تک ایک رات اور ایک دن ہی میں مکمل کرتے ہیں اور یہ گردش قطبین ثابتہ پر ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک قطب جو شمال سے متصل ہے "بنات نعش" کہلاتا ہے اور دوسرا جو جنوب سے متصل ہے اسے "سہیل" کہتے ہیں۔ بروج افلاک سے علیحدہ نہیں ہیں۔ انھیں جن ناموں سے ملقب کیا گیا ہے۔ وہ اس لیے ہے کہ فلک کلی کی مناسبت سے کواکب کا مقام و محل سمجھا جا سکے۔ اس لیے یہ بھی ضروری ہوا کہ بروج قطبین کے لحاظ سے دائرہ فلک کے وسط میں قرار دیا جائے۔ اور جو خط اس دائرے کو مشرق سے مغرب تک آدھا آدھا تقسیم کرتا ہے اس کا نام "دائرہ معدل النہار" ہے جب سورج کی گردش کے لحاظ سے تمام دنیا میں رات دن برابر ہو جاتے اس وقت شمال سے جنوب تک عرض البلد اور مشرق سے مغرب تک طول البلد سمجھا جائے گا۔ افلاک جو جملہ عالم کو محیط ہیں وہ مرکز زمین پر گردش کرتے ہیں اور زمین ان کے وسط میں اس طرح ہے جیسے دائرے کے درمیان میں نقطہ ہوتا ہے اور یہی وہ ۹ افلاک ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ یہ پھر سمجھ لیا جائے کہ زمین کے سب سے زیادہ قریب فلک قمر ہے، اس کے اوپر عطارد، اس کے اوپر زہرہ، اس کے بعد شمس ہے۔ اس طرح فلک شمس سات آسمانوں کا درمیانی فلک ہے جس کے اوپر فلک مریخ ہے، اس کے اوپر فلک مشتری، اس کے اوپر فلک زحل ہے۔ فلک زحل کے اوپر آٹھواں آسمان ہے اور اسی آسمان میں جملہ بارہ بروج واقع ہیں۔ بہرحال ہر آسمان کا جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے ایک ستارہ ہے۔ سب سے اوپر نواں آسمان ہے اور وہی اپنی جسامت اور حجم کے لحاظ سے فلک اعظم ہے اور ان تمام افلاک پر جن کا ابھی ذکر کیا گیا محیط ہے۔ جہاں تک بروج کا تعلق ہے وہ ایک دوسرے سے قریب تر رہ کر گردش کرنے کے سلسلے میں چند ہیں اور دوسرے چند اپنی جگہ ساکن رہتے ہیں۔ گردش کرنے والے ستاروں (سیاروں) میں کچھ کی حرکت شمالاً اور بعض کی جنوباً ہوتی ہے اور اسی طرح شرقاً غرباً لیکن مرکز کے نظام کے تحت ان کی حرکات میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا نہ ان میں بلحاظ رفتار تصادم کا کوئی امکان ہے اگرچہ یہ کواکب اوپر نیچے حرکت میں رہتے ہیں اور ان کا دائرہ حرکت حد درجہ وسیع ہے۔ ویسے ان کواکب کی حرکات کا دائرہ ان کے اپنے اپنے فلک میں محدود ہے۔ قمر ہر برج میں ڈھائی دن رہتا ہے اور پورے فلک کی

مسافت ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ سورج کا قیام ہر برج میں ایک ماہ اور عطارد کا قیام ہر برج میں پندرہ دن، زہرہ کا پچیس دن، مریخ کا بینتالیس دن اور زحل کا قیام ہر برج میں تیس مہینے رہتا ہے۔

"کتاب الجسطی" کے مصنف بطلیموس کے نزدیک زمین کا دائرہ جس میں سمندر اور پہاڑ شامل ہیں ۲۴ ہزار میل ہے اور اس کا قطر جو اس کے عرض اور عمق پر مشتمل ہے، ہزار ۶ سو ۳۶ میل ہے بطلیموس اور اس کے ساتھیوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خطِ استوا سے خط واحد پر قطب شمالی کا ارتفاع عراق اور شام کی برّی حدود کے درمیان تدبر اور رقہ کے شہروں میں ۳۵ ڈگری اور اس کا تہائی ہے۔ اس طرح اس قطب کا ارتفاع خاص شہر میں تدبر ۳۴ ڈگری اور کسی قدر زیادہ ہوگا لیکن یہی ارتفاع شہر رقہ میں مساحت کے بعد ۶۷ میل پایا گیا چنانچہ اس طرح آسمان سے زمین تک بھی ۶۷ میل ہی رہے گا۔ لہٰذا ان کے نزدیک جو وہ ہمیں باور کرانا چاہتے ہیں اس جگہ سے آسمان ۳۶۰ ڈگری پر واقع ہوا لیکن ہم بعد زمان کی بناء پر اس میں کچھ اضافہ کر سکتے ہیں۔ ان کا اخذ کردہ یہ نتیجہ اس بنا پر ہے کہ ان کے نزدیک جیسا اوپر بیان کیا گیا برجوں کی تعداد بارہ ہے اور سورج ہر برج کو ایک ماہ میں اور جملہ برجوں کو ۳۶۰ دن میں طے کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آسمان مدیر ہے اور دو محوروں یا قطبین پر گردش کرتا ہے۔ جیسے بڑھئی کی خراد چلتی ہے اور وہ لکڑی چھیلنے کے آلات سے لکڑی کو گول گول چھیلتا ہے۔ جب وہ خط استوا پر دو ساعت کے لیے ہوتا ہے تو لیل و نہار تمام شہروں میں محسوس ہوتے ہیں یعنی انہیں دو محوروں قطب شمالی اور قطب شمالی کی نسبت سے لیکن ان بستیوں کے باشندے جو شمال کی طرف ہیں قطب شمالی اور بنات النعش کو دیکھ سکتے ہیں، تاہم نہ قطب جنوبی کو دیکھ سکتے نہ اس کے اطراف پھیلے ہوئے کواکب کو۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور ستارہ "سہیل" خراسان میں نظر نہیں آتا اور عراق میں ایک سال میں چند روز نظر آتا ہے۔ اس وقت اگر سورج کو کھلی آنکھوں سے دیکھا جائے تو بینائی جاتی رہتی ہے اور حیوانات مر بھی جاتے ہیں لیکن جنوبی شہروں میں "سہیل" تمام سال نظر آتا ہے۔ قابل غور بات بہر حال یہ ہے کہ حکماء میں بعض ان محوروں کو متحرک اور بعض ساکن سمجھتے ہیں۔

اشکال بحور

سمندروں کی اشکال کے بارے میں ہندوستان کے فلاسفۂ قدیم اور یونانی حکماء کی آراء میں اختلاف ہے۔ حکمائے یونان سے جنہیں اختلاف ہے اور وہ قدیم اہل مذاہب کی آراء سے متفق ہیں اپنے دلائل کی وضاحت ان بدیہی امور سے کرتے ہیں کہ ساحل سے جتنی دور ہوتے جائیے پہاڑ اور ان کی چوٹیاں تک نگاہوں سے اوجھل ہوتی جاتی ہیں لیکن جوں جوں ساحل سے نزدیک ہوں گے پہاڑ نظر آنے لگیں گے اور زیادہ قریب آکر اشجار اور رفتہ رفتہ زمین بھی نظر آنے لگے گی۔

بعض سمندر برفیلے ہوتے ہیں جہاں حیوانات اور پرندوں کی زندگی محال ہے۔ کچھ سمندروں سے کبریت آلود دھواں اُٹھتا رہتا ہے اور نہایت کثیف ہوتا ہے۔ ان سمندروں کی تہ میں گندھک ہوتی ہے گندھک بعض پہاڑوں سے بھی نکلتی ہے۔ کچھ پہاڑوں کی برف پوش چوٹیاں عجائبات کا دبدبہ رکھتی ہیں۔ یہاں حیوانات زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ برف پوش چوٹیاں گہرے سمندروں سے نہیں البتہ بندہی شہروں سے نظر آتی ہیں۔

زمین اور کواکب کی مساحت

زمین کے بُعد کے بارے میں لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زمین اپنے مرکز سے کرۂ ہوا اور کرۂ نار تک ایک لاکھ اٹھارہ ہزار میل کی مسافت پر ہے اور یہ کہ قمر سے زمین ۳۹ گنا بڑی ہے اور عطارد سے ۲۲ ہزار گنا زہرہ سے ۲۴ ہزار گنا بڑی ہے۔ زمین سورج کا تقریباً نواں حصہ ہے، سورج کا قطر ۴۲ (بیالیس) ہزار میل ہے، مریخ زمین کے مقابلے میں ۶۳ ہزار گنا زیادہ ہے اس کا قطر ۱۸ ہزار ۷ سو اور نصف میل ہے۔ مشتری زمین کے مقابلے میں ۸۱ ہزار ۳/۴ گنا زیادہ ہے۔ اس کا قطر ۸۳ ہزار ۷ ۱ میل ہے۔ زُحل زمین سے ۹۹ ہزار ۱/۲ گنا بڑا ہے، اس کا قطر ۸۲ ہزار ۷ سو چھیاسی میل ہے جو ستارے مشرق اوّل میں ہیں اور گردش نہیں کرتے ان کی تعداد پندرہ ہے۔ ان میں سے ہر ستارہ زمین سے ۱/۲ ۱۹ گنا بڑا ہے اور ان میں سے جو ستارہ چاند کے بعد زمین سے قریب تر ہے اس کا فاصلہ بھی زمین سے ایک لاکھ اٹھارہ ہزار میل ہے اور اس کے بعد جو ستارہ دُور تر ہے اس کا فاصلہ زمین سے ایک لاکھ چوبیس ہزار میل ہے۔ اس کے بعد عطارد کا فاصلہ زمین سے سات لاکھ ایک ہزار سات سو تراسی میل ہے۔ زہرہ کے بعد جو ستارہ زمین سے قریب تر ہے۔ اس کا فصل زمین سے ۴ لاکھ ۱۹ ہزار ۶ سو میل ہے۔ سورج کا اپنا فصل زمین سے ۴ ارب ۸ لاکھ ۲۰ ہزار اور ۱/۲ میل ہے، مریخ کا فصل زمین سے ۳ کروڑ ۸۶ لاکھ —— میل اور کسی قدر زیادہ ہے۔ زہرہ کا فصل زمین سے کم و بیش ۴۴ کروڑ ۶۶ لاکھ میل ہے اور زُحل کا فصل زمین سے کم و بیش ۷۷ کروڑ میل ہے۔ زمین سے مذکورہ بالا کواکب کا فصل بلحاظ قرب و بعد کم و بیش یہی ہے۔

ہم نے کواکب کے ان فاصلوں، قطروں اور مساحت کے پیمانوں کا جو ذکر کیا ہے وہ حکماء کے ساعات و کسوفات کے اندازوں کے مطابق ہے حکماء نے جملہ آلات و اسطرلابات اپنے انھیں اندازوں کے مطابق ایجاد کیے ہیں اور اپنی تحریر کردہ کتابوں میں تمام معلومات کی بنیاد انہیں پہ رکھی ہے۔ بہرحال زیرِ نظر کتاب میں ان علوم پہ ہماری فراہم کردہ معلومات ہماری ذاتی تحقیق کا

نتیجہ نہیں ہیں۔

صابئین نے یہ معلومات حرانئین سے اور اُنھوں نے یونانی عوام اور فلاسفۂ متقدمین سے حاصل کی ہیں۔ مؤخر الذکر نے اپنی ہیکلوں کے نقشے بھی انھیں بنیادوں پر تعمیر کیے ہیں۔ نصاریٰ نے اپنی عبادتوں کے مراتب و اوقات انہیں بنیادوں پر رکھے ہیں جن میں سب سے پہلا شخص سلط، دوسرا اغنسط، تیسرا یودنا، چوتھا شخص شماس پانچواں قسیس، چھٹا بوردط اور ساتواں حور الغینطس۔ یہ ساتواں شخص اسقف کا جانشین ہوتا ہے، آٹھواں شخص اسقف اور نواں شخص مطران اور اس کی تفسیر کا ذمہ دار ہوتا ہے اور رئیس شہر کہلاتا ہے ان سب سے بڑھ کر بحیثیت مرتبہ بطروق ہوتا ہے جو ابو الاباء سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ خواص نصاریٰ ہیں۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ امور مملکت میں مختلف مراتب پر فائز ہوتے ہیں اور نصاریٰ کے عمائدین سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے عقائد میں بعض وہی ہیں جو حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کے حواریوں سے ماخوذ ہیں جن میں بعد مرور ایام بہت سے خرافات بھی راہ پا گئے ہیں۔ ان کی کسی قدر تفصیل ہم نے اپنی دو پہلی کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں بیان کی ہے جن کا عنوان "مقالات فی اصول الدیانات" ہے۔ اس موضوع پر کچھ گفتگو ہم نے ایک اور عنوان "الابانۃ فی اصول الدیانۃ" کے تحت کی ہے۔ یہاں ان باتوں کا ذکر ربط کلام کی بنا پر آگیا ہے جس کا مقصد بین المذاہب اختلافات کو چھیڑنا نہیں کیونکہ ہم اس کتاب کو مسائل جدل و نظر سے بچا کر صرف فراہمی معلومات تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

سمندروں کی تبدیلیوں اور بڑے دریاؤں کا بیان

"المنطق" کے مصنف نے لکھا ہے کہ سمندر مرورِ ایام اور طویل زمانہ گزر جانے کے بعد اپنی جگہیں تبدیل کر لیتے ہیں، جملہ سمندر متحرک ہوتے ہیں لیکن کہیں کہیں گہرائی بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کی سطح بظاہر ساکن بھی نظر آتی ہے، زمین جہاں آج آبی ہے وہ وہاں ہمیشہ سے آبی نہیں ہے اور جہاں خشک ہے وہاں ہمیشہ سے خشک نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سمندر اور دریا رُخ بدلتے رہتے ہیں، جہاں آج صحرا ہیں وہاں کبھی سمندر یا دریا تھے اور جہاں آج سمندر یا دریا ہیں وہاں کبھی ریگستان اور صحرا تھے، مطلب یہ کہ زمین کی خشک و تر جگہوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اسی لحاظ سے زمین کی آبادیاں، حیوانات، چرند و پرند بھی مقامات یا قیام کی جگہیں بدلتے رہتے ہیں جس طرح حیوانات اور نباتات پھلتے پھولتے، خشک ہوتے، مرتے اور ختم ہوتے رہتے ہیں لیکن زمین پر یہ تبدیلیاں شمسی ادوار کی بنا پر ہوتی ہیں۔ انسان بھی میٹھے پانی کے دریاؤں کی تبدیلیوں کے ساتھ آبادیاں بدلتے رہتے ہیں لیکن یہ بات بحر اوقیانوس جیسے سمندروں کے علاوہ ہے جن کے ساحلی علاقے مدت مدید تک آبادیوں کے لحاظ سے ایک ہی رُخ پر رہتے ہیں۔

حکماء کے ایک گروہ کے نزدیک سمندر زمین میں اس طرح ہیں جیسے بدن میں رگیں ہوتی ہیں۔ دوسرے گروہ کے خیال میں پانی اپنی سطح خود بناتا رہتا ہے جہاں دریائی یا سمندری مقامات پر پانی غائب ہو کر زمین اُبھر آتی ہے اس کی وجہ ارضی اعماق میں انقلابات، بخارات و عفونات کی پیدائش ہے۔ اسی طرح یہ انقلابات چشموں، دریاؤں اور سمندروں کی پیدائش کا باعث بنے ہیں اور بنتے رہتے ہیں۔ ہم نے یہاں ان کی تفصیلات میں جانے سے بخوفِ طوالت احتراز کیا ہے، ویسے بھی ہم یہ جملہ تفصیلات اپنی پچھلی دو کتابوں میں درج کر چکے ہیں۔ بہرحال یہاں کچھ بڑے دریاؤں کے اجرا ان کے سمٹنے سکڑنے اور بڑھنے وغیرہ کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ ان دریاؤں میں دریائے نیل، فرات، دجلہ دریائے بلخ

یعنی جیحون، دریائے سندھ اور ہندوستان کا ایک دوسرا بڑا دریا گنگا وغیرہ شامل ہیں جن کے اجرا، مخارج و منابع، مقدار آب اور موسموں کے لحاظ سے ان کے گھٹنے بڑھنے کا ذکر اکثر لوگوں کی زبان پر رہتا ہے۔

دریائے نیل

میں نے کتاب "جغرافیہ" میں دیکھا ہے کہ دریائے نیل کا ابتدائی اجرا بارہ چشموں کے اختلاط سے ہوا ہے۔ یہ دریا آگے بڑھ کر سنگلاخ علاقوں سے گزرتا ہوا سوڈان میں پہنچ کر اپنی پوری وسعت میں بہنے لگا جو بلاد افریقہ میں ہے اور اس کے قرب وجوار میں اب زیادہ تر مسلمان آباد ہیں مگر ان کی مقامی زبان افریقی ہے۔ یہاں مسلمانوں کا غلبہ اسی طرح ہوا جس طرح بحر روم میں ہوا اور یہ دولت امویہ و خلافت عباسیہ کے ادوار کا ذکر ہے۔ دریائے نیل کا پانی بعض جگہ صاف ، سادہ اور میٹھا ہے لیکن بعض جگہوں پر مکدر اور بدذائقہ ہو جاتا ہے۔ یہ جہاں عمانی علاقوں سے گزرتا ہے اور پھر بحیرۂ عمان میں جا گرتا ہے وہاں کے لوگ اسے عبور کرنے کے لیے اکثر کشتیاں استعمال کرتے ہیں، مصر میں بھی یہی دستور ہے۔

عمرو بن بحر الجاحظ کا یہ بیان کہ دریائے سندھ جو وادی مہران کو سیراب کرتا ہے نیل سے نکلا ہے میں نہیں سمجھ سکا کہ کس استدلال پر مبنی ہے۔ بظاہر اسے شاید یہ معلوم نہیں کہ دریائے سندھ وادیٔ مہران کے بالائی علاقوں سے بہتا ہوا ملتان تک پہنچتا ہے اور اس کا مخرج کشمیر کا بالائی پہاڑی علاقہ ہے۔ وادیٔ مہران کو مہران الذہب بھی کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی سرسبزی و شادابی ہے۔ الجاحظ نے اپنا مذکورہ بالا بیان غالباً وراقین کی تحریر کردہ کتابوں سے لیا ہے۔ ملتان میں جس کا ذکر ہم نے ابھی کیا قریش کا ایک شخص جو سامہ بن لوی بن غالب کی اولاد سے ہے حکمران ہے۔ اس کی حکومت خراسان کی سرحدوں تک چلی گئی ہے۔ اسی طرح منصورہ میں بھی قریش ہی کا ایک شخص جو ہبّار بن اسود کی اولاد سے ہے حکومت کرتا ہے۔ ان اطراف میں مسلمانوں کی حکومت اوائل اسلام سے چلی آتی ہے۔ بہرحال دریائے سندھ ملتان سے آگے بڑھتا ہوا منصورہ کی طرف بہتا ہے اور دیبل کے قریب بحر ہند میں جا گرتا ہے۔ یہ دریا جب ملتان سے پہلے وادی مہران کے بالائی علاقوں میں بہتا ہے تو اس میں چھوٹے چھوٹے دریا شاخ در شاخ شامل ہوتے جاتے ہیں۔

اب ہم پھر دریائے نیل کے ذکر کی طرف آتے ہیں۔ حکمائے قدیم کے بیانات کی رُو سے کہ یہ دریا پہلے سطح ارض پر نو سو فرسخ بہتا تھا یا کچھ دوسروں کے بقول یہ راستہ ہزار فرسخ تھا جو دریا آباد و غیر آباد علاقوں میں بہہ کر طے کرتا تھا۔ حتیٰ کہ مصر کی سطح مرتفع آجاتی تھی جہاں فسطاط تک کے لیے کشتیاں مل جاتی تھیں لیکن اس کے بعد یہ دریا اعوان کے قریب اونچے نیچے پتھریلے ٹیلوں یا چٹانوں کے

درمیان سے بہتا ہوا گزرتا تھا۔ یہاں کشتی رانی کی گنجائش نہ تھی اور یہی جگہ افریقی اور مسلم علاقوں کے درمیان بلحاظ کشتی رانی حد فاصل ہے۔ "جغرافیہ" میں یہ جگہ "جنادل وصخور" کے نام سے موسوم کی گئی ہے۔ یہاں سے نیل فسطاط کے قریب آتا ہے اور "الصعید" سے گزرتا ہوا "بلاد فیوم" کے پہاڑی علاقوں "جبل طیلمون" اور "حجر لاہون" میں داخل ہوتا ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں خدا کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام نے توطن اختیار کیا تھا۔ یہ جگہ "الجزیرہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ان مقامات کا ذکر ہم اسی کتاب میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر اور فسطاط و فیوم کے حالات و کوائف کے ضمن میں کریں گے۔ یہاں سے دریائے نیل ٹیوس، دمیاط، رشید یہ اور اسکندریہ کی طرف بہتا ہوا خلیجوں میں تقسیم ہوکر بحیرہ روم میں جا گرتا ہے اور بحیرات یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ یہ کتاب "جغرافیہ" کے بیانات ہیں لیکن اس سال یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں جو ہم نے دیکھا تو دریائے نیل اسکندریہ سے بہت دور بہہ رہا تھا اور اس کا رُخ اس طرف نہیں تھا۔ میں اس وقت انطاکیہ اور ثغور شام کی بابت گفتگو کر رہا ہوں، یہاں یہ دریا اسکندریہ سے اٹھارہ ذراع کے فاصلے پر ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ یہ دریا یہاں سے خلیج اسکندریہ میں کس طرف سے بہتا ہوا گزرتا ہے اور گرتا بھی ہے یا نہیں۔ ویسے کہا جاتا ہے کہ اسکندریہ کی بنیاد سکندر بن فیلقوس مقدونی نے نیل کی اسی خلیج پر ڈالی تھی۔ اس وقت دریائے نیل بلاد اسکندریہ اور مربوط نیز برقہ کے قریب ہوکر بھرپور انداز میں بہتا تھا اور یہ علاقے اسی دریا سے سیراب ہوتے تھے مربوط یہاں کا آبادترین علاقہ تھا اور اسکندریہ میں کشتی رانی کے لیے اس سے نہریں کاٹ کر لائی گئی تھیں یہ نہریں اسکندریہ کے بازاروں کے بیچ سے گزرتی تھیں۔ اسکندریہ کی عمارتوں میں جو سنگ رخام اور مرمر استعمال ہوئے ہیں وہ ارض نیل ہی سے نکالے گئے ہیں۔ مصر اور افریقہ کے دوسرے ممالک کے درمیان جو حدود فاصل قائم ہوگئی ہیں وہ دریائے نیل کے خلیجوں میں تقسیم ہوجانے اور بحیرات کی تخلیق کی بناء پر قائم ہوئی ہیں۔ اس کا تفصیلی تذکرہ یہاں ہم نے بخوف طوالت کلام چھوڑ دیا ہے۔

جیحون

دریائے بلخ جسے عموماً جیحون کہا جاتا ہے وہ بھی دریائے سندھ کی طرح پہاڑی چشموں سے نکلا ہے اور وہاں سے پہلے بلاد ترمذ اور اسفرائین وغیرہ کی طرف آیا ہے پھر خوارزم اور پھر بلاد خراسان کی طرف بڑھا ہے لیکن خوارزم تک پہنچتے پہنچتے کئی شاخوں میں بٹ گیا ہے۔ اس کی ایک شاخ اس بستی کی طرف آتی ہے جسے جرجانیہ کہا جاتا ہے جو خوارزم کے نشیبی علاقے میں واقع ہے، یہاں اس کا پاٹ بہت چوڑا ہے، اس کے دونوں کناروں پر بڑی بڑی بستیاں ہیں جن میں آمد و رفت کے لیے کشتیاں استعمال ہوتی ہیں یہاں دریائے جیحون میں دریائے فرغانہ کے علاوہ دریائے شاش بھی آملتا ہے۔

اور پھر یہ دریا فاراب کی جانب بڑھتا ہے، یہاں بھی اس میں کشتیاں چلتی ہیں اور ترکستان کا وہ آباد ترین شہر واقع ہے جسے آج کل "شہر جدید" کہا جاتا ہے جہاں مسلمان آباد ہیں۔ ان میں غز کے ترکوں کی اکثریت ہے جو پہلے مختلف وادیوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان ترکوں کی تین قسمیں ہیں، یہ قسمیں طبقاتی لحاظ سے اسفل، اوسط اور اعلیٰ کہلاتی ہیں۔ ان کا ذکر ہم زیر نظر کتاب میں اجتماعی اور انفرادی طور پر کریں گے۔

بہرحال اس "شہر جدید" سے بلخ اور رباط تک، قریباً پندرہ روز سفر کرنا پڑتا ہے۔ ان شہروں کو مقامی لوگ اخشبان بھی کہتے ہیں جو شاید اس فاصلے کی بنیاد پر ہے۔ یہاں کے لوگ غیر مسلم ہیں اور اوخان ذ تبتی کہلاتے ہیں۔ اس علاقے کے داہنی جانب جو لوگ آباد ہیں انھیں "ایفان" کہا جاتا ہے۔ یہیں سے ایک بڑا دریا بھی نکلتا ہے اور وہ بھی اسی نام سے منسوب ہے۔ یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ دریائے جیحوں کا اجرا یہیں سے ہوا اور یہ ترکستان کا دریا یہاں سے ۱۵۰ فرسخ اور بعض لوگوں کے خیال میں چار سو فرسخ طے کر کے وہاں پہنچا ہے جہاں یہ جیحوں کہلانے لگا لیکن اپنے بالائی علاقوں میں یہ دریائے ایفان" ہی کہلاتا ہے۔ کچھ کتابوں کے مصنف جو یہ کہتے ہیں کہ دریائے جیحوں دریائے سندھ میں جا ملا ہے وہ غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ انہوں نے ان دریاؤں کا ذکر نہیں کیا جہاں علاقہ غور کے لوگ آباد ہیں۔ درحقیقت دریائے جیحوں کی گزرگاہ وہ علاقہ ہے جو علاقہ غور کے اس پار ہے۔ ان مصنفین نے غور کے جن دو دریاؤں کا ذکر نہیں کیا اور میدانی علاقوں میں ان کی طوالت بھی بیان نہیں کی ہم ان کا ذکر حسب موقع کریں گے۔

گنگا ہندوستان کے اس مشہور دریا کا مبدا ارض ہند کا وہ پہاڑی علاقہ ہے جس کی سرحدیں چین سے ملتی ہیں۔ چینی ترکستان کا یہاں سے قریب ترین جو شہر ہے وہ طغرغز کہلاتا ہے دریائے گنگا کا فاصلہ ہندوستان کے اس پہاڑی علاقے سے بحر ہند کے اس ساحل تک جو بحر اسود سے ملا ہوا ہے چار سو فرسخ ہے۔

فرات اس دریا کا مبدا قالیقلا کا وہ علاقہ ہے جو آرمینیا کے سرحدی پہاڑوں میں واقع ہے اس علاقے کو آج کل "افردحس" کہتے ہیں۔ یہ دریا بلادِ روم سے بلادِ ملطیہ تک زمین پر سو فرسخ بہتا ہے۔ ہمارے کچھ مسلمان بھائیوں نے جو نصرانیوں کی قید میں تھے ہم سے بیان کیا کہ دریائے فرات کے اس حصے سے جو بحیرہ روم اور بحیرہ ماذرمون کے درمیان ہے بہت سی نہریں نکالی گئی ہیں اور یہ کہ ارض روم میں اس سے بڑا کوئی دوسرا دریا نہیں ہے اور یہی دریا شہروں کے نزدیک سے گزرتا ہے اور اس کے طول و عرض میں کشتیاں چلتی ہیں۔ یہاں سے یہ دریا سنج

کے پل تک اور وہاں سے سمیساط وطین کے قلعوں تک جاتا ہے، پھر وہاں سے بالس تک پہنچ کر صفین سے گزرتا ہے جہاں کبھی اہل عراق و اہل شام کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ پھر فرات وہاں سے رقہ رحبہ، ہیت اور انبار کی طرف بہتا ہے جہاں اس سے "نہر عیسیٰ" وغیرہ نکالی گئی ہیں، وہاں سے یہ دریا مدینۃ السلام کی طرف بڑھ کر دریائے دجلہ کے قریب جا پہنچتا ہے، وہاں سے بلاد سوری قصر ابن ہبیرہ، الکوفہ، جامعین، احمد آباد، فرس، طفوف وغیرہ سے گزرتا ہوا بطیحہ تک جاتا ہے جو بصرہ اور واسط کے درمیان واقع ہے۔ یہاں تک زمین پر اس کا بہاؤ پانچ سو فرسخ یا کچھ زیادہ ہے۔ کہتے ہیں کہ فرات بلاد حیرہ تک گیا ہے اور وہاں اس سے جو نہر نکالی گئی وہ "نہر عتیق" کہلاتی ہے۔ یہیں ایرانی سردار رستم کی افواج سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تھی جو تاریخ میں جنگ قادسیہ کے نام سے مشہور ہے۔ دریائے فرات یہاں سے بحر حبش کی طرف بڑھتا ہے اور اسی میں جا گرتا ہے۔ یہ بحیرہ کسی زمانے میں اس مقام پر تھا جہاں اب شہر نجف آباد ہے۔ اس بحری راستے سے اہل حیرہ کے ساتھ اہل ہند اور اہل چین کی تجارت کچھ بہت پرانی بات نہیں ہے۔ جو کچھ ہم بیان کر رہے ہیں وہی عبدالمسیح بن عمرو بن بقیلہ غسانی نے بھی کہا ہے۔ جب ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد ابن ولید اسی جگہ خطبہ دے رہے تھے تو تغیر زمانی و مکانی کی بابت ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا "میں یہ بتا رہا ہوں کہ تغیر زمانی و مکانی سے سمندر خشکیوں میں اور خشکیاں سمندروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، میری نظر ان کشتیوں پر ہے جو کبھی چین سے یہاں تک آتی تھیں۔" جن لوگوں نے نجف اشرف کی زیارت کی ہے وہ قدیم راویوں سے سلسلہ بسلسلہ اس واقعہ کی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں، یہ اور بات ہے کہ اب حیرہ سے سمندر تک اور فرات کی اس گزرگاہ سے دجلہ تک جو بری راستے جاتے ہیں وہ بہت طویل ہیں جب بری علاقوں میں سمندر ابھرتے ہیں تو وہاں کی بستیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں لیکن جہاں سمندروں میں زمینیں اور جزیرے ابھرتے ہیں وہاں پھر از سر نو بستیاں بس جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں بلاد سوس، بغداد کے مشرقی جانب کی بستی برقتہ الشماسیہ، اس کے مغرب میں قطربل، مدینۃ السلام، بشری اور عین کی آبادیاں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں لیکن یہ تغیر و تبدل اور بستیوں کا انہدام اور ان کی تعمیرات کا انحصار میلوں تک پانی کے بڑھنے اور سمٹنے پر ہے جسے سمجھنے کے لیے کسی عمیق فکر کی ضرورت نہیں ہے۔

دریائے دجلہ اگر آپ دجلہ کے مبدا، اس کے منابع و مخارج اور اس کی گزرگاہوں کے

بارے میں معلومات چاہتے ہیں تو وہ یہ ہیں۔

دجلہ دیارِ بکر کے بلاد آمد سے نکلتا ہے۔ یہاں وہ چشمے ہیں جو آرمینیا کے چشموں سے ملحق ہیں جہاں دو دریا سریط اور ساتید بلاد ارزن اور میافارقین سے بہتے ہوئے آتے ہیں، ان کے علاوہ دوسرے چھوٹے چھوٹے دریا مثلاً نہر دوشا اور خابور بھی آرمینیا سے آکر باسورین اور قبر سابور کے درمیان جو لبقردی، باہوا اور بازبدی کے شہر ہیں اور بلادِ موصل سے قریب تر ہیں، دریائے دجلہ میں آملتے ہیں۔

جس خابور کا اوپر ذکر کیا گیا یہ وہ خابور نہیں ہے جو شہر راس العین کے چشموں سے نکل کر قرقیسا کے نشیبی علاقے میں دریائے فرات میں آملتا ہے۔ دجلہ یہاں سے بلادِ موصل میں داخل ہوتا ہے جہاں نہر زاب (ندی) جو "نہر موصل" کے بعد سب سے بڑی نہر (ندی) ہے، آرمینیا سے آکر دریائے دجلہ میں مل جاتی ہے۔ یہ نہر (ندی) شہر موصل کے بالائی علاقے میں ہے، اس کے علاوہ ایک دوسری نہر (ندی) بھی جو بلادِ آرمینیا اور آذربائیجان کے قریبی شہر السن سے آتی ہے دجلہ میں شریک ہو جاتی ہے یہاں سے دجلہ تکریت کے شہر اور مدینۃ السلام کی طرف بڑھتا ہے۔ یہاں اس میں خندق ندی، صرات ندی اور عیسیٰ ندی شریک ہو جاتی ہیں۔ یہ ندیاں دریائے فرات کی شاخیں ہیں جو اس دریا سے الگ ہو کر دریائے دجلہ میں آملتی ہیں۔ جب دجلہ مدینۃ السلام سے آگے بڑھتا ہے تو اس میں اور بہت سی ندیاں آملتی ہیں۔ مثلاً مشہور ندیاں بدالی اور تبین و دوان جو بلادِ جرجرایا، سیب اور نعمانیہ کے قریب ہو کر بہتی ہیں جب دریائے دجلہ شہر واسط سے آگے بڑھتا ہے تو مختلف حصوں میں بٹ کر بطیحۃ البصرہ تک جاتا ہے۔ جب چھوٹے دریاؤں میں دریائے دجلہ تقسیم ہوتا ہے وہ بردودالیہودی، مسامی اور مصعب ہیں جو قطر تک جاتے ہیں لیکن ان میں بھی بصرہ و بغداد اور واسط کے لیے کشتیاں چلتی ہیں۔ دریائے دجلہ کی میدانی علاقوں میں بہنے کی مسافت ۳۰۰ فرسخ ہے لیکن کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ۴۰۰ فرسخ ہے۔ ہم نے اس کی تفصیل میں جانے سے یہاں اس لیے گریز کیا ہے کہ ہم نے یہاں جن چھوٹے دریاؤں کے نام بتائے یا جن کے نام نہیں بھی بتائے ان سب کا مفصل ذکر اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کر دیا ہے، تاہم یہاں یہ وضاحت کیے دیتے ہیں کہ بصرے کی متعدد نہریں ہیں جیسے نہر سیرین، نہر الرس، اور نہر ابن عمر وغیرہ۔ ویسے ان کا ذکر آپ کو بحر فارس کے تحت بھی ملے گا۔ کیونکہ خلیج فارس کا سلسلہ بحر بصرہ تک جاتا ہے اور اس کے ساحلی علاقوں میں جرارہ اور ابلہ وغیرہ کے مشہور دیہات پڑتے ہیں اور یہاں سمندر کے کناروں سے نمک وغیرہ اکٹھا کیا جاتا ہے۔ ان علاقوں سے بصرہ تک کچھ لوگ سمندر کے بیچ میں کشتیوں پہ

رات بھر آگ جلائے رکھتے ہیں تاکہ کشتیاں ایک دوسرے سے ٹکرا نہ جائیں۔ یہ عجیب و غریب علاقے ہیں جن کا ذکر ہماری مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں تفصیل سے ملے گا۔

بحر حبشی اور خلجانہ تک اس کی وسعت

وہ درحقیقت بحر ہند ہے جسے آج کل اکثر لوگ بحر حبشی کہتے ہیں وہ حبشہ سے لے کر ہندوستان اور چین تک پھیلا ہوا ہے کہا جاتا ہے کہ مغرب سے مشرق تک اس کا طول ۸ ہزار میل اور عرض دو ہزار ۷ سو میل ہے۔ یہ عرض جگہ جگہ بڑھتا اور گھٹتا ہے۔ ہم نے اس کا یہ طول و عرض اکثر لوگوں کی زبانی سُن کر بیان کیا ہے لیکن ہم نے کسی دلیل کے بغیر اس سلسلے میں کوئی قطعی بات کہنی مناسب نہیں سمجھی کیونکہ بحری علوم کے ماہرین کی رائے ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ اس کے ساحلی علاقوں میں کوئی بڑی بستی بھی نہیں ہے البتہ اس کے قرب و جوار میں ایک خلیج ہے جو ارض حبشہ سے متصل ہے اور نواح زنج و حبشہ سے بربر تک چلی جاتی ہے، اسی لیے اسے خلیج بربر بھی کہا جاتا ہے۔ اس خلیج کا طول ۵ سو میل اور عرض ۱۰۰ میل بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وہ خلیج نہیں ہے جس کی بنا پہ کچھ افریقی اور بربری لوگ بربر کہلاتے ہیں کیونکہ یہ آخری جگہ ہے جسے بربر کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ عمانی ملّاح اس خلیج کو بحر زنج سے قنبلو تک کشتیوں کے ذریعہ عبور کرتے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے درمیان جہاں حبشی کفار رہتے ہیں کچھ بستیاں مسلمانوں کی بھی ہیں اسی لیے مذکورہ بالا عمانی ملّاح اس خلیج کو خلیج بربر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس خلیج کا طول و عرض وہی بتاتے ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیا۔ اس خلیج کی موجیں پہاڑوں کی طرح اُٹھتی ہیں لیکن دوسرے سمندروں کی طرح اُٹھ کر بیٹھتی نہیں، اسی لیے ان موجوں کو عمانی ملاح "امواج مجنوں" کہتے اور یہ شعر گنگناتے رہتے ہیں ؎

"اے بربری و جفونی تیری موجیں مجنوں ہیں
جیسا تم دیکھتے ہو بربری و جفونی، وجیں مجنوں ہی ہیں"

یہ خلیج جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا بحر زنج سے قنبلو تک وسیع ہے بلکہ بلاد سفالہ و واق تک پھیلی ہوئی ہیں۔ واق چونکہ بحر زنج میں شامل ہے، اس لیے بحر زنج کا ذکر کیا گیا۔ اس بحر کو پہلے سرافیوں نے بلاد عُمان کے شہر سنجار سے کشتیوں میں عبور کیا تھا۔ سرانی کشتیاں چلانے والے ملاح تھے انہیں

یں محمد بن یریدوم سرانی اور جوہر بن احمد بھی تھے۔ آخر الذکر ابن ہبیرہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شخص اپنی کشتی میں آخری بار اس بحر کو ۳۰۰ھ ہجری میں عبور کرتے ہوئے کشتی سمیت اپنا تمام مال اسباب گنوا بیٹھا تھا جب وہ عمان سے قنبلو جارہا تھا اس طرح اپنی کشتی میں میکان سے جو سیراف کے قریب ہے احمد اور عبدالرحیم بن جعفر سیرانی کا بھائی عبدالصمد بھی غرق ہو گئے تھے اور ان کی کشتیوں میں جو مال و اسباب تھا وہ بھی ڈوب گیا تھا۔ اس سمندر میں اب تک جو آخری کشتی غرق ہوئی وہ امیر عمان احمد بن ہلال بن اخت قبنتال کی تھی۔ یہاں بھی لوگ ویسے ابھی تک چین، روم، خزر، قلزم اور یمن کے سمندروں کی طرح اکثر و بیشتر کشتیوں میں آتے جاتے ہیں۔ ہم نے یہ سب حال لوگوں کی زبانی سن کر بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں اس سمندر میں مشہور مچھلی بافال (آوال) پائی جاتی ہے جس کا طول بلحاظ عمر ۴۰۰ ذراع ۵۰۰ ذراع تک ہوتا ہے۔ ذراع کا یہ پیمانہ اس سمندر کی ذراعی پیمائش کے اعتبار پر مبنی ہے۔ ویسے اس مچھلی کا طول عموماً سو ذراع ہوتا ہے۔ اس کے پیٹ سے آلائش کے علاوہ کچھ ایسی اشیاء بھی برآمد ہوتی ہیں جن سے خوشبوؤں کے علاوہ اکثر مفید ترین ادویات بھی تیار کی جاتی ہیں اور خود اس مچھلی کا تیل بھی بہت سی چیزوں میں کام آتا ہے۔

تمساح یہ بھی ایک مچھلی کا نام ہے جو نیل اور جزائر کے ساحلی علاقوں میں ملتی ہے۔ یہ ان کیڑوں پہ گزر بسر کرتی ہے جو دریا کے کناروں میں رہتے ہیں، اس لیے جو شخص یہ مچھلی کھاتا ہے اس کے پیٹ میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ اس مچھلی میں غلاظت کے خارج ہونے کی جگہ نہیں ہوتی۔ یہ جو کھاتی ہے وہ کیڑوں کی شکل میں اس کے پیٹ میں جمع ہوتا رہتا ہے وہ اسے یا تو واپس منہ سے اُگلتی ہے یا جمع ہوتے ہوتے اتنا وزنی ہو جاتا ہے کہ اس سے اس کا پیٹ پھٹ جاتا ہے، اس وقت وہ دریا کی تہ کی طرف لپکتی ہے اور وہیں مر جاتی ہے۔

بحر زنج میں مختلف قسم کی مچھلیاں شتی اور لولا کی ہم شکل پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ انہیں پہچانتے ہیں وہ لوگ انھیں کھاتے ہیں اور جو نہیں پہچانتے وہ ان کے کھانے سے قطعاً پرہیز کرتے ہیں۔ بہر حال اس کے علاوہ ان سمندروں میں پائے جانے والے حیوانات، جمادات اور دیگر جاندار اشیاء کا نیز ان کے آبی عجائبات کا ہمیں علم نہیں ہے۔

بحر حبشی اب ہم بحر حبشی یا بحر ہند کا ذکر کرتے ہیں جس کا نام ہم نے ان سطور کی ابتداء میں لیا ہے۔ یہاں ہم اس کے آبی ذخائر کا بھی ذکر کریں گے اور ان کا بھی جو بحر خلیانہ میں پائے جاتے ہیں نیز یہ کہ یہ سمندر خشکی میں کہاں تک جاتے ہیں اور ان میں خشکیاں کہاں

کہاں ملتی ہیں۔ اس میں دراصل ایک خلیج ہے جو اس سے نکل کر مقبوضات مصر کے شہر قلزم تک جاتی ہے یہاں سے فسطاط مصر تک تین دن کا پیدل راستہ ہے۔ اس کے کناروں پر ایلہ، حجاز، جدہ اور یمن کے شہر آباد ہیں۔ ویسے اس خلیج کا طول چودہ سو میل اور عرض تین سو میل ہے لیکن یہ عرض مذکورہ بالا شہروں کے قریب ہے جو کہیں کہیں وسط میں ۲ سو میل بھی ہو جاتا ہے۔ یہ بات ارض حجاز اور ارض ایلہ کی بابت کہی جا سکتی ہے۔ اس کا آخری ساحل ایلہ کا غربی علاقہ ہے اور ارض مصر کے علاقی، عیذاب وغیرہ علاقے بھی اور ارض بُجَہ بھی اسی میں شامل ہیں۔ اس کے بعد اصل اقصائے ارض حبشہ اور سوڈان وغیرہ آتے ہیں جو ارض زنج اور اس کے نشیبی علاقے ہیں۔ یہاں سے آگے اس سمندر کی آخری خلیج ہے جو بحر فارس میں جا ملتی ہے اور وہاں سے بلاد الابلہ، خشبات اور ارض بصرہ کے علاقہ عبادان تک جاتی ہے۔ اس خلیج کا فی الاصل عرض ۵۰۰ میل ہے اور طول ۱۴ سو میل ہے لیکن یہاں جہاں دونوں طرف زمینی علاقے آ جاتے ہیں وہاں اس کا عرض کچھ کم ہو جاتا ہے۔ یہ خلیج بلاد الابلہ تک مثلث شکل کی ہے اس کے سواحل پر وہ علاقے جو بحر فارس کے مشرق میں ہیں وہ دُورق الفرس، ماہربان، شہرستان وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد بلادِ سیراف کا شہر نجیرم، پھر بلاد ابن عمارہ، پھر ساحل کرمان آتا ہے جو بلاد ہرمز میں ہے۔ ہرمز بلاد عمان کے شہر سنجار کے سامنے ہے۔ ساحل کرمان سے بحر فارس کا ساحلی علاقہ بلادِ مکران سے جا ملتا ہے جو شُرات کے خوارج کی سرزمین کہلاتی ہے۔ یہ سارا علاقہ کھجوروں کے درختوں کا علاقہ یا نخلستان ہے۔ مکران سے آگے دریائے مہران کا دہانہ ہے اور دیبل کا مشہور شہر بھی وہیں ہے۔

ہم نے اب تک بحر چین، بحر ہند، بحر فارس، دعُمان اور بصرہ، بحرین، یمن، حبشہ، حجاز، قلزم اور زنج کے سمندروں اور ان کے جزیروں نیز دریائے سندھ کا ذکر کیا ہے۔ دنیا کے ان علاقوں میں لاتعداد لوگ بستے ہیں لیکن ہمیں ان کے اوصاف اور صحیح تعداد کا علم نہیں ہے بجز اس کے کہ خدائے واحد نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ان کے علیحدہ علیحدہ علاقے ہیں جن کے نام الگ الگ ہیں اور جن سے ان کی پہچان ہوتی ہے۔ جن سمندروں اور زمینی علاقوں کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سے سچے موتی، عقیق، بادزہج جو بجادی کی ایک قسم ہے اور قسم قسم کے یاقوت، الماس وغیرہ نکلتے ہیں، وہاں سونے اور چاندی کی کانیں بھی ہیں جیسے بلاد کلہ و سریرہ میں اور وہاں لوہے وغیرہ کی کانیں بھی ہیں جیسے بلادِ کرمان میں اور ارض عُمان کے علاقہ نحاس میں۔ اس کے علاوہ روئے زمین کے کچھ علاقوں میں دواؤں کے لیے جڑی بوٹیاں جیسے عقاقیر، ساج خشب جسے دارچینی بھی کہتے ہیں، اور قنا

خیزران وغیرہ بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان سمندروں اور دیگر بری علاقوں کی آب وہوا بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ بعض سمندر انتہائی گرم ہیں اور بعض جگہ ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں، بعض سے بخارات خارج ہوتے ہیں اور بعض برف کی طرح منجمد ہیں۔ یہ تمام سمندر ان کے علاوہ ہیں جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان کی جملہ کیفیات خدائے عزوجل کے سوا ابھی کون بتا سکتا ہے؟ تاہم ان کے معلوم کوائف کا ذکر ہم آگے چل کر انشاء اللہ تعالیٰ متعلقہ مواقع پر کریں گے۔

مدّ وجزر کے بارے میں اختلاف آراء

سمندروں کے طول وعرض میں علی الترتیب بڑھنے اور سمٹنے کو مد وجزر کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سمندروں کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کے سمندر وہ ہیں جن میں صرف مد ہی ہوتا ہے، دوسری قسم کے سمندروں میں صرف جزر ہوتا ہے اور تیسری قسم کے سمندر وہ ہیں جن میں نہ مد ہوتا ہے نہ جزر۔

جن سمندروں میں مدّ وجزر نہیں ہوتا اس کی تین وجوہ ہیں۔ پہلی تو یہ کہ چشموں اور دریاؤں سے مدت مدید تک ان میں پانی آکر جمع ہوتا رہتا ہے اور پھر غلیظ ہو جاتا ہے اور نمک زیادہ ہو جاتا ہے دوسری وجہ ان میں بارشوں کی کمی اور پراگندگی میں اضافہ نیز نباتات کی کثرت جس سے ان کا پانی بحیروں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ آخری اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ چاند کے مدار سے ان کا فصل زیادہ ہوتا ہے نیز ان کی تہوں میں تغیرات خلل انداز ہوتے رہتے ہیں جن سے وہ سمٹ کر رہ جاتے ہیں اور وہاں بارشیں بھی کم ہوتی ہیں۔ یہ بات سواحلی علاقوں اور جزائر میں زیادہ ہوتی ہے۔

کچھ لوگ مدّ وجزر کو شمسی اثرات کا نتیجہ بتاتے ہیں لیکن ان کی تردید کرنے والوں - - - - - - - - - - کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو مدّ وجزر طلوع وغروب آفتاب سے منسلک ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جو لوگ شمسی اثرات پیش کرتے ہیں وہ بحر فارس کی مثال دیتے ہیں جہاں پانی صبح کو پھیلتا اور شام کو سمٹتا ہے اور سرافین اسی نسبت سے کشتی رانی کرتے ہیں۔

بحرِ رُوم، اس کے طول وعرض اور ابتدا و انتہا کا بیان

بحر روم کے سواحل پر طرطوس، اُدنہ، مصیصہ، انطاکیہ، لاذقیہ، طرابلس، صیدا اور صور

وغیرہ واقع ہیں اور انھیں میں سواحل شام و مصر اور اسکندریہ شامل ہیں ۔ اصحاب زیجات کے بعض مصنفین نے جن میں محمد بن جابر لبنانی وغیرہ بھی ہیں اپنی کتابوں میں بحر روم کا طول ۵ ہزار میل اور اس کا عرض مختلف جگہوں میں مختلف بیان کیا ہے ، مثلاً کسی جگہ ۸ میل ، کسی جگہ ۷ میل اور کسی جگہ ۶ میل لیکن اس کا انحصار ان جزیرہ نما زمینوں پر ہے جو سمندر اور اس کے سواحل کے درمیان آگئی ہیں ۔ بحر روم کا مخرج ابتدائی لحاظ سے بحر اوقیانوس ہے جو منقسم ہو کر بلاد غرب میں ساحل افیق اور ساحل اندلس تک بڑھ جاتا ہے ۔ بلاد غرب کے ان سواحل میں ساحل اندلس کے مابین ساحل طنجہ اور سبتہ بھی ہے جو بسیطاء کے نام سے مشہور ہے ۔ ان ساحلوں کے درمیان بحر روم کا عرض صرف ۱۰ میل رہ جاتا ہے ۔ یہی وہ مقامات ہیں جہاں سے بلاد غرب سے اندلس کے لیے اور اندلس سے بلاد غرب کے لیے بحر روم کو عبور کیا جاتا ہے ۔ اس سمندری ٹکڑے کو زقاق کہتے ہیں ۔ زیر نظر کتاب میں ہم نے جہاں مصر القنطرہ کا ذکر کیا ہے وہ انہیں دو ساحلوں کے درمیان ہے اور جزیرۂ قبرص اور سرزمین عریش انہیں کے قریب ہے اور کشتیوں کے ذریعہ جو ان مقامات پر جانا چاہے اسے بحر روم اور بحر اوقیانوس کا درمیانی علاقہ عبور کرنا ہوگا ۔ انہیں مقامات پر ہرقل الجبار نے منارۂ نحاس اور حجارہ تعمیر کیے تھے جن پر ہاتھ سے نقش و نگار بنائے گئے ہیں لیکن بحر روم میں اس جگہ اب کوئی انسان یا عمارت نہیں پائی جاتی اور اس کی ابتدا یا حدود کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ سمندر کے اس حصے کو بحر ظلمات اور بحر اخضر کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے ۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذکورہ بالا مینار زقاق کے علاوہ کہیں اور واقع ہیں ۔

کچھ لوگ انہیں دو سمندروں یعنی بحر اوقیانوس اور بحر روم کو جملہ سمندروں کے پانیوں کا مجمع کہتے ہیں اور ان کے متعلق عجیب و غریب حکایات بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب اخبار الزمان میں لکھا ہے کچھ لوگ ان سمندروں کو عبور کر سکے اور بعض اپنی جانیں گنوا بیٹھے ۔ کہا جاتا ہے کہ اندلس کا ایک شخص خشخاش نامی جس نے قرطبہ کی آبادی کا ابتدائی زمانہ دیکھا ہے کشتی لے کر اس سمندر میں گیا ، مدتوں غائب رہا اور نہ جانے کس طرح وہاں سے بہت کچھ نکال لایا ۔ یہ واقعہ اہل اندلس اکثر بیان کرتے ہیں ۔ جیسا کہ پہلے بحر روم کا مخرج بحر اوقیانوس ہے ، یہ بات پانی کے بہاؤ سے محسوس کی جا سکتی ہے ، .... منارۂ منصوبہ اور مینار احجار کے درمیان بڑی طویل مسافت ہے ۔ یہاں سے بحر روم مصر و شام کی خلیج بن کر ۵ سو میل کے قریب شہر رومیہ تک بڑھ جاتا ہے ۔ شہر رومیہ کو رومیہ اور رس بھی کہتے ہیں ۔ اس خلیج کے ایک کنارے

پر وہ جگہ ہے جسے سبتہ کہتے ہیں۔ سبتہ اور طنجہ کا ساحل ایک ہے۔ سبتہ کے نواح میں اندلس کے مقابل وہ پہاڑ ہے جسے "جبل الطارق" کہتے ہیں، واضح رہے کہ طارق موسیٰ بن نصیر کے غلاموں میں سے تھا۔ لوگ سبتہ سے اندلس تک صبح سے ظہر کے وقت تک اسی سمندری راستہ سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس سمندر میں بڑی بڑی موجیں آ کھتی ہیں حالانکہ ان کی وجہ ہوا کا زور نہیں ہوتا، اس خلیج کو اہل مغرب اور اہل اندلس انہیں امواج کی بنا پر زقاق کہتے ہیں۔ بحر روم میں جزیروں کی کثرت ہے۔ انھیں جزائر میں شام و روم کے درمیان جزیرۂ قبرص بھی ہے۔ دوسرے جزائر میں رودس (روڈس) ہے جو اسکندریہ کے سامنے ہے۔ جزیرۂ اقریطش بھی انہیں جزائر میں ہے اور صقلیہ بھی۔ صقلیہ کا ذکر ہم آگے چل کر جبل برکان کے ضمن میں کریں گے جس کی چوٹی سے آگ نکلتی ہے۔ جزیرہ صقلیہ میں بہت سے اجسام، مردہ ہڈیاں اور ہڈیاں وغیرہ پائی جاتی ہیں۔

یعقوب بن اسحٰق الکندی اور اس کے شاگرد احمد بن طیب سرخسی نے بحر روم کے طول و عرض کے بارے میں جو حقائق پیش کیے وہ ہمارے مذکورہ بالا بیانات سے مختلف ہیں۔ اس سلسلے میں ہم اپنی زیر نظر کتاب میں بلحاظ ترتیب تالیف آگے چل کر کچھ عرض کریں گے۔

بحر نیطش

بحر مانطش اور خلیج قسطنطنیہ کے بارے میں تو آپ نے پڑھا یا سنا ہوگا۔ جس سمندر کو ہم بحر نیطش کہہ رہے ہیں اس کی سرحد، بلاد لاذقہ سے قسطنطنیہ تک ہیں۔ یہ سمندر شمال سے شروع ہوتا ہے اور اس کے سواحل پر یافث بن نوح کی نسل کے لوگ کثرت سے آباد ہیں اس کا طول ۱۰۰۰ میل اور عرض ۳۰۰ میل ہے اس کا مخرج وہ ـــــ نہر عظیم ہے جو شمالی پہاڑوں کے چشموں سے نکلتی ہے۔ خشکی پر اس کے بہاؤ کی مسافت یافث کی بستیوں کی گزرگاہ کے لحاظ سے تین سو فرسخ ہے۔ بحر مانطش کی گزرگاہ یہی ہے یہی وہ سمندر ہے جو آگے چل کر بحر نیطش میں مل جاتا ہے۔ اس سمندر میں چٹانیں اور نباتات جمادات کی کثرت ہے اس کا ذکر قدیم فلاسفہ نے بھی کیا ہے۔ کچھ لوگ اس عظیم سمندر کو بحیرہ بھی کہتے ہیں اور اس کا طول تین سو میل اور عرض ۱۰۰ میل بتاتے ہیں، خلیج قسطنطنیہ کا مبدا یہی سمندر ہے جو آگے بڑھ کر بحر روم میں مل جاتی ہے۔ اس خلیج کا طول تین سو میل اور عرض تقریباً پچاس میل ہے۔ قسطنطنیہ

اور دوسری ساری بستیاں شروع سے آج تک اسی خلیج کے ساحلوں پہ آباد ہیں۔ قسطنطنیہ اس خلیج کے مغرب میں روم و اندلس کے متصل ہے۔ اصحاب ذیجات کے قدیم منجموں وغیرہ کے مطابق بحر طبرستان اور بحر روس بھی کبھی یہیں تھا اور ترکوں کی قدیم تین مختلف شاخیں بھی کبھی یہیں آباد تھیں۔ زیر نظر کتاب میں ہم اس سمندر کا مزید تفصیلی ذکر آگے چل کر حسب موقع کریں گے اور اس کی قریبی بستیوں کے بارے میں بھی بتائیں گے اور یہ بھی لکھیں گے کہ ان میں سے کون لوگ اس سمندر پہ کشتی رانی کرتے ہیں اور کون نہیں کرتے۔

بلحاظ ترتیب بحرِ خزر و جرجان نیز دوسرے سمندروں کا تفصیلی بیان

جہاں تک عجمی سمندروں کا تعلق ہے اور ان کے ادوار و مساکن کا تو یہ سمجھ لیجیے کہ وہ بنی نوع انسان کی آبادیوں سے ہر طرف گھرے ہوئے ہیں اور یہ سمندر اسی لیے "بحر الباب والابواب" کہلاتے ہیں کیونکہ ہر جگہ ان کے ساحل مختلف ممالک کے ابواب (دروازے) ہیں، مثلاً: خزر، جبل، دیلم، جرجان، طبرستان وغیرہ جہاں مختلف شاخوں کے ترک آباد ہیں اور ان کی حدود ہر جانب بلادِ خوارزم سے جا ملتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ شکل کے لحاظ سے مدور ہیں۔ ان کی ساحلی آبادیوں اور وہاں کی مختلف اقوام کے کوائف ہم انشاء اللہ زیرِ نظر کتاب میں حسب موقع آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

ویسے ان آبادیوں کی وجہ سے ان سمندروں میں مچھلیاں کثرت سے پائی جاتی ہیں، مثلاً عجمی سمندروں میں بحرِ روم ہے جس میں مچھلیوں کی بہتات ہے، اسی طرح وہ اکثر علاقے جو انطاکیہ کے زیرِ حکومت ہیں اس سرزمین کے ایک عظیم پہاڑ کے نیچے سمندر ہے جسے لوگ "عجز البحر" (تنگنائے) بھی کہتے ہیں۔ یہ سمندر ساحل انطاکیہ، رشید، اسکندریہ اور قلو شقب تک وسیع ہے، یہ قلعہ "جبل لکام" کی وادی میں واقع ہے۔ اسی طرح ساحل مصیصہ ہے جہاں نہر جیجان ہے، ساحل اذنہ یہ نہر سیحان ہے اور طرطوس کا ساحل نہر بردان تک چلا گیا ہے جسے نہر طرسوس بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جو علاقے ہیں وہاں یا تو بستیاں نہیں ہیں اور کچھ عمارتوں کے آثار ہیں بھی تو وہ کھنڈرات کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ یہ علاقہ رومی اور مسلم علاقوں کے درمیان ہے جو آگے چل کر شہر قلیہ، قبرص، فریطس، قراسیا اور اس کے بعد بلاد سلوقیہ سے جا ملتا ہے۔ بحرِ روم کے اس ساحل پر پھر رومی قلعے شروع ہو جاتے ہیں جو خلیج قسطنطنیہ تک چلے گئے ہیں۔ اس سمندر کے کنارے مفنق جس بستی کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ خلیج طنجہ پر ہے جو ساحل مغرب پر بلادِ افریقہ، سوس ۔ مسوس، مغربی طرابلس، قیروان، برقہ ۔ رفادہ، بلاد اسکندریہ، رشید، تنیس، دمیاط، اور ساحل شام اور ثغور شامی

سے جاملی ہے اور پھر ان بلاد رومیہ تک گئی ہے جو ساحل اندلس کے قریب ہیں۔ اس سے آگے یہ خلیج ضیق کے اس ساحل تک جاتی ہے جو طنجہ کے سامنے ہیں۔ رومی اور مسلم علاقوں کے درمیان بستیاں ہیں انہیں ایک دوسرے سے کچھ نہریں اور خلیج قسطنطنیہ جُدا کرتی ہیں یہاں اس خلیج کا عرض صرف ایک میل رہ جاتا ہے لیکن اس خلیج کا مبدا کبھی جیسا ہم بیان کر چکے ہیں بحر اوقیانوس ہے جس کے ایک ساحل پر مینار نحاس واقع ہے جو طنجہ کے قریب ہے۔ اس خلیج پر جزکرینیب کا علاقہ اسی خلیج کے مقبوضات میں شامل ہے وہ بحر روم کا وہ مذکور حصّہ نہیں ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں اور اس کا مجموعی طول بھی بتا چکے ہیں۔

بحر حبشی میں مچھلیوں کی پہچان مشکل ہے اور اسی طرح بحر خلجانہ میں جس کی حدود کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن یہ مچھلیاں ان سمندروں کی ان حدود میں زیادہ نظر آتی ہیں جو بحر اوقیانوس سے متصل ہیں۔

تنین جہاں تک ان دونوں سمندروں کی مچھلیوں کی اقسام کا تعلق ہے تو جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان کی پہچان تو مشکل ہے لیکن کچھ لوگوں کے بیانات کے مطابق یہ ان سمندروں کے اُن سواحل کے نزدیک جہاں آبادیاں ہیں طلوع آفتاب کے وقت جب نرم ہوائیں چلتی ہیں کثرت سے سطح آب پر نظر آتی ہیں لیکن آسمان پر گہرے بادلوں کے اوقات اور رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں سمندر کی تہ میں چلی جاتی ہیں، نیز تیز و تند ہواؤں کے اوقات میں بھی ان کا عمل یہی ہوتا ہے۔ موسم گرما کی سخت اور تیز دھوپ میں جب بخارات ان سمندروں کی سطح سے اُٹھ کر آسمان کی طرف رُخ کرتے اور گہرے بادلوں کی شکل میں تبدیل ہوتے ہیں تو ان اوقات میں بھی یہ مچھلیاں قعر بحر کا رُخ کرتی ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ان میں سے عظیم و جسیم مچھلیاں دراصل وہ سمندری حیوانات ہیں جو چھوٹی قسم کی مچھلیوں کو ہڑپ کر لیتے ہیں اس لیے قدرت نے یہ سامان کیا ہے کہ کبھی مذکورہ بالا اوقات میں ان مچھلیوں کو سمندری موجیں اُٹھا کر ان سواحل پر پھینک دیتی ہیں جہاں چٹانیں یا جھاڑیاں ہوتی ہیں لیکن یہ وہاں زندہ نہیں رہ سکتیں، تاہم جہاں یا جوج ماجوج کا شہر ہے یہ مُردہ مچھلیاں ان کی یعنی یاجوج ماجوج کی بحکم قدرت خوراک مہیا کرتی ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا اوقات میں انہوں نے ان چٹانوں اور جھاڑیوں میں ایسی مردہ مچھلیاں بچشم خود دیکھی ہیں۔ کچھ مصنف ان حالات کو ابن عباس کے بیانات کی تصدیق پر محمول کرتے ہیں لیکن ہم نے زیر نظر کتاب میں ان خرافات کے تفصیلی بیان سے قصداً صرف نظر کیا ہے۔

اطراف زمین کے جن اخبار سے ہم نے اس کتاب میں صرف نظر کیا ہے ان میں اہل سیر اور اصحاب قصص کی بیان کردہ خبریں بھی ہیں۔ انہیں میں عمران بن جابر کے متعلق یہ اطلاع بھی ہے کہ اس نے دریائے نیل میں اتر کر اس کے منبع و مخرج کا پتہ معلوم کیا تھا اور یہ کہ اس نے دریائے نیل میں اس مچھلی کے شہپر پر سفر کیا تھا جو زمین کا مدار ہے اور یہ کہ سورج کی گردش اور اس کے طلوع و غروب کا سلسلہ بھی اسی مدار سے منسلک ہے۔ عمران بن جابر کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے دریائے نیل کے ایک ساحل پر ان محلات و قصور کو بھی دیکھا تھا جو جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سونے سے تعمیر کیے تھے۔ ان قصوں میں عنقود العنب اور ابلیس کا ذکر بھی آتا ہے اور سونے کے اس گنبد کا بھی جو عہد قدیم کے لوگوں نے بحر اخضر میں دیکھا تھا اور یہ کہ اس گنبد میں سُرخ یاقوت جڑے ہوئے تھے، نیز یہ کہ بحر اخضر جب پھیلا تو اس سے دُوسرے سمندر اور دریا بنتے چلے گئے۔ ان میں پہلا دریا نیل، دُوسرا اسیحان، تیسرا جیجان اور چوتھا فُرات ہے۔ انھیں قصّوں میں سمندر کے مدّ و جزر کے متعلق عجیب و غریب بیانات بھی شامل ہیں۔ مثلاً یہ کہ بنائے کائنات پانی سے ہوئی جو پہلے بلندی سے نشیب کی طرف آیا اس لیے مدّ کا مطلب یہ ہے کہ وہ یعنی پانی اپنی اصل بلندی کی طرف رجوع کرتا ہے اور پھر بمقتضائے فطرت نشیب کی طرف پلٹتا ہے اور اسی کو جزر سمجھنا چاہیے۔ ہمیں یہ سب باتیں غور کرنے پر ناقابل یقین محسوس ہوئیں۔ اسی لیے یہاں ان سے صرف نظر کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمیں قرآن میں خدا کا یہ حکم ملتا ہے کہ "جو تمہارا رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تمہیں بتائے اس پر ایمان لاؤ اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو" تاہم ہم نے یہاں قارئین کے تفنّن طبع کے لیے ان لایعنی قصص اور خرافات کا اجمالی ذکر کرنا مناسب سمجھا جو ہمارے لیے معقولی اور منقولی دونوں طرح ہر چند ناقابل قبول ہیں لیکن عہد قدیم سے لوگوں کی زبان پر چلے آتے ہیں۔

سمندروں کی تعداد سطح ارضی کو گھیرے ہوئے سمندروں کی تعداد وہی ہے جو ہم اب تک بتا چکے ہیں یعنی چار اور ان کا تفصیلی ذکر بھی پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔ اس پر دنیا کے اکثر لوگوں کو اتفاق ہے لیکن کچھ لوگ ان کی تعداد پانچ بتاتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک ان کی تعداد چھ ہے حتیٰ کہ بعض لوگ ان کی تعداد سات تک بتاتے ہیں لیکن موخرالذکر وہ لوگ ہیں جو سمندروں کی تعداد کا حساب منفصل غیر متصل بحار کے اعتبار سے لگاتے ہیں۔ بہرحال ان کے نام یہ ہیں:۔ پہلا بحر حبشی، دوسرا بحر روم، تیسرا بحر نیطش، چوتھا بحر مانطش، پانچواں بحر خزر، اور چھٹا بحر اوقیانوس۔ ان میں سے بحر روم اور بحر اوقیانوس کے علاوہ اگر دو اور

منفصل غیر متصل سمندروں کو الگ الگ تصور کیا جائے تو یقیناً سمندروں کی مجموعی تعداد سات ہو جائے گی بحر نیطش چونکہ بحر مانطش سے ملا ہوا ہے، اس لیے ہم نے ان دونوں کو ملا کر ایک سمجھا ہے۔ خلیج قسطنطنیہ جو بجائے خود ایک سمندر ہے چونکہ بحر روم سے ملا ہوا ہے، اس لیے ہم نے ان دونوں کو ملا کر ایک سمندر بنایا ہے۔ بحر روم کا مبدا چونکہ بحر اوقیانوس ہے، اس لیے ان دونوں کے پانیوں کو بوجہ اتصال ایک سمجھنے اور ان دونوں سمندروں کو ایک سمندر بنانے میں کیا مضائقہ ہے؟ ویسے ان خلیجوں کو جو ایک دوسرے کے متصل ہیں اور ان کے پانی بھی آپس میں ملے ہوئے اگر الگ الگ سمندر تصور کر لیا جائے تو سمندروں کی کل تعداد نو تک پہنچ جائے گی۔ سطور بالا میں ہم نے بحر مانطش کا ذکر کرتے ہوئے اس کے نام کے ساتھ "یا نیطس" لکھ دیا ہے تاکہ ان میں کوئی ابہام نہ رہے یعنی بحر مانطش کو بحر مانطش کہو یا بحر مانیطش بات ایک ہی ہے۔ ہماری اس وضاحت سے اُمید ہے سمندروں کی مجموعی تعداد کے بارے میں کوئی ابہام باقی نہ رہے گا۔

جن لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ بحر خزر بحر مایطش سے ملا ہوا ہے ان سے یقیناً غلطی سرزد ہوئی ہے کیونکہ کسی نے بلاد خزر کے تاجروں کو جہازوں کے ذریعہ بحر مایطش اور بحر نیطش کے راستے بلادِ روس اور بغداد کی طرف جاتے ہرگز نہیں دیکھا جس سے یہ سمجھ لیا جائے کہ بحر خزر اور موخر الذکر دو سمندر ایک ہی ہیں یا ان کے پانی نہر خزر کے علاوہ کہیں مل کر ایک ہو جاتے ہوں یا ان کی شاخیں کسی جگہ ایک دوسرے سے متصل ہوں۔ بہرحال ہم اس موضوع پہ تفصیلی گفتگو زیر نظر کتاب میں آگے چل کر جبل القبق یا جبل الفتح کے ضمن میں کریں گے۔ اسی کے ساتھ شہر "باب و الابواب" اور مملکت خزر کا ذکر بھی آئے گا اور یہ بھی بتایا جائے گا کہ روس جہازوں کے ذریعہ بحر خزر میں کس راستے سے پہنچا جب کہ اس کے سواحل بحر خزر کے سواحل سے بقدر تین سو میل دور ہیں یعنی ان کا زمینی فاصلہ بھی تین سو میل ہے۔ کچھ لوگ سمندروں کے بارے میں اور ان کی ابتدا میں تقدیم و تاخیر کے سلسلے میں ہماری گزارشات پر اعتراض کرتے ہیں اور انھوں نے اپنی کتابوں میں یہ بتایا ہے کہ خلیج قسطنطنیہ بحر نیطش سے نکلا ہے جو بحر خزر کے قریب ہے۔ ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور یہ کہ آیا ان مصنفین نے لوگوں سے سنی ہوئی باتوں سے یہ اندازہ لگایا ہے یا ان کا بیان استدلال پر مبنی ہے یا محض قیاس پر؟ یا انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ روس کے کچھ علاقے چونکہ بحر خزر کے قریب ہیں لہٰذا وہ از اول تا آخر بحر خزر ہی ہے اور اسی لیے ان علاقوں کے باشندے یہاں تک آتے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ ساحل جرجان سے بلاد طبرستان تک بالکل الگ ہے، چنانچہ اب تو کیا پہلے بھی کبھی کسی نے اہل روس کے جہازوں کو اس ساحل سے

بحر خزر کی جانب جاتے نہیں دیکھا کیونکہ ان ممالک کے اس سلسلے میں باہمی معاہدات نہ پہلے کبھی تھے نہ اب ہیں ہم نے اہل آذربائیجان، اہل باب والابواب، اہل دیلم، اہل جبل، اہل جرجان و طبرستان اور بردعہ وغیرہ کے لوگوں سے فرداً فرداً دریافت کیا لیکن کسی نے اس سلسلے میں مذکورہ بالا مصنفین کے بیانات کی تصدیق نہیں کی۔ پھر بھی ہم نے بعض ثقہ حضرات کی گفتگو سے استفادہ کیا ہے۔"

اس کے بعد المسعودی رقمطراز ہیں:۔

"میں نے الکندی اور اس کے شاگرد، "المعتمد باللہ" کے مصنف، احمد ابن طیب سرخسی سے منسوب کچھ کتابوں میں دیکھا ہے کہ شمالی آبادیوں کی طرف قطب شمالی کے نیچے ایک عظیم بحیرے کا کچھ حصہ ہے جس کے قریب ایک شہر ہے لیکن اس کے آگے سارا علاقہ خالی اور ویران و سنسان ہے۔ میں نے بنی منجم کے بعض رسائل میں بھی اس بحیرے کا ذکر دیکھا ہے نیز احمد بن طیب نے اپنے رسالے "البحار والمیاہ والجبال" میں اپنے استاد الکندی سے اس بحیرے کی نسبت جو روایت کی ہے اس میں بحر روم کا طول بلاد صور و طرابلس، انطاکیہ، لاذقیہ، مثبت اور ساحل مصیصہ و طرطوس و قلمیہ سے آگے منارہ ہرقل تک چھ ہزار میل بتایا ہے اور اس کا عرض کہیں کہیں چار سو میل لکھا ہے۔ یہ الکندی اور ابن طیب کا قول ہے۔"

"ہم نے ان استاد و شاگرد کے بیانات اور اصحاب زیجات کی کتابوں میں جو روایات ہیں ان کے مابین اختلافات اور ان کے متبعین سے جو کچھ سُنا اس پر کافی غور کیا ہے لیکن اس پر بحث کو بخوف طوالت آگے نہیں بڑھایا کیونکہ ہم نے زیر نظر کتاب کی تصنیف کے سلسلے میں (بطور مقدمہ) جو شرائط پیش کی ہیں ان میں سب سے اہم شرط اختصار و ایجاز ہے۔"

سمندروں کا وجود قدیم یونانی علماء اور حکمائے متقدمین میں سمندروں کے وجود اور ان کے اسباب وعلل کے بارے میں جو باہمی اختلافات ہیں ان پر ہم نے ہر سہ اسباب کے متعلق اپنی کتاب "اخبار الزماں" کے حصہ سوم میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ یہاں ہم ان جملہ مباحث کا اعادہ تو نہیں کرنا چاہتے لیکن اس سلسلے میں علمائے یونان و حکمائے متقدمین کی آراء کا اجمالی تذکرہ عنوان بالا کے تحت ضرور کرنا چاہتے ہیں۔ جن علماء و حکماء کی آراء کا خلاصہ یہاں بیان کیا جائے گا ان کے اقوال کے ساتھ یہ بھی بتایا جائے گا کہ اس سلسلے میں کس کس نے کیا کیا کہا ہے۔

ان علماء و حکماء متقدمین کے ایک گروہ کے نزدیک سمندروں کی اکثریت اس پہلی رطوبت کا نتیجہ ہیں جو آگ کے جوہر سے پیدا ہوئی اور باقی آگ کے اس پہلے احتراق کا محلول ہیں۔ اسی گروہ کے

بعض اصحاب کی رائے یہ ہے کہ پہلی رطوبت میں سورج کی تمازت سے جب احتراقی کیفیت پیدا ہوئی تو اس نے پہلے بخارات کی شکل اختیار کی اور پھر پانی کی مجموعی صورت میں ڈھل گئی اور باقی ملوحت و مرارت بننے کے بعد پانی بنی، یہی دونوں اشکال آج سمندر کہلاتی ہیں۔

اسی گروہ کے کچھ لوگوں کے خیال میں پہلی رطوبت زمین کا وہ عرق ہے جو سورج اور زمین کے دور انفصال میں برآمد ہوا۔

انھیں میں کچھ لوگوں کا قول یہ ہے کہ سمندر زمین کی رطوبت کا وہ مصفا حصہ ہیں جو مٹی اور رطوبت کے امتزاج کے بعد پیدا ہوا جیسے میٹھے پانی میں ریت ڈال دی جائے تو وہ برتن میں نیچے بیٹھ جائے گی اور منتظر پانی اوپر آجائے گا لیکن اس میں بھی میٹھا ہونے کے باوجود کچھ ملوحت باقی رہے گی۔

انھیں میں سے بعض حضرات کا قول یہ ہے کہ پانی میں پہلے عذوبت و ملوحت دونوں یک جا تھیں، سورج نے ان کا لطیف حصہ اٹھالیا اور کثافت نے رقیق ہوکر سمندر کی شکل اختیار کرلی۔

بعض کا قول یہ ہے کہ سورج نے صرف رطوبت جذب کی لیکن انھیں میں سے کچھ لوگوں نے کہا کہ سورج نے جو رطوبت جذب کی وہ کرۂ باردہ میں پہنچ کر بشکل آب پھر نیچے آگئی۔

بعض کے خیال میں پانی رطوبت کا وہ ذخیرہ ہے جو ہوا میں مکیف ہوکر برودت کی وجہ سے منجمد ہوگیا لیکن اس کا وہ حصہ جو زمین کے قریب تھا ارضی حرارت کی بنا پر تحلیل ہوکر زمین ہی پر پھیل گیا۔

اس بحث میں حصہ لینے والوں میں سے کچھ کے نزدیک سارا پانی ظہور ارضی اور اس کے اندرونی ذخائر کی پیدائش کے وقت ہی پھیل کر سمندروں کی شکل میں سمٹ گیا تھا۔ اس کی عذوبت جو لطیف تھی حرارت شمسی سے بخارات بن کر اٹھی پھر برودت پاکر بارش بن کر دوبارہ زمین پر آگئی لیکن اس کی ملوحت بطون ارض میں باقی رہی اور تحلیل ہوکر سمندروں کے پانی میں شامل ہوگئی۔ کیسے معلوم نہیں کہ آگ کثافت سے لطافت وعذوبت کشید کرلیتی ہے۔ انسانوں بلکہ حیوانات کی خوراک کی کثافت بول و براز اور پسینے کی شکل میں خارج ہوجاتی ہے اور عذوبت و لطافت جزو بدن بن جاتی ہے گویا ہمارا وجود ہی "محترق مرتی" ہے۔

اس سلسلے میں "المنطق" کے مصنف نے بھی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جس کا لب لباب یہ ہے کہ "نمکین پانی میٹھے پانی سے وزنی ہوتا ہے۔" اس کا استدلال یہ ہے کہ نمکین پانی میں کدورت و

کثافت ہوتی ہے سبب کہ میٹھا پانی صاف اور رقیق ہوتا ہے۔ پانی کی فطرت بہاؤ ہے، چنانچہ جب وہ بہاؤ پر مائل ہوگا تو دریا بنے گا جس کا منبع چشمہ کہلائے گا اور جب دریاؤں کا پانی بہہ کر کسی ایک جگہ جمع ہوگا تو وہ یقیناً سمندر ہی بنے گا۔ ویسے پانی کے وجود کے بارے میں بھی معقولات و منقولات کی صورت میں کافی ذخیرہ موجود ہے جس پر ہم نے اپنی کتابوں میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے اس سلسلے میں مختلف مباحث چھیڑے ہیں۔ ہم اپنی کتاب "اخبار الزماں" کے علاوہ زیر نظر کتاب میں بھی سمندروں کے منابع و مخارج، ان کی مساحت، طول و عرض، سواحل و کوائف اور گذرگاہوں پر خاصی روشنی ڈال چکے ہیں نیز پانی کے استخراج پر بھی کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ لہذا اب ہم آئندہ باب میں موضوع کے لحاظ سے ملوک چین، اہل چین اور ان کے متعلقہ حالات و کوائف پر گفتگو کریں گے۔

ملوکِ چین و تُرک، اولادِ عابور کی مختلف شاخیں

اور

چین کے حالات و کوائف وغیرہ

اہلِ چین اور ان کے انساب و آغاز کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب عابور بن سوبیل بن یافث بن نوح کی اولاد میں فالغ بن عامر بن ارفخشذ بن سام بن نوح نے دنیا کی زمین کو تقسیم کیا تو وہ پہلے مشرق کی سرزمین میں پھیل گئے، پھر ان میں سے ارعو کی اولاد شمال کی طرف چل کر متعدد ممالک میں منتشر ہو گئی۔ جو لوگ دیلم، جیل، طیلسان، تاماد اور فرغانہ سے منسوب ہیں نیز وہ لوگ جو قبق کے پہاڑی کہلاتے ہیں قوم کُز کی مختلف شاخیں ہیں اور آج کل جو لوگ خزر، انجاد، سریر، کشک کہلاتے ہیں اور وہ سب قومیں بھی جو بلاد طوابریہ، بحر مانطش، ونیطش، بحر خزر، بلغراد تک اور ان علاقوں کے متصل چین کے دوسرے علاقوں میں آباد ہیں اسی قوم یعنی قوم کُز کی مختلف شاخیں ہیں۔ عابور کے بیٹے نے نہر بلخ عبور کی تھی اور اسی کی اولاد سارے چین میں اِدھر اُدھر آباد ہے اور وہی لوگ دوسرے متعدد ممالک کے مختلف حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں، جیلی، جیلانی، اشروسنہ، صُغد، بخاری، سمرقندی، فراغنہ، شاشش، اسبیجاب، فارابی بھی اسی قوم کے افراد ہیں، نیز وہ لوگ جو البوادی، وغیرہ میں آباد ہیں انہیں میں شامل ہیں اور ترک، خزلج، طاغرغز نیز شہر کوشان (کاشان) کے باشندے انہیں میں ہیں، یہ علاقے خراسان اور چین کے درمیانی علاقے ہیں۔ ان میں سے قدیم ترک اس وقت یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں بہت کم باقی ہیں، ان کا کوئی خاص ملک ہے اور نہ کوئی منضبط حکومت۔ شوکرا کفیں میں سے ہے اور آج کل امیر خان میں کہیں کہیں ملتے ہیں، ان کا مذہب الحانی ہے لیکن ان میں سے اکثر اس مذہب پر اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ پہچانتے بھی مشکل ہی سے جانتے ہیں، تاہم کیماکیہ، برسخانیہ، بدیہ اور جعربیہ کے کچھ باشندے انہیں قدیم اصلی ترکوں کی نسل

سے ہیں۔ ان کی خوبصورتی، طویل القامتی اور چہروں کی چمک دمک تاحال قائم ہے۔ یہ لوگ اب بھی فرغانہ، شاش اور ان کے قریبی علاقوں میں خال خال ہی سہی مل جاتے ہیں۔ کبھی ان کی اپنی حکومتیں تھیں، وہ خاقان و خوانین کہلاتے تھے۔ سارا ترکستان ان کے زیرِ نگیں تھا۔ افراسیاب جس نے کبھی ایران فتح کیا تھا انہیں ترکوں میں سے تھا۔ اب وہی خاقان و خوانین کہلانے والے ترک ایک اُجڑے ہوئے شہر میں بستے ہیں جو عمات کہلاتا ہے۔ ہم نے یہاں کے حکمران کے اس زمانۂ ماسبق میں بارونق شہر سے منتقل ہونے کے اسباب اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اولادِ عابور میں سے انھیں ترکوں کا ایک گروہ ہندوستان کے علاقۂ نجوم میں چلا گیا تھا لیکن وہاں جا کر ان میں ترکوں کا رنگ باقی نہیں رہا بلکہ انہوں نے ہندوستانی رنگ کچھ ایسا پایا کہ اپنا اصلی رنگ بھول گئے۔ اس گروہ کے کچھ لوگ کوہ ہمالیہ کی مختلف وادیوں میں منتشر ہو گئے اور باقی تبت میں رہ پڑے لیکن خاقان کے ملک کے زوال کے بعد بھی اہلِ تبت اپنے سردار کو خاقان بلکہ قدیم ترکوں کی طرح خاقان الخوانین یا خاقانِ اعظم ہی کہتے ہیں۔

عابور کی اولاد میں زیادہ تر لوگ پہلے سمندری سواحل پر مقیم رہے لیکن پھر اقصائے چین میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ یہاں وہ متفرق آبادیوں میں رہے، پھر کچھ عارضی ٹھکانے بنائے اور رفتہ رفتہ شہر بسا کر متمدن و مہذب ہو گئے۔ انہوں نے اپنی سلطنت کے لیے ایک عظیم شہر تعمیر کر کے اس کا نام "انموا" رکھا۔ اس شہر اور بحرِ حبشی یا بحرِ چین کے درمیان اگرچہ تین ماہ کا پیدل سفر ہے لیکن راستے میں بہت کم فاصلے سے متعدد شہر اور بستیاں ملتی ہیں۔

نسطرطاس مذکورہ بالا شہر انموا کا پہلا حکمران جس نے ایک مملکت کی بنیاد ڈالی "نسطرطاس" بن باعور بن مدتج بن عابور بن یافث بن نوح تھا۔ نسطرطاس کی قائم کردہ یہ مملکت تقریباً تین صدیوں تک چلی لیکن پھر اس کی اولاد میں تفرقے پیدا ہو گئے اور آخر کار وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ انہوں نے اپنے زمانے میں متعدد شہر آباد کیے، نہریں کھدوائیں، پھلوں کے لیے باغ لگوائے اور درندوں کا شکار کیا۔

عودون عابور کی اولاد میں ایک شخص تھا جسے مقامی لوگ "عودون" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس نے اپنے باپ کی لاش کو کچھ اس طرح حنوط کیا تھا کہ وہ بالکل سونے کا بُت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے اس بُت کو تعظیماً سونے کے ایک تخت پر بٹھا رکھا تھا جسے جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا۔ وہ شخص اپنے باپ کے اس طلائی بُت کو خود سجدہ کرتا تھا اور اہلِ ملک سے بھی سجدہ کراتا تھا۔ صبح

ہوتے ہی "انوا" کے باشندے اس بُت کے سامنے تعظیماً سجدہ ریز ہو جاتے تھے، کہتے ہیں کہ یہ شخص اپنے باپ کے انتقال کے بعد ۵۰ سال زندہ رہا۔

عیشدون عوُدن کے بعد حکومت کا وارث اس کا بیٹا عیشدون ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی روایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے باپ عوُدن کی لاش کو مومیا کر سونے کے بُت کی شکل میں ڈھالا، اسے سونے کے مرصّع تخت پر بٹھایا اور اپنے علاوہ اپنی رعایا سے بھی اسے تعظیمی سجدے کرائے۔ اس نے اپنی رعایا کے حق میں بہترین سیاستدان ہونے کا ثبوت دیا، انہیں امورِ سلطنت میں برابر کا شریک کیا اور ان کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آیا۔ اس کی نسل کافی پھیلی کیونکہ وہ خود کثیر الاولاد تھا۔ اس نے زمینوں کو سرسبز و شاداب کیا اور دوسرے بہت سے لائق تحسین کام کیے۔ اس کے انتقال کے وقت اس کی حکومت کے تقریباً سو سال پورے ہو چکے تھے۔

عیشنان عیشدون کے بعد اس کا بیٹا عیشنان سلطنت کا والی ہوا۔ اس نے بھی اپنے باپ کی لاش کے ساتھ وہی عمل کیا جو اس کے باپ نے اپنے باپ کی لاش کے ساتھ کیا تھا اور اسی طرح اسے سجدے کیے اور لوگوں سے بھی کرائے۔ اس نے اپنی سلطنت کی حدود اپنے چچازاد بھائیوں کی ترکی سلطنت تک بڑھائی تھیں۔ اس کے دور میں دورِ قدیم کی طرح بہت سی صنعتیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔

حرانان ایشنان کے بعد حکومت اس کے بیٹے حرانان کو ملی۔ اس نے ایک مصنوعی آسمان بنایا اور لوگوں کو وہاں کی سیر بھی کرائی۔ اس نے بلادِ سندھ و ہند کے بہت سے علاقے بلکہ اقلیم بابل اور آگے اندرون سمندر کے علاقے بھی جو قرب و جوار کے ممالک کی ملکیت تھے اپنی قلمرو میں شامل کر لیے اور وہاں کے حکمرانوں کو نہ صرف اپنے ہاں کے عجیب و غریب تحائف اور نفیس اشیاء انہیں بھیجیں بلکہ انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ہاں کی نادر اشیاء، ماکولات و مشروبات، لباس اور فرش فروش کے نمونے بھی اسے بطور تحائف بھیجیں تاکہ وہ ان ممالک کی سیاسیات کے علاوہ ان کے مذہبی رجحانات اور طرز بود و باش سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اس نے انہیں اپنی مصنوعات، خوشبویات، معدنیات اور آلات وغیرہ بھی اپنے یہاں منگوانے پر مائل کیا۔ کیونکہ وہ اس کے احکام سے روگردانی کے نتائج کو سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے اس کی خواہشات پوری کیں اور اس طرح سمندروں میں کشتیاں آنے جانے لگیں بلکہ ان کے سواحل پر تیار بھی ہونے لگیں۔ اس نے ان ممالک کو وہ تمام چیزیں مہیا کیں جو ان دنوں ان کے ہاں دستیاب نہیں تھی اور انھیں وہ سب چیزیں بطور تحائف و ہدایا بھیجتا رہا۔ اس نے بلادِ چین میں بھی بستیاں بسائیں اور اس طرح اس کے امورِ سلطنت میں بھی دخیل رہا۔ اس

کی قریبًا سو سال ہوئی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کی سلطنت میں واقعی کہرام مچ گیا اور لوگ مدّت تک اس کی موت پر گریہ و زاری کرتے رہے اور اس کی یادگار کے طور پر ایک نئے شہر کی بنیاد بھی ڈالی۔

توتال

حراتان کے بعد اس کی سلطنت اس کے سب سے بڑے بیٹے توتال کو ملی۔ اس نے اپنے باپ کی لاش اسی طرح مومیا کر رکھی جیسا اس کے خاندان میں ہوتا چلا آیا تھا اور سلطنت میں اپنے باپ کی روایات و سیاست پر عمل کیا، عمائدین سلطنت کو حسب مراتب عہدے تفویض کیے اور عدل و انصاف کے سلسلے میں اپنے باپ پر بھی بازی لے گیا، رعایا کے ساتھ احسان اور مہر و مروت کا خاص خیال رکھا، داد و دہش میں بھی کوئی کمی نہ آنے دی تاہم اپنے باپ دادا کی حنوط شدہ لاشوں کے لیے جو سونے کے بتوں میں شکل میں بنوا کر مرتفع چبوتروں پر رکھی گئی تھیں بطور خاص ایک منتخب مقام پر مختلف رنگ کے پتھروں سے ایک خوشنما ہیکل تعمیر کرایا، اس میں عبادت خانہ بنوایا اور اس کے گرد و پیش سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں لگوائیں نیز ہیکل کی عمارت میں روشنی اور ہوا کے لیے متعدد روشندان و ہوادان رکھوائے، نیز اس نے مذہب و سیاست اور عقل و حکمت کے امتزاج سے سلطنت کے نظام کے لیے ایک بالکل نیا خاکہ تیار کرایا۔ اس نے بُت پرستی کی جگہ خالق حقیقی کی عبادت کا طریقہ رائج کیا لیکن اس میں رکوع و سجود کے اوقات ستاروں کی گردش کی نسبت مقرر کیے۔ اس نے جہاں مردوں کے لیے قوانین بنائے اور ان پر ان قوانین کی پابندی لازم قرار دی وہیں عورتوں کے لیے کچھ الگ قوانین بنا کر انہیں ان کا پابند بنایا نیز دستور سلطنت میں ان کے حقوق کی وضاحت کی۔ اس کے علاوہ اس کے زمانے میں عورتوں کی شادی کے قوانین رائج کیے گئے۔ مردوں کی طرح ان کی بے راہ روی شلاً زنا وغیرہ پر سزائیں مقرر کیں تاکہ ان کی اولاد صحیح النسب ٹھہرے۔ اسی وجہ سے اس کا دور سلطنت بڑا پُر امن اور مستحکم رہا۔ اس کی عمر تقریبًا ۱۵۰ سال ہوئی۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی قوم نے اس کے باپ دادا کی طرح اس کی لاش کو حنوط کروایا۔ اس کا ایک طلائی بُت بنوایا اس کا پائدان جواہرات سے مرصع کیا۔ اس کے لیے ایک بہت ہی خوب صورت ہیکل تیار کرایا گیا جس کی چھت آسمان کی طرح جواہرات کے ذریعہ مصنوعی ستاروں سے مزین کی گئی اور اس کے نیچے اوپر آسمان کی طرح سات حصوں میں تقسیم کر کے ان میں بلحاظ عرشی بلندی ستارے بنائے گئے۔ نیز اس کی وفات کے دن کو اس ہیکل میں ہر سال بڑے اجتماعات و عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا لیکن توتال کے دورِ سلطنت کے بعد اس کی قوم طریق عبادت کے لحاظ سے عربوں کے زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹ گئی۔ اس نے خانہ کعبہ کی طرز پر ایک مرکزی ہیکل تعمیر کرا کے اس میں مختلف دیوتاؤں کے نام سے منسوب کر کے لاتعداد مورتیاں

رکھ لیں! ہندوستان کی طرح حیوانات کا ذبیحہ ممنوع قرار دیا اور صرف اسی وجہ سے ان میں اور قدیم ترکوں میں متعدد لڑائیاں بھی ہوئیں۔ تعدد ازدواج پر بھی پابندی لگا دی، ایک ذات کی شادی دوسری ذات میں ممنوع قرار پائی اور اس کی وجہ صحت انساب بتائی گئی۔

اہل چین کے عادات وخصائل

چینی لوگ اہل عرب کی طرح شعوب وقبائل میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہ تقسیم ان میں انساب کے لحاظ سے ہے اور یہی نسبی سلسلہ ان کے حق میں مراعات اور حفظ مراتب کا بھی ضامن ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نسبی لحاظ سے عابور سے قریب تر ہیں اور پچاس نسلوں کے بعد دیا پہلے) ان کا سلسلہ نسب عابور سے جا ملتا ہے ان کا سلسلۂ ازدواج بھی اسی نسبت سے چلتا ہے یعنی ایک مرد کی شادی یا تو اس کے اپنے ہی قبیلے میں جو نسبی اعتبار سے اس قبیلے کے قریب ترین ہوگا مثلاً مضر قبیلے کے لوگ زیادہ سے زیادہ قبیلہ ربیعہ میں شادی کرسکتے ہیں اور اس کے برعکس قبیلہ ربیعہ والے قبیلہ مضر میں۔ یہ شرط نسلی تحفظ کے لیے رکھی جاتی ہے تاکہ ان کے مرد جسمانی ساخت اور توانائی کے لحاظ سے اپنے بزرگوں پر جائیں۔

چینیوں میں یہ عادات وخصائل، ان کے بزرگوں کا عدل وانصاف اور تحفظ انساب کے پیش نظر مذکورہ بالا اصول وشرائط دو سو چونسٹھ (۲۶۴ھ) کے آخر تک چلتے رہے لیکن اس کے بعد ان میں کچھ مفسد لوگ آملے اور اب وہی نیک خصائل چینی بہت کچھ بدل چکے ہیں یہاں تک کہ ان کی قدیم عادات کی جھلک بھی سال رواں یعنی ۳۳۲ ہجری میں مشکل ہی سے ملے گی۔ معلوم ہوا ہے کہ ان کے ایک حکمران نے اپنے اسلاف کے علی الرغم مفسدوں اور اشرار کے مشوروں سے ایک بڑا لشکر جمع کرکے اِدھر اُدھر حملے شروع کردیے اور ہزاروں شہر اور بستیاں تباہ کرڈالیں اور بہت کم لوگ ان کے قتل وغارت سے بچ سکے، جو بھاگ نکلے وہ بھی کہیں نہ کہیں یا تو سمندروں میں غرق ہو گئے یا فقر وفاقہ کی بدولت مرکھپ گئے۔ اس حکمران اور اس کے لشکر کی لوٹ مار سے ایک نہایت عظیم اور متمدن شہر "خانفو" بھی تباہ وبرباد ہوگیا۔ اس شہر کے لوگ بحرین کے راستے کشتیوں اور چھوٹے جہازوں کے ذریعہ مسلم علاقوں، عمان، البصرہ تک اپنا تجارتی مال لے جاتے اور وہاں کا مال اپنے ہاں لاتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک سمرقندی تاجر خانفو کے راستے سے چینی حریر و ریشم اور دوسری نادر اشیاء جب بحرین لے جارہا تھا تو وہ ضبط کرلی گئیں اور اسی طرح مسلم علاقوں سے لایا ہوا مال بھی چھین لیا گیا۔ ان چینیوں میں تبتی نسل کے لوگوں کے علاوہ وہ تاتاری بھی تھے

جن کا حکمران عظیم خاقان کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو آسمان سے اُترے ہوئے اور اس کے پروردہ کہتے تھے اور اپنا روحانی سلسلہ اسی سے قائم کرتے تھے۔ اس جہالت اور اُجڈپن کا سلسلہ ان میں صدیوں تک چلتا رہا۔

اس قدیم نسل کے حکمران کا نام یانشو تھا جس نے گردوپیش کی جملہ حکومتوں کو اپنے زیرنگیں کرکے ان کے خزائن واموال پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ پھر اس جنگجوئی کی عادت کے بدولت ان میں باہمی پھوٹ بھی پڑگئی ورنہ انہوں نے اس سے قبل دارا ابن دارا پر فتح حاصل کرکے فارس تک پر قبضہ جمالیا تھا لیکن اب ان کے ظلم وجبر سے نہ خراسانیوں کو کہیں پناہ تھی نہ عراقیوں کو۔ ویسے اس سے بہت قبل سکندر بن فیلقوس یونانی نے بھی ساری دنیا کو فتح کرنے کے شوق میں مغرب سے مشرق تک بہت سے ممالک روند ڈالے تھے اور اب یہ چینی بھی اپنے آباؤ اجداد کے عمدہ خصائل اور عدل وانصاف سے روگردانی کرکے سکندر یونانی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کررہے تھے لیکن انہیں جابر وظالم اور جاہل وخونخوار لوگوں میں یکایک ایک انقلاب آیا جس کا ذکر مجھ سے ابوزید حسن بن یزید سیرانی نے کیا۔ یہ شخص درحقیقت بہت پڑھا لکھا اور شریف وسنجیدہ آدمی تھا جو سیراف سے بصرہ منتقل ہوگیا تھا۔ اس نے ابوزید ابن عمر بن زید بن محمد بن مُرد بن سیاسار سیرانی کے بارے میں مجھ سے ۳۰۳ ہجری میں یہ واقعہ بیان کیا تھا اس نے کہا تھا کہ یہ ابوزید ابن عمر بن زید بن محمد بن مُرد سیاسیا د سیرانی بصرے سے کچھ قیمتی مال لے کر چین گیا تھا۔ اس وقت وہاں کے مشہور شہر حمدان کا جو حکمران تھا وہ بھی اپنے قریبی زمانے کے اسلاف کا پیرو تھا۔ اس نے نہ صرف سارے چین بلکہ عمان وسیراف سے لے کر عراق بلکہ جملہ رومی وترکی علاقے فتح کرڈالے تھے۔

حمدان بڑا پُررونق شہر تھا اس کے گردوپیش کی بستیاں اور ان کے گلی کوچے نیز بازار گہما گہمی کے لحاظ سے اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، سارے ملک میں نہروں کا جال پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف سرسبزی وشادابی نظر آتی تھی، اجناس اور دیگر غذائی چیزوں کی کثرت تھی۔ اب تک اہل چین کسی قدر متمدن دنیا سے روشناس ہوچکے تھے تاہم ان میں فطری وجبلی خونخواری ہنوز برقرار تھی۔

ابوزید ابن عمر جب اپنا مال لے کر حمدان پہنچا تو اسے وہاں کے حکمرانوں کے سامنے پیش کیا گیا، اس کا سارا مال ضبط کرلیا گیا بلکہ اسے کوڑے تک لگائے گئے، لیکن اس نے صبر کیا اور آہ تک نہ کی یہ دیکھ کر اس حکمران نے ترجمان کے ذریعہ اس کا حسب ونسب دریافت کیا: "یہ صبر وضبط، یہ تحمل وبردباری اور یہ ثبات واستقامت تجھ میں کہاں سے آیا؟ کیونکہ اب تک میں یہودیوں اور

نصرانیوں کو بلا استثناء اپنے سامنے لرزتے کانپتے، چیختے چلاتے اور گریہ وزاری کرتے دیکھا ہے۔" ابوزید ابن عمر نے بڑے تحمل سے کہا: "اگرچہ میں بھی نسلاً سامانی ہوں لیکن جب سے خدا کے پیغمبر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا عرب میں ظہور ہوا اور آپ کی ہدایت پاکر ہم نے بت پرستی اور زمانہ جاہلیت کی جملہ وحشیانہ عادات و رسوم ترک کر دیں اور اسلام لانے کے بعد ہر برائی سے توبہ کر لی۔ میری جن صفات پہ آپ کی نظر گئی وہ ہماری مذہبی تعلیمات کا نتیجہ ہیں۔" یہ سن کر وہ جابر و ظالم اور وحشی و خونخوار انسان جو اس وقت اکثر خطۂ زمین کا مطلق العنان فرمانروا تھا کچھ دیر خاموش رہا اور پھر ایسا متاثر ہوا کہ اس نے ابوزید ابن عمر کا نہ صرف مال واپس کر دیا بلکہ اسے کافی انعام و اکرام کے ساتھ رخصت کیا، پھر اس نے فارس، ہندوستان اور عراق وغیرہ کے ساتھ حسن سلوک کا ثبوت دیا۔

اہل چین کی حذاقت

اہل چین نے نقاشی وصنعت گری میں جو کمال حاصل کیا ہے وہ بنی نوع انسان میں آج تک کوئی حاصل نہ کر سکا۔ ان میں ایک شخص ایسا ہے جو اپنے ہاتھ سے وہ چیزیں بناتا ہے جو دنیا بھر میں کوئی دوسرا نہیں بنا سکتا۔ اس نے اپنے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کی تیار کردہ اشیا و شاہی محل کے صدر دروازے پر نصب کی جائیں اور اعلان کیا جائے کہ اگر کوئی شخص ان میں کسی خامی کی نشاندہی کر سکتا ہو تو کرے لیکن اب تک ایک شخص بھی ایسا نہ کر سکا۔ ایک اور شخص نے جامۂ حریر پہ سنبل کا درخت بنایا اور اس کی شاخوں پہ مصنوعی چڑیاں اس طرح بیٹھی ہوئی دکھائیں کہ ہر دیکھنے والا سنبل کے مصنوعی درخت کو اصلی درخت اور اس کی شاخوں پر بیٹھی ہوئی مصنوعی چڑیوں کو اصل چڑیاں سمجھتا ہے۔ بادشاہ نے ایک کامل الفن مصور کو بھی یہ حریری پہ دہ ایسی جگہ لٹکا کر دکھایا کہ وہ بظاہر باغ کا ایک حصہ معلوم دیتا تھا لیکن وہ مصور بھی دھوکا کھا گیا اور وہ انھیں یعنی درخت اور چڑیوں کو اصلی سمجھا۔ اس پہ بادشاہ نے مذکورہ بالا نقاش کو اتنے بڑے انعام سے نوازا جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کسی فن کار کے تخلیقی کام کی قدردانی کی انتہا ہے۔

ہم نے اس قبیل کے چینی عجائبات کا تفصیلی ذکر کچھ اپنی پہلی کتاب "اخبار الزماں" میں اور باقی اپنی دوسری کتاب "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ یہاں نمونۃً یا مثالاً صرف دو کامل الفن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

جملہ سمندروں، ان کے گردو پیش کے عجائبات، اقوام، مراتب الملوک، اندلس اور اس کے معاون وغیرہ کا تفصیلی بیان

ہم نے زیر نظر کتاب کے ایک پچھلے باب میں اتصال و انفصال کی نسبت سے دنیا کے جملہ سمندروں کا صرف ترتیب وار ذکر کیا ہے۔ اس باب میں ہم ان کے گردو پیش کے عجائبات، ان کے قرب و جوار میں بسنے والی اقوام، ممالک اور ملوک وغیرہ کا ذکر کریں گے اور اس کی ابتدا بحر حبشی کے قرب و جوار کے حالات و کوائف سے کی جا رہی ہے۔

بحر ہند و چین و فارس کا تلاطم اور سکون

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہندوستان، چین اور ایران کے سمندروں کے پانی ایک دوسرے سے متصل اور غیر منفصل ہیں اور ان کا اختلاف مذکورہ بالا سمندروں کی تلاطم و سکون کی کیفیات کی بنا پر ہے۔ ان سمندروں میں تلاطم اور سکون کے لحاظ سے یہ اختلافات ان ممالک کے موسموں اور ہواؤں کے تغیرات کی وجہ سے ہیں۔ اس کے علاوہ ان سمندروں کی یہ کیفیات اور سکون و ہیجان کی ایک وجہ سورج کے ایک برج سے دوسرے برج میں منتقل ہونے سے منسلک ہے۔ ان سمندروں میں کشتی رانی کرنے والے کچھ ملاح ان باتوں سے واقف ہیں اور جو ناواقف ہیں انہیں متعلقہ سمندروں میں اچانک آنے والے طوفانوں کا مقابلہ اور اکثر و بیشتر ان کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ ناواقفیت کی بناء پر وہ نہیں جانتے کہ سورج جب سنبلہ میں داخل ہوتا ہے یا استوائے خریفی کے قریب ہوتا ہے یا برج حوت کی طرف منتقل ہونا شروع کرتا ہے یا سنبلہ کی طرف لوٹتا ہے یا جوزاء میں ٹھہرتا ہے یا قوس میں ہوتا ہے تو متعلقہ سمندروں میں کیا تغیرات پیدا ہوتے ہیں۔ ان ملاحوں کو یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بحر چین سے بحر ہند تک اور بحر ہند سے بحر فارس تک کتنا فاصلہ ہے لیکن جن باتوں کا ہم نے سطور بالا میں ذکر

کیا یا ان کا ذکر ابومعشر المنجم نے اپنی گراں قدر کتاب "مدخل الکبیر الی علوم النجوم" میں کیا ہے ان سے جو ملاح ناواقف ہوتے ہیں وہی مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔ ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم عربوں کے موسمی تغیرات کے مقابلے میں چین اور فارس کے موسم الگ ہوتے ہیں، مثلاً ان اطراف میں مسلسل بارشوں کا موسم جب ہمارے ہاں موسم خشک ہوتا ہے، یہی حال سردی، گرمی اور خزاں یا بہار کے موسموں کا ہوتا ہے، جو علاقے بحر ہند و سندھ سے متصل ہیں وہاں کے موسم یکساں ہوتے ہیں لیکن فارس اور اس سے آگے کے علاقوں کے موسم ان سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان موسموں کے قرب و بعد کی ایک وجہ ان علاقوں سے سورج کا مختلف اوقات میں قرب و بعد بھی ہے۔ ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ بحر فارس، بحر حبشی میں بلاد خارک تک اور قطر، عمان، سراندیپ (سیلون) وغیرہ کے سمندروں میں غوطہ خوری اور موتی نکالنے کے موسم کون کون سے ہیں اور یہ کہ وہاں کے سمندر کن موسموں میں موتیوں سے پُر اور کن موسموں میں ان سے خالی ہوتے ہیں، نیز یہ کہ ان سمندروں سے برآمد ہونے والے سیپ کن دنوں میں موتیوں سے پُر ہوتے ہیں اور کن ایام میں کبھی گوشت اور کبھی صرف چربی نکلتی ہے۔ ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں غوطہ خوروں اور ان حضرات کے استفادے کے لیے جو سمندروں سے موتیوں کے علاوہ دوسرے سمندری خزانوں اور ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔
یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ صرف کن اوقات میں سمندر کی بالائی سطح کے قریب ہوتے ہیں اور کب اور کیوں ان کی گہرائیوں میں چلے جاتے ہیں نیز یہ کہ غوطہ خوروں کو خطرناک مچھلیوں کے علاوہ کن سمندری دواب اور دیگر حیوانات سے بچنا چاہیے اور یہ کہ کن کن سمندروں کی گہرائی میں نباتاتی جال پھیلے ہوتے ہیں جن میں ایک بار پھنس کر ان کے لیے جان چھڑانا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا حالانکہ یہی نباتات بنی نوع انسان کے لیے غذائی اشیاء فراہم کرنے کے علاوہ طبی لحاظ سے کن فوائد کی حامل ہیں۔ یہاں ہم بالاختصار مذکور الصدر سمندروں کا ذکر کر رہے ہیں۔

سب سے پہلے اس سمندر کو لیجیے جو بصرہ و ابلہ کے متصل ہے اور یہی وہ سمندر ہے جو نواح بصرہ تک بحرین کہلاتا ہے۔ دوسرا سمندر "لاروی" ہے جس کے اطراف میں میمور، سوبارہ، تابہ، سندان، اور کنبایہ کے شہر آباد ہیں۔ اس کے بعد "بحر کردنج" ہے، پھر "بحر صنف" پھر بحر چین ہے جسے "بحر صنجی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی سمندر نہیں ہے۔ بحر فارس جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ بصرے کے علاقوں تک پھیلا ہوا ہے، وہیں "کلفا" نامی مشہور جگہ ہے یہاں سے عمان تک جو ۳۰۰ فرسخ کا فاصلہ ہے اس پہ جگہ جگہ کشتی رانوں کے لیے علامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اسی

راستے میں بحرین کا شہر، عمان کا قصبہ سنجار اور فرس جسے "مزون" بھی کہتے ہیں، نیز مسقط تک اور کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں آتی ہیں۔ مسقط ہی وہ مقام ہے جہاں سے اس سمندر میں سفر کرنے والے ملاح اور دوسرے لوگ میٹھا پانی لے کر ذخیرہ کر لیتے ہیں تاکہ آگے سفر میں راس الجمجمہ تک اس کی تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ مسقط سے راس الجمجمہ کا فاصلہ ۵۰ فرسخ ہے، یہ بحر فارس کی حد ہے۔ بحر فارس کا مجموعی طول ۴۰۰ فرسخ لیکن راس الجمجمہ ہی مسافروں اور ملاحوں کی منزل ہوتی ہے۔ راس الجمجمہ سرزمین شحر واحقاف میں یمن کے پہاڑی علاقے کے نشیب میں ہے جس کی گہرائی کسی کی واقفیت سے باہر ہے، خدا ہی جانے کہ اس کی تہہ تک کتنی گہرائی ہے۔ جب ہم نے دنیا کے بری علاقوں کا ذکر کرتے ہوئے ارض روم کے پہاڑی علاقوں کا ذکر کیا تھا کہ اس کے نشیب میں جزیرہ قبرص کے متصل جو سمندر ہے اس کی گہرائی اندازاً کتنی ہے۔ اس سمندر میں چونکہ پہاڑی چٹانیں بھی ہیں اس لیے اس سے گزرتے ہوئے پہلے اکثر کشتی میں سفر کرنے والے ملاح اور دوسرے مسافران چٹانوں میں پھنس کر غرق ہو گئے تھے۔

اب ہم دوسرے سمندر کا ذکر کرتے ہیں جو "لاوری" کے نام سے مشہور ہے۔ بحرین سے اس کی مسافت کہیں تین مہینے کی ہے، کہیں دو مہینے کی اور کہیں صرف ایک مہینے کی، لیکن ان سمندر کے ٹکڑوں کی گہرائی بھی کسی کو معلوم نہیں۔ یہاں کشتیوں کے سلامتی سے گزر جانے کا انحصار بادِ موافق پر ہوتا ہے جو معرض اشتنیا ■ میں ہوتی ہے، دوسری صورت میں بحر حبشی کے برعکس بحر لاروی میں ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے۔ ویسے اپنی جگہ یہ سمندر شدید طور پہ طوفانی نہیں ہے۔ بحر لاروی کے عرضی علاقے میں بحر زنج اور اس کے ساحلی علاقے کی بستیاں بھی ہیں۔ اس سمندر یعنی بحر لاروی میں عنبر بہت کم ہوتا ہے کیونکہ عنبر کی کثرت اگر کہیں ہے تو وہ صرف بحر زنج کے علاقے ہیں یا سرزمین عرب کا ساحل شحر کے باشندے کچھ قضاعتی ہیں اور کچھ اہل عرب لیکن موخر الذکر لوگوں کی عربی زبان بھی عرب کے اصلی باشندوں سے مختلف ہے۔ یہ لوگ "مہرہ" کہلاتے ہیں اور عربی میں کاف کی جگہ شین بولتے ہیں مثلاً اگر "معک" (آپ کے ساتھ) کہنا ہو تو یہ لوگ اس کی جگہ "معش" کہیں گے۔ اس کے علاوہ ان کی دوسری گفتگو میں بھی اہل عرب کے لیے اجنبیت پائی جاتی ہے۔ یہ لوگ معاشی طور پہ بھی تنگدستی اور افلاس کا شکار ہیں۔ یہ لوگ ایک خاص قسم کی کشتی بناتے ہیں جسے "نجب" کہا جاتا ہے، یہ بڑی تیز رفتار ہوتی ہے ویسے جب یہ لوگ اپنے سمندر کے ساحلی علاقوں سے عنبر جمع کر کے ان میں لادتے ہیں تو اس کی مقدار اکثر اتنی ہوتی ہے کہ اس کے بوجھ سے ان بے چاروں کی کشتیاں گہرے پانی میں پہنچ کر اکثر و بیشتر غرق ہو جاتی ہیں۔ یہاں جو عنبر ملتا ہے وہ میری نظر سے گزرا ہے، وہ گولوں کی شکل میں اور تی

رنگ کی عجب نادر چیزیں ہوتی ہیں۔ ان ساحلی علاقوں کی مچھلیاں اکثر عنبر نگل لیتی ہیں اور گہرے پانیوں میں چلی جاتی ہیں لیکن غوطہ خور وہاں اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر جال پھیلاتے اور انھیں پکڑ لاتے ہیں اور پھر ان مچھلیوں کا پیٹ چاک کر کے عنبر نکالا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی ان مچھلیوں کے پیٹ سے بھی صرف چھوٹی مچھلیاں ہی نکلتی ہیں جس کی وجہ سے یہ مچھیرے اکثر تنگدست رہتے ہیں۔ بہرحال ان مچھلیوں کے گوشت اور چربی ہی سے سہی بحر ہند و فارس کی طرح روزی کا کچھ نہ کچھ سامان فراہم ہو جاتا ہے۔ بحر ہند اور تیسرے سمندر کے درمیان جسے "بحر ہرکند" کہا جاتا ہے بے شمار جزیرے ہیں۔ کچھ لوگ ان جزیروں کی تعداد ایک ہزار بتاتے ہیں لیکن ان جزائر کی صحیح تعداد ایک ہزار نو سو ہے اور وہ سب کے سب آباد ہیں۔ ان جزائر پر عورتیں حکومت کرتی ہیں اور یہاں کسی مرد کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ یہ بات عجیب و غریب سہی لیکن حقیقت یہی ہے۔ ان جزیروں کا درمیانی فاصلہ کہیں ایک فرسخ، کہیں دو فرسخ اور کہیں تین فرسخ ہے۔ ان جزیروں میں سے ہر جزیرے پر ناریل کے درخت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان جزیروں پر ناریل کے درختوں کا پایا جانا حیرت انگیز ہے لیکن قدرت کے نزدیک کوئی بات ناممکن نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ بحر ہند کے چوپایوں نے کبھی اس کے ساحلوں پر پیدا ہونے والے ناریل کے درخت اور ان کے پھل کھائے ہوں گے اور وہ جب سمندر میں طغیانی یا اس طرف بہاؤ کی وجہ سے اس سمندر میں آئے ہوں گے جو ان جزیروں کے نشیب میں تھا تو لامحالہ کچھ نیچے کناروں سے ان جزیروں پہ آ گئے ہوں گے اور خوراک کی نایابی کی وجہ سے یہیں مر کھپ گئے ہوں! پھر ان کی کھاد سے کچھ پودے پھوٹے ہوں گے قدرتی طور پر جو نشو و نما پا کر تناور درخت بن گئے ہوں گے۔ بہرحال جو صورت ہوئی ہو ان جزیروں کی آبادیوں کی گزر بسر انھیں درختوں کے پھلوں پر ہے یا مچھلیوں پر لیکن اسے کرشمۂ قدرت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ عورتوں کے ان جزیروں کی حفاظت کے لیے نہ جیوش ہیں نہ کچھ اور۔ یہ عورتیں وہاں کب اور کیونکر پہنچیں اور ان کا نظام حکومت کیا ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

آب و ہوا کے اثرات

آب و ہوا کے اثرات پر ہم اپنی کتاب "القضایا والتجارب" میں مفصل گفتگو کر کے بتا چکے ہیں کہ بنی نوع انسان کے علاوہ حیوانات و نباتات تک پر آب و ہوا کے اثرات کیا ہوتے ہیں اور مثال کے طور پر ترکوں کے اعضا و جوارح، ان کی اعصابی قوت اور ان کا رنگ پیش کر چکے ہیں۔ جس سمندر کا اس وقت ہم ذکر کر رہے ہیں اس کے گرد و پیش کی آبادیاں بھی مقامی آب و ہوا سے متاثر ہوئی ہیں اور یہیں کا کیا ذکر ہے ساری دنیا میں مشرق سے مغرب تک ہر خطۂ ارضی میں مقامی آب و ہوا کے اثرات کا اندازہ وہاں کے باشندوں کے قد و قامت اور

چہرے مہرے سے لگایا جا سکتا ہے۔ یہاں کے باشندوں کے قد و قامت اور چہرے مہرے پر بھی مقامی آب و ہوا کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ ویسے یہاں کوئی قابل ذکر صنعت بھی نہیں ہے لیکن یہاں سے جزیرۂ سراندیپ تک درخت خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ جزیرۂ سراندیپ ان جزائر کی آخری حد پر واقع ہے اور وہاں سے رامین تک تقریباً ایک ہزار فرسخ کا فاصلہ ہے لیکن جن جزائر کا ہم ذکر کر رہے ہیں وہاں سے اور جزیرۂ سراندیپ سے رامین تک اہل زنج کے ذریعہ ناریل کی حمل و نقل کثرت سے ہوتی ہے، ویسے رامین میں سونے کی کانیں کثرت سے ہیں اور وہاں مال و دولت کی بھی کثرت ہے لیکن وہاں بھی ہزار طرح کے استعمال کے لیے ناریل اور عنبر یہیں سے جاتا ہے۔ اس کی سرحد بلاد قنصور سے ملتی ہے جہاں کافور پایا جاتا ہے۔ کافور کی اتنی کثرت سے دستیابی کی بنیاد وہاں زلزلوں کی کثرت اور اس خطہ ارضی پر آسمان سے بجلی کا کثرت سے گرنا بتایا جاتا ہے۔ قنصور کا علاقہ چونکہ اشجار سے محروم ہے اس لیے وہاں کے باشندوں کی گزر بسر کافور کی برآمد کے علاوہ اس ناریل پر ہے جو جزیرہ سراندیپ اور ان جزائر سے منگایا جاتا ہے۔ یہ ناریل اکثر ناریل سے تبادلے کے طور پر درآمد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس علاقے کے باشندوں کی زیادہ تر خوراک ناریل ہی ہے لیکن وہ کبھی کبھی انسان کا گوشت بھی کھانے لگتے ہیں۔ اس علاقے سے سونے کے علاوہ بقم اور خیزران نیز دیگر خوشبودار چیزیں بھی جن کے نام ہمیں معلوم نہیں باہر بھیجی جاتی ہیں۔ اس جزیرے کے قریب ایک اور جزیرہ یا جزائر کا مجموعہ نجبالوس (جابوس) ہے جہاں کے باشندے بڑے عجیب الخلقت ہیں۔ جب کوئی کشتی ان کے کسی ساحل سے آکر لگتی ہے تو وہ ناریل اور عنبر لے کر دوڑ پڑتے ہیں اور ان کے بدلے میں حریر اور دوسرے کپڑے حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ ان کے پاس درہم و دینار ہوتے ہی نہیں جو وہ ان کشتی والوں کو دے سکیں۔ ان جزائر کے قریب ایک جزیرہ اندمان (انڈومان)[1] کے نام سے موسوم ہے وہاں کے باشندے انتہائی کالے کلوٹے اور بدصورت ہوتے ہیں۔ ان کا قد بھی ایک گز سے زیادہ نہیں

---

[1] ہندوستان پر برطانوی حکومت کے زمانے میں یہ جزیرہ بھی ہندوستان کے برطانوی مقبوضات میں شامل تھا اور وہاں ہندوستان سے وہ قیدی بھیجے جاتے تھے جنہیں عمر قید کی سزا دی جاتی تھی اور اس سزا کو "سزا العبور دریائے شور" کہا جاتا تھا۔ واضح رہے کہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحومؒ اور کچھ دوسرے سیاسی قیدیوں کو بھی وہاں بھیجا گیا تھا لیکن کچھ مدت بعد سیاسی مصالح کی بنا پر انہیں رہا کر دیا گیا تھا (مترجم)

ہوتا، اسی طرح عقل و شعور کے لحاظ سے بھی وہ گئے گزرے ہیں اور ان کے قدم بھی ان کے قد کے لحاظ سے اُٹھتے ہیں۔ ان کے پاس اپنی کشتیاں بھی نہیں ہیں۔ ان میں سے جو شخص سمندر میں ڈوب کر مرجاتا ہے وہ اسے کھا لیتے ہیں۔ اسی طرح وہ کبھی کبھی ان کشتی والوں پر بھی ہاتھ صاف کر جاتے ہیں جو بھولے بھٹکے ان کے ساحلی علاقے میں آنکلتے ہیں۔ مجھ سے سیاحوں کی ایک جماعت نے بیان کیا کہ انہوں نے اس جزیرے کے قریبی سمندر پر ایک سفید بادل دھواں بن کر لاٹ کی شکل میں اترتا دیکھا اور جب وہ آسمان کی طرف پلٹا تو اس کے ساتھ سمندر سے موجیں اُٹھیں جن میں سمندر کی بہت سی اشیاء تھیں پھر وہی دھواں انھیں سمندر پہ بارش بن کر بکھیر گیا۔

بحر کلاہبار

جملہ سمندروں کی تعداد اور ان کے ترتیب وار نام ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ ان میں چوتھا سمندر بحر کلاہبار ہے۔ اس سمندر کی گہرائی بہت کم ہے اور اسی نسبت سے اس میں قلت آب بھی ہے اور جس سمندر میں یہ دونوں باتیں ہوں وہاں آفات کی شدت اور خباثتوں کی کثرت ایک لازمی امر ہے۔ بہر نوع اس سمندر میں بھی بہت سے جزیرے ہیں جن میں سے ایک کا نام "صرو" ہے۔ اس جزیرے کا نام ان ملاحوں نے رکھا ہے جو خلیجین سے آتے ہوئے اس سمندر سے گزرتے ہیں اور ان کے راستے میں پہلا جزیرہ ہی آتا ہے۔ ویسے جیسا ہم نے ابھی عرض کیا اس سمندر میں جزیرے تو بہت ہیں اور کچھ عجیب و غریب پہاڑ بھی ہیں لیکن یہاں ہم نے ان کی تفصیلات کو بخوف طوالت عمداً صرف نظر کر دیا ہے۔

بحر کردنج

ہماری پیش کردہ ترتیب کے لحاظ سے پانچواں سمندر بحر کردنج ہے جو ان اطراف میں اسی نام سے مشہور ہے۔ اس سمندر میں بھی پہاڑ اور جزیرے بہت سے ہیں جن میں کافور بھی پایا جاتا ہے۔ یہاں جو قوم آباد ہے اسے مقامی زبان میں "فنجب" کہتے ہیں۔ جب یہ لوگ کشتیوں کو اس طرف سے گزرنے کی اجازت بھی دے دیتے ہیں تو کشتی والوں کو بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ ان پہاڑوں میں چاندی سونے کی کانیں ہیں اور رصاص کی بھی جو چاندی سے مشابہ ہوتا ہے اور اسے سفید سونا کہا جاتا ہے۔

بحر صنف

بحر کردنج کے متصل بحر صنف ہے۔ اس میں بھی بہت سے جزیرے ہیں جنہیں ہم نے یونہی سا دیکھا ہے۔ ان جزائر کا حکمراں "ملک الجزائر" کہلاتا ہے۔ اس کے حفاظتی لشکر کا ہمیں کچھ اندازہ نہیں ہو سکا، ویسے بھی اس کے مقبوضات میں نظم و ضبط کی کمی ہے۔ یہاں کشتیوں میں سفر کرنے والوں کا داخلہ ممنوع ہے اس لیے یہاں سے برسوں کوئی مسفری کشتی نہیں گزرتی یہاں سے جو خوشبودار چیزیں مثلاً کافور، عود، صندل، جوز، لبیاسہ، کبابہ وغیرہ باہر جاتی ہیں وہ باقاعدہ

اجازت اور تجارتی معاہدوں کی بنیاد پڑ جاتی ہیں۔ یہاں سے بحر چین تک بے شمار جزیرے ہیں۔ ان جزیروں میں جو اقوام آباد ہیں ان کی صورتیں عجیب اور رنگ جُدا جُدا ہیں۔ ان کی آوازیں بھی عجیب وغریب ہیں۔ جہاں تک ان کے بالوں کا تعلق ہے وہ انھیں سر سے دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں طرف چھوڑ لیتے ہیں، بالوں کی طرح ان کی عقل بھی منقسم معلوم ہوتی ہے۔ یہ جزیرے جو اس سمندر سے بحر چین کی حد تک ہیں ان کا شمار اور ان کی حدود کا پتہ لگانا ناممکن ہے۔ ان کے پہاڑوں سے رات دن آگ اُبھرتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے دن بھی رات کی طرح تاریک ہوتے ہیں لیکن وہاں کے پہاڑوں سے جو شعلے بلند ہو کر آسمان تک جاتے ہیں انہیں کو روشنی کا ذریعہ سمجھ لیجیے۔ کہتے ہیں جب ان کا کوئی حکمران مرنے کے قریب ہوتا ہے تو ان پہاڑوں سے بادلوں کی گرج کی طرح آوازیں آتی ہیں جو بڑی ہیبت ناک اور بلند ہوتی ہیں مگر کسی امیر آدمی کی موت کے وقت یہ آوازیں ہلکی ہوتی ہیں، کہتے ہیں کہ ایک زمانے سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ ان جزائر کے قریب ایک جزیرہ ایسا بھی ہے جہاں سے ہر وقت بڑی دل آویز گانے اور رقص وسرود کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔ قریبی جزائر کے باشندوں کا خیال ہے کہ اس جزیرے پر دجال کی حکومت ہے اور وہ خود بھی وہیں مقیم ہے۔ ویسے مذکورہ بالا جزائر سب کے سب مہراج کی ملکیت ہیں اور وہی ان سب کا واحد حکمران ہے۔ اس سمندر میں جزائر کی مسافت ایک سرے سے دوسرے سرے تک تقریباً چار سو فرسخ ہے۔ اس کے آگے جو بستیاں آتی ہیں انھیں میں زانج اور راسی کے جزیرے بھی شامل ہیں لیکن ان آبادیوں کی حدود ان کے باشندوں اور حکمران کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا لیکن یقینی طور پر اس پورے سمندر پر جو بحر صنف اور چھٹا سمندر ہے مذکورہ بالا ایک ہی شخص کی حکمرانی ہے۔

بحر چین

ہماری مذکورہ ترتیب کے لحاظ سے ساتواں سمندر بحر چین ہے جسے عموماً "بحر صنجی" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سمندر تلاطم کی شدت کی وجہ سے بڑا خوف ناک وخطرناک سمندر ہے جس میں کشتی رانی قریباً ناممکن ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کی زبانی سُننے میں آیا کہ اس سمندر کے اندر سے کالے کالے آدمی جن کے قد چار چار پانچ پانچ گز تک ہوتے ہیں نکلتے ہیں، وہ سمندر کی تہہ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اُبھرتے ہیں۔ اس وقت سمجھ جاتے ہیں کہ اب سمندر میں شدید ترین طوفان آنے والا ہے۔ ممکن ہے یہ ان لوگوں کا صرف واہمہ ہو جو طوفانوں کے خوف سے ہمہ وقت گھبراہٹ کے عالم میں رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ویسے جن اشکال کو بحر چین کی متصل بستیوں کے باشندے کشتی والے عجیب الخلقت لوگ بتاتے ہیں وہ سُنا ہے ایذا رساں نہیں ہوتے۔ ہمارا قیاس یہ ہے کہ جس طرح

بحر حبشی اور بحر روم سے عجیب و غریب شکلوں کے پرندوں جیسے اجسام جن پر نظر نہیں ٹھہرتی باہر نکل کر سطح آب پر معلق ہو جاتے ہیں وہی حال یہاں کی ان مذکورہ شکلوں کا بھی ہو جنہیں یہ لوگ "اہل المراکب" (کشتی والے) اجنبی بتاتے ہیں - فرق اتنا ہے کہ اول الذکر سمندروں میں ایسی بعید الفہم اشکال کے سطح آب سے ابھر کر ہوا میں معلق ہونے کے بعد تلاطم میں کمی آجاتی ہے مگر اس کے برعکس یہاں ایسی صورت بڑے بڑے طوفانوں کی آمد کا پیش خیمہ ہوتی ہے - بہرحال ان سیرانی اور عمانی ملاحوں سے جو کبھی کبھار اس سمندر سے گزرتے ہیں شدید تلاطم کے علاوہ اور کوئی بات سننے میں نہیں آئی - یہاں کے بعض مقامی باشندے ترک (چینی ترکستان کے لوگ) ہیں ان کا رنگ سفید ہوتا ہے -

میں نے بلخ میں ایک خوبصورت بزرگ کو دیکھا جو بہت ہی عاقل و ذی فہم تھا - وہ چین کے اندرونی علاقوں میں بارہا گیا تھا لیکن اس نے سمندری راستہ اختیار نہیں کیا تھا - میری وہاں کچھ ایسے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی جو ان علاقوں کے رہنے والے تھے جو علاقہ صغد اور نوشادری پہاڑوں کے قریب ہیں اور جن کی سرحدیں تبت اور چین سے ملی ہوئی ہیں - یہ علاقے رفتہ رفتہ ہندوستان، خراسان، منصورہ، ملتان وغیرہ تک بڑھتے چلے جاتے ہیں اور آگے جا کر زابلستان سے جا ملتے ہیں جو فیروز بن کبک کی ملکیت ہے - وہاں عجیب و غریب قلعے (مقامات) ہیں جہاں تک رسائی ناممکن ہے کہتے ہیں کہ یہاں کے باشندے یافث بن نوح کی نسل سے ہیں لیکن بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ فارس ہی کی قدیم نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں -

تبت

تبت کا علاقہ چین سے الگ اور کسی قدر امتیازی حیثیت کا حامل ہے ان کی زبان بھی چینی زبان سے الگ ہے - وہاں کے باشندے حمیری یعنی کھلتے ہوئے گندمی رنگ کے ہیں - ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کا ذکر ہم نے ملوک یمن کے تحت اسی کتاب میں کیا ہے - ان میں سے کچھ ایک ہی جگہ رہتے ہیں اور کچھ خانہ بدوش ہیں - ان میں ترکی نسل کے لوگ خال خال ہی ملتے ہیں اور یہی لوگ قدیم زبانوں کی نسلوں سے سمجھے جاتے ہیں - یہ لوگ ترکوں کی جملہ نسلوں میں امتیازی حیثیت رکھتے ہیں - تبت کی آب و ہوا اور پہاڑوں کے عجیب و غریب خواص ہیں - یہاں کے لوگوں کو کسی نے کبھی افسردہ اور غمگین و ملول نہیں دیکھا، بوڑھوں، جوانوں، بچوں اور عورتوں مردوں سب کا یہی حال ہے - وہ ہمیشہ ہشاش بشاش، خوش و خرم، ہنستے مسکراتے، گاتے اور گنگناتے رہتے ہیں یہ شاید ان پہاڑی آبادیوں میں پائی جانے والی ان جڑی بوٹیوں کا اثر ہے جو یہاں ہر جگہ کثرت سے پائی جاتی ہیں - یہاں کوئی مر بھی جائے تو دوسرے تو کیا اس کے لواحقین بھی گریہ و زاری میں مبتلا

نہیں ہوتے بلکہ اسے ایک عمل فطرت سمجھتے ہیں جو عوام و خواص سب کے نزدیک ایک محبوب و مطلوب چیز ہے۔ ان کی جملہ بستیوں کا یہی حال ہے۔ اس کا ثبوت وہاں کے حمیری باشندوں کے اقوال سے بھی ملتا ہے جو دوسروں پر اپنی اس فطری برتری کے گن گاتے ہیں۔ جس طرح مشہور شاعر عرب دعبل بن علی خزاعی نے اپنے قبیلے قحطان کی بنو نزار پر برتری کا ذکر ایک قصیدے میں یوں کیا ہے :-

"انہوں نے مرو کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے — اور چین کی بابت جو ہم بھی لکھ چکے ہیں
انہوں نے سہام کا رشتہ سمرقند سے جا ملایا ہے — اور اب خود تبت سے منسلک ہونے والے ہیں"

ہم ان کے حکمرانوں کا ذکر ملوک یمن کے ذکر کے ساتھ جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا عنقریب کریں گے اور یہ بھی بتائیں گے کہ یہاں ان علاقوں کے لوگ جو چین میں شامل ہیں بلکہ چین کے ترکستانی علاقوں اور ان کے علاوہ ہندوستان اور خراسان وغیرہ کی نسلیں یہاں کیسے پہنچیں کیونکہ یہاں کے لوگوں کی نسلیں موجودہ باہمی اختلاط کے باوجود مختلف ہیں۔ غالباً ان کے کچھ حکمرانوں نے اپنے بزرگ یمنی حکمرانوں کی طرح اپنی نسل کو "تبع" کہا اور اس نسل کے دوسرے لوگ جب اس طرف منتقل ہوئے تو اپنے قدیم دستور کے مطابق انہوں نے بھی اپنے آپ کو "تبع" کہا جو بگڑ کر بعد میں "تبت" بن گیا اور پھر جائے سکونت کے لحاظ سے وہاں بسنے والے سب کے سب تبع کے تبع تبتی کہلانے لگے اور حمیری زبان میں یہ تغیر زیادہ تر قرین قیاس ہے۔

مشک کے بارے میں جو بات ساری دنیا میں مشہور ہے وہ یہ ہے کہ اسے غزالوں کے شکم سے نافے کی شکل میں نکالا جاتا ہے لیکن اہل تبت اس کے مبداء کے بارے میں جو اصلیت بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ غزالوں کے شکم میں کچھ خون جم کر تکلیف دہ ہونے لگتا ہے تو وہ اسے پتھروں کے درمیان اُگل دیتے ہیں اور راحت محسوس کرتے ہیں۔ ان کا اگلا ہوا منجمد خون ابتدا میں بدبودار ہوتا ہے لیکن دھوپ کی تمازت سے جب پتھر گرم ہو جاتے ہیں تو ان کے درمیان پڑا ہوا وہ خون حد سے زیادہ سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو بھی زائل ہو جاتی ہے، پھر اس کے قریب جو خوشبودار پہاڑی بوٹیاں ہوتی ہیں ان سے مل جل کر اس میں مہک پیدا ہو جاتی ہے۔ اہل تبت اسے بڑے شوق سے جمع کرتے ہیں اور بیش قیمت چیز سمجھ کر محفوظ کر لیتے ہیں اور صرف خاص خاص لوگوں کو دیتے ہیں یہی وہ اصل اصلی مشک ہے اور وہ جب چین پہنچتا ہے تو وہاں بھی اسے بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے وہاں کے بادشاہ اسے اپنے احباب اور مہمانوں کو تحفے کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ بہر حال یہ تبت والوں کا بیان ہے جب کہ ہمارے خیال میں اصلی مشک وہ ہے جو نافے سے برآمد ہوتا ہے۔ جیسے پھل

درخت پر پختہ ہو کر ہی اچھے اور لذیذ ہوتے ہیں ورنہ پکنے سے پہلے توڑ لیے جائیں یا ہوا سے گر جائیں تو ناقص رہ جاتے ہیں انہیں پال میں رکھ کر پکانے سے ان میں اصلی لذت کی تلاش خلاف عقل ہے اسی طرح غزالوں کا تازہ خون کسی وجہ سے باہر آ جائے تو مصنوعی اور غیر فطری اسباب سے اس میں وہ خاصیت اور خوشبو کب پیدا ہو سکتی ہے جو مشک نافہ میں تکمیل پا کر اس کا امتیاز بنتی ہے۔

تبت کے علاوہ میں نے چینی، ترکی، ہندی اور زنجی بلکہ جملہ اطراف واکناف عالم کے بادشاہوں کو بابل کے بادشاہ کا احترام اور تعظیم سے نام لیتے دیکھا ہے اور انہیں یہ کہتے سُنا ہے کہ وہ (شاہ بابل) ایسا ہے جیسے ستاروں میں چاند ہوتا ہے اور اس کی اقلیم کو وہ اشرف الاقالیم کہتے ہیں لیکن یہ سب پُرانی باتیں ہیں اور اس سال رواں یعنی ۳۳۲ھ میں خواب وخیال ہو کر رہ گئی ہیں - فی زمانہ ہندوستان کی عظمت اس کے ہاتھیوں کی کثرت پر نہیں بلکہ علم وسیاست پر ہے اور اسی طرح دوسرے ممالک کی عزت وشہرت علم وحکمت پر مبنی ہے ورنہ پہلے بادشاہ اپنے ملکوں کی نسبت با وقار سمجھے جاتے تھے جیسے وزانی، الیوانی، ہمدانی، ساسانی، قحطانی، ایرانی، بابلی، اسلام کی نسبت سے مکی اور اپنے ملکوں ہی کی نسبت سے بخارا، بلخ، خراسان، بلقان، طبرستان، رے، شروان، جیلان، طرخان وغیرہ کے حکمران اور اسی طرح ایران کے کسریٰ، روم کے قیصر، حبشہ کے نجاشی اور ترکوں کے خاقان اپنے اپنے ملکوں کی فوجی قوت اور خزانوں کی کثرت سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ بہر حال اب ہم پھر اپنے تاریخی اور جغرافیائی سلسلے کی طرف آتے ہیں، پہلے صقلیہ، افریقہ اور بلادِ مغرب کے حکمرانوں جرجیر اور اندلس کے حکمران لذریق ہونے کا دعوےٰ کرتے تھے۔ مؤخر الذکر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قبیلۂ اشبان سے ہیں جس کا سلسلہ نسب یافث بن نوح سے ملتا ہے لیکن اُندلس کے مسلمان کہتے ہیں کہ اُندلس کے لذریق اندلس کے ملوک جلالقہ میں سے ہیں اور وہ یورپی نسلوں کی ایک شاخ ہے۔ اُندلس کا آخری لذریق وہ تھا جسے موسیٰ بن نصیر کے غلام طارق نے فتح اندلس کے دوران میں قتل کیا اور شہر طلیطلہ میں داخل ہوا۔ اس وقت طلیطلہ اندلس کا سب سے بڑا شہر اور اس کا دار السلطنت تھا۔ وہاں اُندلس کے مذکورہ بالا آخری تاجدار نے جلالقہ اور الوشکفر کی طرف سے ایک بڑی نہر نکالی تھی جو بحیرہ روم تک جاتی تھی۔ اہل جلالقہ اور ان کے ساتھ جو دُوسرے یورپی لوگ تھے انہوں نے اُندلس کے دفاع میں جان لڑا دی تھی۔ مذکورہ بالا نہر دنیا کی عظیم ترین نہروں میں شمار ہوتی تھی جس کے کناروں پر طلیطلہ کے علاوہ دُوسرے شہر طلبیرہ اور قنطرہ بھی آباد تھے۔ قنطرہ پہلے بادشاہوں کے دورِ حکومت میں "قنطرۃ السیف" کہلاتا تھا اور اس کے حدود بلاد سرحیہ میں سمیاط تک پھیلے ہوئے تھے۔ اُندلس پر بنی اُمیہ کی حکومت کے دَور میں

بھی طلیطلہ تک ان کی افواج کی رسائی مدتوں ناممکن بنی رہی لیکن بعد میں اسے عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن بن حکم بن ہشام ابن عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان بن حکم اموی نے ۳۲۵ھ میں فتح کیا اور وہی عبدالرحمٰن اب بھی یعنی ۳۳۲ھ تک اندلس کا حکمران ہے۔ اس حاکم اندلس عبدالرحمٰن کے ہاتھوں فتح ہونے تک طلیطلہ کئی بار از سرِ نو بسایا گیا تھا۔ آج کل اندلس کی حکومت قرطبہ تک جا پہنچی ہے۔ طلیطلہ سے قرطبہ تک چار منزلوں کا فاصلہ ہے اور قرطبہ سے بحر میسرہ تک تین دن کا سفر ہے اور ساحل سمندر تک سفر میں اشبیلیہ بھی آتا ہے۔ اموی حاکموں نے اندلس میں اسی قبیل کے چالیس شہر آباد کیے ہیں لیکن انہوں نے اتنی وسیع و عریض سرزمین پر مطلق العنان حکومت کے باوجود خلیفہ کا لقب اختیار نہیں کیا بلکہ ابھی تک "بنی خلفا" کہلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک صرف وہی لوگ خلیفہ اور امیر المومنین کہلانے کے مستحق جن کے دائرہ حکومت میں حرمین شریفین آتے ہوں۔

اُندلس میں بنو اُمیہ کا ورود

اُندلس میں بنو اُمیہ کا عمل دخل پہلی بار ۱۳۷ھ میں ہوا اور ان میں سے جو شخص سب سے پہلے وہاں پہنچا وہ عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروان تھا۔ اس نے اُندلس پر ۳۲ سال ۴ مہینے حکومت کی، اس کے بعد اس کا بیٹا حکم بن ہشام تقریباً ۲۰ سال حکمران رہا۔ جس کے بعد دوسرے کئی حکمرانوں کے بعد آج کل وہاں عبدالرحمٰن بن محمد کی حکمرانی ہے اور اس کا ولی عہد بھی عبدالرحمٰن ہی کے نام سے موسوم ہے۔ عبدالرحمٰن بن محمد سیرت و کردار اور عدل و انصاف کے لحاظ سے قابلِ تعریف انسان ہے۔ اس کے جدِ امجد عبدالرحمٰن نے جس کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں فارس کے ایک ہزار اشخاص کی معیت میں جلالۃ کو فتح کیا تھا۔ اب اس شہر کو سمورہ کہا جاتا ہے۔ اس کی شہر پناہ کے سامنے کسی زمانے میں آگے پیچھے سات عجیب و غریب سنگی سوار کھڑے کیے گئے تھے۔ ان سنگی سواروں کے درمیان جو فصل تھا ان میں خندقیں تھیں جو پانی سے لبریز رہتی تھیں۔ اس شہر کو پہلے سورین نے فتح کیا تھا لیکن جب مسلمانوں نے اس شہر پر قبضہ کیا تو اس کا دفاع کرنے والے ۴۰ ہزار اور بعض مورخین کے خیال میں ۵۰ ہزار لشکری مارے گئے تھے۔ اس کے بعد یورپی عیسائیوں کے معبد کے بعد مسلمانوں کے پاس اگر کوئی شہر باقی رہا تھا تو وہ چھوٹا سا شہر اربونہ تھا۔ تیسری صدی ہجری سے قبل ہزاروں سپاہیوں نے اُندلس کے ساحلی علاقے لوٹ لیے تھے اور اس کے بعد بھی وہاں قتل و غارت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ اہل اندلس نے سمجھا تھا کہ وہ مجوسی تھے اور وہی اس سمندری راستے سے جو بحر اوقیانوس سے جا ملا ہے۔ اگر ان کے ساحلی علاقوں میں تقریباً دو سو سال سے یہ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ ان کو یہ خیال نہ تھا کہ ان کا راستہ بحر روم کی وہ خلیج

ہے جس کے راستے وہ یہاں تک آ پہنچتے ہیں ۔ وہ جن کشتیوں میں آتے تھے ان پر وہ ناریل کے درختوں کے پتوں سے چھتیں بنا لیتے تھے اور ان کی کشتیاں بھی بڑی ہلکی پھلکی ہوتی تھیں اس لیے وہ یقینی طور پر حبشی سمندر کی طرف سے آتے ہوں گے کیونکہ دوسری طرف وہ سمندر ہے جس کی طوفانی موجوں کا مقابلہ ان کشتیوں کے ذریعہ ناممکن تھا ۔ اس سمندر کے لیے بھی وہ اپنی کشتیاں معمولی ہلکی لکڑی کے تختوں سے بناتے تھے اور ان کی چھتیں جیسا ہم نے ابھی بیان کیا ناریل کے پتوں سے بناتے تھے کیونکہ بحر حبشی کا کھاری بھی لوہے کو زنگ آلود کر کے جلد از جلد ختم کر دیتا تھا ۔ اس کے برعکس اہل روم اور اہل عرب اپنی کشتیوں اور جہازوں کے تلے جس دھات سے بناتے تھے وہ لوہے کے برعکس سمندری پانیوں کے خراب اثرات سے محفوظ رہتی تھیں جب کہ یہ لوگ کشتیوں کی چوبی تہوں کو چربی سے محفوظ کرتے تھے ۔ اس لیے انہیں بلادِ مغرب ہی کی طرف سے راستہ بھی محفوظ معلوم ہوتا تھا جو صرف بحر اوقیانوس ہی سے ملتا تھا ۔ واللہ اعلم ۔ بحر مغرب اس کے نواحی علاقوں اور ارض سودان کے کوائف بھی عجیب اور قابل ذکر ہیں ۔

سرزمین حبشہ و سوڈان

ذوالعنایۃ نے سوڈان اور مصر کی سات سال تک مکمل سیاحت اور تحقیقات کے بعد اپنی گراں قدر کتاب "اخبار العالم" میں لکھا ہے کہ مصر سوڈان کے ساٹھ حصوں میں سے ایک حصہ ہے اور دونوں کو درحقیقت ایک ہی ملک سمجھنا چاہیے ۔ اس کا ایک حصہ آباد، ایک تہائی غیر آباد اور باقی ایک تہائی سمندری علاقہ ہے ۔ سوڈان کی سرحد ایک طرف ان علاقوں کے قریب ہے جہاں ارض مغرب میں ادریس بن ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کی اولاد آباد ہے ۔ یہ سارا علاقہ بلاد تلمسان و تاہرت اور فاس کے علاقوں پر مشتمل ہے ، پھر سوس ادنیٰ کا علاقہ ہے جس کے مضافات اور قیروانی علاقے کے درمیان ایک ہزار تین سو میل کا فاصلہ ہے جب کہ سوس ادنیٰ اور سوس اقصیٰ کے درمیان تقریباً بیس دن کی مسافت ہے ۔ یہاں کی آخری بستی وادی رمل اور قصر الاسود کے قریب ہے ۔ وادی رمل وہ جگہ ہے جس کے متصل نحاس اور قباب الرصاص کے شہر میں جہاں کبھی عبدالملک بن مروان کے دورِ حکومت میں موسےٰ بن نصیر افریقی فتوحات کے سلسلے میں گئے تھے ۔ یہ وادی اندلس سے کچھ زیادہ دُور نہیں ہے البتہ اس کی سرحدات بڑی دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں ۔ اسی سرزمین میں میمون بن عبدالوہاب بن عبدالرحمٰن بن رستم فارسی نے خارج المذہب ہو کر مذہب خوارج کی اشاعت کی تھی ۔ کہتے ہیں کہ اب یہاں جو لوگ آباد ہیں وہ اشبان کے بچے کھچے لوگوں میں سے ہیں ۔ طالبین کی جنگ انہیں لوگوں سے ہوئی تھی ، یہ بھی کہا جاتا

ہے کہ یہ اہل فارس ہیں جو اصفہان چھوڑ کر یہاں آبسے تھے۔

بلادِ مغرب وہ بلادِ مغرب ہی ہیں جن کے ایک حصّے میں خوارج کا ایک فرقہ مُغرّبیہ وجود میں آیا تھا جن کے متعدد شہر تھے ان میں ترغیبہ بھی تھا۔ اس علاقے میں چاندی کی بہت سی کانیں تھیں۔ جنوب میں ان کا علاقہ بلادِ حبشہ سے جا ملتا تھا۔ ان میں باہم بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں بلادِ مغرب، وہاں کی آبادیوں اور باشندوں کا ذکر کرتے ہوئے خوارج کے دو فرقوں اباضیہ اور صُفریہ کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کے ساتھ خوارج کے ساتھ ان معتزلہ کی جنگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو وہاں جاکر آباد ہوگئے تھے، اس کے علاوہ ہم نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں ابن اغلب تمیمی کا ذکر بھی کیا ہے جسے خلیفہ منصور نے وہاں گورنر بنا کر بھیجا۔ علاوہ ازیں یہ بھی بتایا ہے کہ گورنر مذکور کی حکومت بلاد افریقہ میں کہاں تک تھی، نیز یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید کے دورِ خلافت میں اس گورنر کے وہاں بلادِ مغرب اور باقی افریقی علاقوں میں کیا کیا واقعات ظہور پذیر ہوئے اور پھر جب ہارون رشید کے بیٹے اور اس کے بعد کے دور میں اغلب کے ایک رشتہ دار کے بیٹے ابی نصر زیادۃ اللہ بن عبد اللہ بن ابراہیم بن احمد۔ بن محمد بن اغلب بن ابراہیم بن سالم بن سوارہ کو بلادِ مغرب کی گورنری سونپی گئی تو اسے وہاں سے ابو عبد اللہ المحتسب صوفی نے جو اس وقت مہدویت کی تبلیغ کر رہا تھا اور بہت سے بربری قبائل اس کے زیرِ اثر آگئے تھے کس طرح نکالا۔ یہ واقعہ خلیفہ مقتدر کے دورِ خلافت میں ۲۹۷ھ ہجری میں پیش آیا تھا اور ابی نصر وہاں سے فرار ہوکر رافقہ کے پاس چلا گیا تھا جو اس وقت اہواز کے شہر رامہرمز میں محتسب کے عہدے پہ فائز تھا۔ اب ہم مراتب ملوک اور بحرِ حبشی کے ان ممالک کے ذکر کی طرف آتے ہیں جن کا ہم نے زیرِ نظر باب کے شروع سلسلہ اٹھایا تھا۔

ملوک العالم دنیا کے ان بادشاہوں میں ملک الزنج، ملک قلیمی، ملک الان کرکنج، بنی نصر نعمانیہ و مناذرہ کے ملوک حیرہ، جبال طبرستان کے وہ بادشاہ جو خود کو قارن کہتے تھے اور اب طبرستان کے پہاڑ انہیں کے نام کی نسبت سے جبال قارن مشہور ہوگئے ہیں، ملوک ہند جو بلہرا کہلاتے ہیں اور سندھ سے نسبت رکھنے والے ملوک قنوج اور وہ تمام حکمران جو علاقہ قنوج سے متصل حکومتیں رکھتے ہیں مگر قنوج کی قربت کی وجہ سے وہ بھی ملوک قنوج ہی کہلاتے ہیں بلکہ خود قنوج کا سارا علاقہ ان کے نام قنوج کی بناء پہ قنوج کہلاتا ہے لیکن اب دائرہ اسلام میں شامل ہوکر حکومت ملتان کے زیرِ اقتدار آچکا ہے سب کے سب شامل ہیں۔ حکومت ملتان کے زیرِ اقتدار علاقے ہی سے وہ دریا گزرتا ہے جو دُوسرے دریاؤں کے ساتھ مل کر آگے بڑھنے کے بعد "مہران السند" کے نام سے مشہور ہے اور

جس کا مخرج جاحظ نے غلط فہمی کی بنا پر، دریائے نیل بتایا ہے ۔ جاحظ کے علاوہ کچھ دوسروں نے بھی غلطی سے اسے خراسان کا جیحوں لکھا ہے، ویسے اسی کے آس پاس قنوج کے حکمران کی حدود سلطنت ہیں مگر قنوج کا یہ حکمران ملکِ ہند سے الگ ہے جسے "بلہرا" کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ قندھار اور سندھ اور اس کے پہاڑی علاقوں کے حکمران ہیں۔ آخرالذکر "بزرگ حکمران" ہونے کا دعویدار ہے کیونکہ اسی کے زیرِ حکومت علاقے سے وہ دریا نکلتا ہے جسے "برائد" کہتے ہیں۔ یہ دریا ان پانچ دریاؤں میں سے ایک ہے جو بلادِ رہوط سے گزرتے ہوئے دوسرے چار دریاؤں سے مل کر "مہران السند" بن گیا ہے ان میں سے چوتھا دریا بلاد کابل سے نکلا ہے اور بلادِ سندھ کے علاوہ بسط، غزنی، زرعون، رخج اور ان علاقوں کو جو سجستان کے گرد و نواح میں ہیں سیراب کرتا ہے۔ ان پانچ دریاؤں میں سے ایک دریا بلادِ کشمیر سے نکلتا ہے۔ کشمیر کا حکمران "درانی" کہلاتا ہے بلکہ وہاں کے سارے حکمرانوں کا یہی نام لیا جاتا ہے۔ کشمیر بھی سندھ کے حدود اور اس کے پہاڑی علاقوں میں شامل ہے۔ کبھی یہ مملکت بڑی عظیم مملکت تھی جس میں بہت سے قلعے تھے۔ اس کی آبادیوں اور بربادیوں کی داستان ہزاروں برس پر پھیلی ہوئی ہے اور وہ ناقابلِ یقین عجائبات سے پُر ہے۔ قنوج کی سلطنت بھی کبھی بڑی وسیع و عریض اور طول و عرض میں کم سے کم ایک سو بیس فرسخ تھی۔ ایک فرسخ آج کے آٹھ میل کا ہوتا ہے جس کی حدود سندھ اور ملتان سے آملتی تھیں۔ اس کا حکمران کبھی بڑا جاہ و جلال رکھتا تھا، اس کا لشکر لاتعداد تھا جس میں گھوڑوں کے علاوہ ہاتھیوں کی بھی بہت کثرت تھی اور یہی ہاتھی لڑائیوں کے مواقع پر بڑے کارآمد ثابت ہوئے تھے۔

ملتان کا حکمران

ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بیان کر چکے ہیں کہ وہ سامہ بن لوی بن غالب کی نسل سے تھا۔ اس نے اپنے قرب و جوار کے بہت سے علاقے اپنی مملکت میں شامل کر لیے تھے جن میں سندھ اور قنوج کے علاقے بھی تھے جہاں سے بے حد مال و دولت اور لاتعداد خزانے اپنے ہاں لا کر جمع کر لیے تھے۔ سندھ اور ملتان پر مسلمانوں کی فتوحات کے کچھ عرصے بعد ملتان کے حکمران نے پھر زور پکڑ لیا تھا۔ میں نے ملتان اور یہاں ابواللہاب المنبہ بن اسد قرشی کی مملکت تیسری صدی ہجری کے بعد دیکھی تھی۔

منصورہ

ملتان کی طرح مجھے مملکت منصورہ کو دیکھنے کا اتفاق بھی اسی زمانے میں یعنی تیسری صدی ہجری کے بعد ہوا۔ اس وقت وہاں ابوالمنذر عمر بن عبداللہ حکمران تھا۔ میں نے اس کے وزیر رباحا اور رباحا کے بیٹوں محمد اور علی سے ملاقات کی تھی۔ میں نے وہاں عرب کے ایک سیدزادے

حمزہ سے بھی ملاقات کی۔ اس کا خاندان عرب پر حکومت کر چکا تھا، وہ یعنی حمزہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں سے تھا۔ میں وہاں عمر بن علی اور محمد بن علی کے بیٹوں سے بھی ملا۔ منصورہ کے ملوک اور آل ابی شوارب قاضی میں بہت قریبی نسبی تعلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں منصورہ کا موجودہ حکمران ہبار بن اسود کی نسل سے ہے جنہیں عموماً بنی عمر بن عبدالعزیز کہا جاتا ہے لیکن یہ عمر عمر بن عبدالعزیز بن مروان اموی نہیں ہے۔ ملتان سے منصورہ کی طرف آتے ہوئے میں نے تین دن سفر کے بعد جہاں قیام کیا تھا اس جگہ کا نام دوسات ہے، اس کے مغرب میں آگے چل کر منصورہ کا جو علاقہ شروع ہو جاتا ہے اسی کو اب تک مہران کہتے ہیں لیکن یہ علاقہ آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے تاہم ان دونوں حصوں کو ایک ہی دریا یعنی دریائے سندھ جسے عموماً "مہران السند" کہا جاتا ہے سیراب کرتا ہوا منصورہ کے شہر شاکرہ کے قریب بحرِ ہند میں گرتا ہے۔ دیبل سے یہاں تک دو دن کا سفر ہے۔

ملتان سے منصورہ تک ۷۵ فرسخ کی مسافت ہے اور فرسخ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں آج کل آٹھ میل کے برابر ہے۔ منصورہ کا سارا علاقہ جس میں کہیں کہیں دور تک جنگلات اور کہیں لہلہاتے کھیت نظر آتے ہیں بڑے گنجان آبادیوں اور خوشنما عمارتوں پر مشتمل ہے۔ ان گنجان آبادیوں اور خوشنما عمارتوں میں سے شاید اب کچھ نہ ہوں یا ان میں کچھ اضافہ ہو گیا ہو، بہر تعمیر و ضیاع دونوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان قریب قریب اور ایک دوسرے سے متصل چھوٹی بڑی بستیوں کی مجموعی تعداد تین لاکھ سے کم نہ ہو گی۔ اس علاقے میں بہت سی لڑائیاں ہوتی ہیں جنہیں "البدر" کہا جاتا ہے۔ ملتان اور منصورہ کی مختلف اجناس کی تعداد بھی کافی ہے۔ ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو دونوں علاقوں میں یکساں پائی جاتی ہیں کیونکہ یہ دونوں علاقے کاشت کاری اور وہاں کے باشندوں کی طبائع اور ان کی مرغوب غذاؤں کے لحاظ سے قریب قریب ملتے جلتے ہیں۔

منصورہ کا نام منصور بن جمہور کے نام پر رکھا گیا ہے جو یہاں اموی حکومت کی طرف سے حاکم تھا۔ ہند اور سندھ کے پہلے حکمرانوں کی طرح منصورہ کے موجودہ حکمران کے پاس بھی جنگی ہاتھی ہیں۔ ان میں سے دو بڑے عظیم الجثہ اور اسی دوسرے ہاتھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ ہاتھی جب دشمن کے سپاہیوں پر جھپٹتے ہیں تو انھیں چشم زدن میں ہلاک کر کے رکھ دیتے ہیں۔ ان دو عظیم الجثہ ہاتھیوں میں سے ایک کا نام "منفرقلس" اور دوسرے کا "حیدرہ" ہے۔ یہ دونوں ہاتھی لڑائیوں میں ہیبتناک ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ عام طور پر بڑے نرم خو، حلیم الطبع اور انسانوں سے بہت مانوس ہیں۔ سنا ہے کچھ عرصہ پہلے "حیدرہ" کے مرنے پر "منفرقلس" نے کئی دن تک کچھ کھایا نہ پیا بس چپ چاپ

پڑا رہا البتہ کبھی کبھی کر اہنے لگتا تھا لیکن اس سارے عرصے میں اس کی آنکھوں سے اس طرح آنسو بہتے رہے جیسے کوئی انسان اپنے کسی عزیز کی میت پر روتا ہو "منفر قلس" کے پیچھے اسی ہاتھیوں کے علاوہ پانچ سو سپاہی بھی چلتے ہیں۔ ایک دفعہ بھی "منفر قلس" ہاتھی خانے سے نکل کر بازار میں آیا تو اسے دیکھ کر ایک عورت خوف سے اس طرح ادھر اُدھر بھاگی کہ اس کا لباس جسم سے اُتر کر کئی طرف بکھر گیا۔ اور وہ خود اوندھے منہ سڑک پر گر پڑی۔ "منفر قلس" نے یہ دیکھا تو پہلے لمحہ بھر کے لیے رُکا، پھر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا ہوا اس عورت کے قریب پہنچا، اسے اپنی سونڈ سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اس کے کپڑے جمع کر کے اس کے برہنہ جسم پر ڈال دیے۔ عورت نے یہ دیکھا تو اس کے دم میں دم آیا اور وہ اسی طرح کپڑے سمیٹے، لجاتی شرماتی ایک طرف چلی گئی۔ اس کے بعد جب "منفر قلس" اپنے راستے پر آگے بڑھا تو دوسرے ہاتھی اور سپاہی بھی پہلے کی طرح اس کے پیچھے ہو لیے۔

ان ہاتھیوں کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں سُننے میں آئیں۔ زمانہ امن میں یہ ہاتھی حمل ونقل کے علاوہ اور بہت سے کام کرتے ہیں۔ جن میں مویشیوں کے لیے جنگل سے چارہ لانا بھی شامل ہے۔ ہاتھی اور جہاں جہاں پائے جاتے ہیں ان کا ذکر ہم آگے چل کر افریقہ کے حالات و کوائف کے ضمن میں کریں گے۔ ویسے ہاتھی زیادہ تر افریقی ممالک میں ملتے ہیں اور ان میں اکثر بلکہ سب کے سب جنگلی اور وحشی ہوتے ہیں۔

یہ تھے ارض ہند و سند اور ان کے حکمرانوں کے حالات و کوائف۔ جہاں تک ان کی زبانوں کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ سندھ کی زبان اہل ہند کی زبان سے مختلف ہے۔ اس فرق کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ سندھ کے علاقے اسلامی مقبوضات کے قریب تر ہیں۔ اسی طرح سواحلی زبان جیسے صیمور، سوبارہ اور تانہ وغیرہ کی زبان جو ساحلی سمندر کے قریب ہیں یا وہ شہر جو عین ساحل سمندر پر واقع ہیں۔ یہ سمندر لاروی ہے۔ اس سمندر کی طرف ایک بڑا دریا دنیا کے جملہ دریاؤں کے برعکس جنوب سے بہتا ہوا آتا ہے۔ یہ بڑا دریا "مہران السند" یا دریائے سندھ ہے۔ اس کی طرح اگر دنیا کا کوئی دوسرا دریا جو جنوب سے شمال کی طرف بہتا ہو تو وہ صرف دریائے نیل ہے۔ دریائے نیل کے اس انوکھے بہاؤ کی وجہ سے ہم اپنی ایک دوسری کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ دریائے سندھ کے اس بہاؤ کے اسباب بھی وہی ہیں یعنی اس کے مخرج کا محل وقوع اور پھر جنوب سے صرف شمال کی طرف اس کے بہاؤ کے راستے۔

بلہرا کے سوا ملوک سندھ و ہند میں ایک بھی ایسا نہیں جو اپنے ملک میں مسلمانوں کا احترام کرے اور اسلام وہاں محفوظ و مطمئن ہو اور اس کے ہاں مسلمانوں کی عبادت کے لیے مساجد اور جامع مسجدیں

نظر آتی ہوں۔ بلہرا نام کے ہر حکمران کا دورِ حکومت چالیس پچاس سال اور بعض دفعہ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس ملک کے لوگوں کا خیال ہے کہ ان کے حکمرانوں کے اس طویل دورِ حکومت کی وجہ سے ان کی طرف سے مسلمانوں کا احترام اور ان کی عزت ہے نیز یہ کہ اس ملک میں فوج کے سپاہیوں کی مسلمان فوجیوں کی طرح ملک کے بے داغ اور پاک بیت المال سے کفالت کی جاتی ہے۔ اس ملک پر اگر کبھی کسی کی طرف سے حملہ ہوتا ہے تو وہ شاہ خزر ہے۔ اس کے ملک میں لاؤ لشکر کے علاوہ اونٹوں اور ہاتھیوں کی بھی کثرت ہے۔ اس کے خیال میں شاہِ بابل کے سوا رُوئے زمین پر اس سے بڑا اور باجبروت بادشاہ کوئی دوسرا نہیں ہے۔ ان اطراف میں شاہِ خزر کا ملک چوتھا ملک ہے۔ جو سب سے بڑا اور کثیر اللسان ہے۔ وہاں ہاتھیوں کے غول ہیں اور زر و جواہر کے انبار لگے ہوئے ہیں، چاندی سونے کی کانیں بھی بکثرت ہیں جن کی پیداوار سے وہاں کے لوگ دوسرے ممالک سے مختلف قسم کا مال منگواتے ہیں۔ وہ لوگ مسلمانوں سے بغض رکھتے ہیں۔

مذکورہ بالا ملک سے ملا ہوا ملک طافن ہے جو خود تو چھوٹا سا ملک ہے مگر ہر طرف دوسرے بڑے ملکوں سے گھرا ہوا ہے۔ یہاں نہ کوئی بڑا لشکر ہے نہ ہاتھیوں اور مال و دولت کی فراوانی، لیکن یہاں کے لوگ ان اطراف کے ہر ملک سے زیادہ حسین ہوتے ہیں خصوصاً یہاں کی خواتین حسن و جمال میں اپنا جواب نہیں رکھتیں جن کے فطری حسن کے تذکرے کئی کتابوں میں ملتے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ملک کے حکمران طافن کہلاتے ہیں اور ملک کا نام بھی انہیں کے نام پر پڑ گیا ہے۔ یہاں کے آبی راستوں کی کشتیاں بھی طافنیات کہلاتی ہیں۔

مملکت دھمی

آخر الذکر ملک سے مملکت دھمی ہے۔ اس ملک کا نام بھی اس کے کسی پہلے حکمران کے نام پر چلا آتا ہے اور یہاں اب اسے عموماً اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ شاہ خزر کا اس ملک سے ہمیشہ جھگڑا رہتا ہے اور وہ اس پر اکثر و بیشتر حملہ آور ہوتا رہتا ہے۔ شاہ خزر جیسا ہم نے سطور بالا میں بیان کیا بہت زیادہ لاؤ لشکر اور مال و دولت رکھتا ہے۔ یہ اکثر بلہرا سے بھی جنگ و جدال میں مصروف رہتا ہے حالانکہ مؤخر الذکر کے پاس اس سے کہیں زیادہ مال و دولت عساکر اور جنگی ہاتھی ہیں۔ طافن پر تو اس کے حملوں کا شمار بھی مشکل ہے۔ دھمی جب کسی ملک پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کے ساتھ عموماً پچاس ہزار ہاتھی ہوتے ہیں۔ وہ محاربات کے لیے موسم سرما کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہاتھیوں کو موسم گرما میں پیاس کی برداشت نہیں ہوتی نہ اس موسم میں ان پر موٹی گرم کپڑوں کی جھولیں، ڈالی جا سکتی ہیں سکتے ہیں اس کے لشکر کی بارکیں اور

ان کے غسل خانے تعداد میں دس پندرہ ہزار ہیں۔ اس کی اکثر لڑائیاں اہل کرادیس سے ہوتی رہتی ہیں حالانکہ ان -------------------- کی مجموعی تعداد بیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگی جن میں لڑنے والے جوان زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار ہوں گے۔ مملکت رھمی کی آمدنی کے ذرائع وہاں پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ ان میں عود، چاندی، سونا اور وہ کپڑا ہے جس کی باریکی اور نفاست کا جواب ساری ... میں مشکل سے ملے گا۔ اس کے علاوہ وہاں بالوں سے ملتا جلتا ایک قسم کا ریشم ہوتا ہے جسے منمر کہا جاتا ہے رھمی کے خدام مرصع لباس پر اس ریشم کی پٹیاں اور کلغیاں لگائے مجالس میں اس کے پیچھے ایستادہ رہتے ہیں۔ ان پٹیوں میں جن کے تکمے کمربند کی طرح لٹکتے رہتے ہیں چاندی اور ہاتھی دانت سے مرصع کاری کی جاتی ہے۔ اس ملک میں ایک جانور پایا جاتا ہے جسے وہاں کے لوگ "نشان المعلم" کہتے ہیں لیکن عموماً اسے "کرکرن" کہا جاتا ہے۔ اس کی پیشانی کے درمیان بھی ایک سینگ ہوتا ہے۔ وہ جسامت میں بھینس سے بڑا مگر ہاتھی سے چھوٹا ہوتا ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ وہ ہاتھی سے بھی لڑ پڑتا ہے۔ اس سے زیادہ تیز و تند کوئی دوسرا جانور ساری دنیا میں ملنا محال ہے۔ وہ گنجان درختوں اور اونچی اونچی جنگلی جھاڑیوں میں رہتا اور وہیں سوتا بھی ہے۔ اسے سوتے میں اکثر شکار کیا جاتا ہے۔ مقامی باشندے اس کا گوشت شوق سے کھاتے ہیں۔ وہاں کے مسلمان بھی اس کا گوشت کھا لیتے ہیں کیونکہ وہ گائے کے گوشت کی طرح ہوتا ہے۔ گائیں اور بھینسیں سندھ و ہند میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں لیکن رھمی میں ان کی کثرت ہے۔ اسی طرح یہ جانور بھی جس کا ہم نے بھی ذکر کیا یعنی "نشان" سندھ و ہند کی ترائیوں میں ہر جگہ مل جاتا ہے لیکن رھمی کے علاقوں میں اس کی تعداد معمول سے زیادہ ہے۔ ویسے تو اس کے سارے سینگ خوبصورت ہوتے ہیں لیکن جو سینگ اس کی پیشانی پر ہوتا وہ حد درجہ حسین اور اس کا رنگ سفید ہوتا ہے، اس کا شکار گوشت سے زیادہ اس سفید سینگ کے لیے کیا جاتا ہے جو بہت قیمتی ہوتا ہے اور اس سے جو زیورات تیار کیے جاتے ہیں انہیں مالدار اور شاہی خاندان کی عورتوں کے علاوہ مملکت کے امراء وزراء بلکہ بادشاہ بھی بڑے شوق سے پہنتے ہیں۔ اسے ملوک چین بھی کوشش کر کے خریدتے اور استعمال کرتے ہیں۔ اس سینگ کے بنے ہوئے زیورات سونے چاندی بلکہ جواہرات سے زیادہ مقبول ہیں۔ ایک ایک سینگ کی قیمت ایک ہزار دینار سے چار ہزار دینار تک ہوتی ہیں۔ اس کی مورتیاں بنا کر ان پر نقرئی و طلائی نقش و نگار بنائے جاتے ہیں اور ان مورتیوں کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اس سینگ کے قبول عام کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔

عمرو بن بحر الجاحظ کے مطابق "کرکدن" اپنی ماں کے پیٹ میں سات سال تک رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ شکم مادر سے سر باہر نکالتا ہے لیکن فوراً ہی اندر کی طرف سمٹ جاتا ہے۔ الجاحظ نے یہ بات اپنی کتاب "الحیوان" میں بطور حکایت لکھی ہے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ الجاحظ کے اس بیان کے علاوہ مجھے یہ بات ان سیرانی اور عمانی لوگوں نے بھی بتائی جو رھمی اور دوسرے ہندی و چینی علاقوں میں بغرض تجارت آتے جاتے رہتے ہیں ممکن ہے الجاحظ نے بھی اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس بیان کی بنیاد انہیں لوگوں کے بیانات پر رکھی ہو۔

شاہ کامن

رھمی کی مملکت میں بری و بحری دونوں علاقے شامل ہیں لیکن اس کے قریب شاہ کامن کی مملکت میں کوئی سمندری علاقہ نہیں ہے تاہم اس کے پاس لاؤ لشکر، خدم و حشم اور مال و دولت کی کمی نہیں ہے۔ وہاں کے باشندوں کی رنگت سفید اور نقش و نگار خوب صورت ہیں ان کا لب و لہجہ خوشگوار اور آواز نرم ہے۔ شاہ کامن کی مملکت کے متصل افرنجی علاقہ ہے جس کے حکمران کے پاس بری و بحری دونوں علاقے ہیں، اس کے حکمران کے پاس بھی مال و دولت اور لشکری قوت سبھی کچھ ہے لیکن جہاں تک میں نے محسوس کیا اس میں لاف زنی کی کمزوری موجود ہے۔ اس مملکت کی زبان علاقائی بھی ہے اور سواحلی بھی۔ یہاں کے لوگوں کی رنگت چینیوں کی رنگت سے ملتی جلتی اور لباس بھی قریب قریب انہیں کا جیسا ہے۔ شاہ کامن کی حدود سلطنت سے آگے شاہ موجہ کی سلطنت کی سرحد آجاتی ہے جسے "حکومتِ ماند" کہا جاتا ہے۔ ماند کے شہر اور دوسری بستیاں کافی وسیع علاقوں میں پھیلی ہوئی ہیں جہاں بادشاہ کی طرف سے الگ الگ حاکم مقرر ہیں۔ اس مملکت میں بھی مال و دولت اور عسکری قوت کچھ کم نہیں ہے لیکن اسے مملکت کا ماتحت سمجھا جاتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کسی قدر خود مختار ہونے کے باوجود چین کے انتداب میں ہے۔ یہاں چین ہی کا اثر و نفوذ زیادہ ہے بلکہ یہاں کے لوگ خو بو اور عادات و اطوار میں بالکل چینی معلوم ہوتے ہیں۔

ہند اور چین کی بعض مماثل عادات

ہند و چین، وہاں کے مختلف علاقوں، وہاں کی مختلف قوموں، ان کے اکل و شرب، ان کے شادی بیاہ کے طریقوں، علاج معالجے اور آگ کے ساتھ ان کے لگاؤ کے بارے میں ہم اب تک بہت لکھ چکے ہیں۔ ہند و چین کے لوگوں کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اخراج ریح کو مجالس میں بھی بُرا نہیں سمجھتے حتیٰ کہ ان کے بادشاہوں کا طریق عمل بھی اس سلسلے میں عوام سے الگ نہیں ہے۔ وہ بہت سے امراض کا جن میں درد قولنج، درد گردہ، تلی کے امراض وغیرہ سبھی شامل ہیں حبس دم سے علاج کرتے ہیں۔ وہ

لاتعداد امراض میں حبس دم کرکے پھر ریح کو منہ یا جائے اجابت سے خارج کرتے ہیں۔ ریح کے منہ سے اخراج کو "ضُبثا" اور نیچے سے اخراج کو "فسا" کہا جاتا ہے۔ ویسے ہند و چین کے اطباء علم طب میں کامل اور اس میں حذاقت کا درجہ رکھتے ہیں جس میں قدامت و اولیت ہند کو حاصل ہے۔ فلاسفۂ متقدمین نے جن میں یونانی حکماء دیمو قرطیس، فیثاغورس، سقراط اور دیو جانس کلبی وغیرہ شامل ہیں ریاحی کیفیات کو بنی نوع انسان اور اور حیوانات دونوں میں ایک امر طبعی بتایا ہے اور لکھا ہے کہ بدن میں ریح کے قیام اور ادھر اُدھر حرکت دونوں طرح سے انسان ہو یا حیوان دونوں کو تکلیف ہوتی اور اس کے فوری اخراج سے راحت ہوتی ہے ہندی و چینی دونوں اطبا اخراج ریح کے لیے ہی خصوصی ادویات استعمال کرتے ہیں۔

ہم نے ان اذکار کی تفصیلات کے علاوہ مہراج، جزائر، طیب، افاویہ، قنجب، سراندیب (لنکا) اور ان ممالک کے پہاڑی علاقوں نیز بلاد مندروفین جنہیں قابدی بھی کہا جاتا ہے یعنی مشرق سے مغرب تک جملہ ممالک کی اقوام کی عادات و خصائل اور دوسری متعلقہ باتوں کو اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزماں" اور "کتاب الاوسط" میں مفصل و مشرح بیان کر دیا ہے۔ اس کتاب میں بھی ہم نے مشرق و مغرب کے ممالک ملوک یمن و روم، افریقہ اور اس میں سوڈان کے کوائف علاوہ چین کے متعلق یہ بیان کر دیا ہے کہ وہ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ ہم نے دُنیا کی دوسری باتوں اور قوموں کے بارے میں بھی زیر نظر کتاب میں مختصر گفتگو کی ہے۔

جبل قبخ (الفتح) اور اس کی اقوام

جبل قبخ کوہ قبخ ایک عظیم پہاڑی سلسلہ ہے اور اس کی وادیاں بھی بہت وسیع و عریض ہیں جن میں بہت سے ممالک ہیں اور ان میں بکثرت قومیں آباد ہیں خود اس پہاڑ پر بہتر مختلف قومیں بسی ہوئی ہیں جن کی زبانیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں۔ اس پہاڑ کی بلند و بالا چوٹیوں اور دشوار گزار راستوں کے علاوہ بے شمار گھاٹیاں ہیں جو نوشیرواں کی حدود سلطنت اور بحر خزر کے درمیان حدِ فاصل کا کام دیتی ہیں بحر خزر کے بعد ان گھاٹیوں سے گزر کر ہی طبرستان تک رسائی ممکن ہے۔ طبرستان کی حدود شروع ہوتے ہی ہر تین میل پر یا اس کم و بیش گزر گاہوں کی اہمیت کے لحاظ سے داخلے کے لیے لوہے کے بڑے بڑے گیٹ لگے ہوئے ہیں جہاں ضرورت کے مطابق فوجی پہرے دار مقرر ہیں۔ یہ انتظام اس وجہ سے ہے کہ بفرضِ محال بحر خزر کی طرف سے ان گھاٹیوں کو عبور کر کے کوئی دشمن طبرستان پر حملہ آور ہو تو پہلے یہ پھاٹک اور ان کے پہرے دار سدِراہ ہوں اور پھر فوری طور پر حکومت کے صدر مقام یا قریب ترین فوجی چھاؤنی سے کمک پہنچا کر طبرستان کا دفاع بخوبی کیا جا سکے۔

کوہِ قبخ کی بلندیوں اور طول و عرض کو ملا کر طبرستان تک کم سے کم دو مہینے کا راستہ ہے۔ اس پہاڑ اور اس کی وادیوں میں رہنے والوں کی تعداد کا علم خدا کو ہی ہے۔ بحر بانطس یا خلیج قسطنطنیہ سے جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ تاجر لوگ بحر خزر کے سواحل تک بغرض تجارت پہنچ ہی جاتے ہیں۔ اس سمندر کے ساحل پر پہلا قابل ذکر شہر طبراندہ ہے جس کے بازار تجارتی مال سے بھرے رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہاں لوگوں کی بڑی چہل پہل رہتی ہے جن میں مسلمانوں کے علاوہ رومی، ارمنی اور بلادِ کشک وغیرہ کے سبھی لوگ ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں اس شہر کی بنیاد نوشیرواں نے ڈال کر اسے بسایا تھا اور اپنے پیشرو اُردشیر بن بابک کے انتظام کی پیروی کرتے ہوئے دارالسلطنت سے یہاں تک راستے کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں حسب مراتب عمال مقرر کیے تھے۔ یہ علاقہ اب مسلم مقبوضات میں شامل ہے اور اس کی

قریب ترین آبادی شروان کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کا حکمران اب اگرچہ ایک مسلمان محمد بن یزید ہے جو بہرام گور کی نسل سے ہے جس کا نسبی شجرہ ملوکِ فارس کے ضمن میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، لیکن یہ حاکم بھی اب تک نوشیرواں کے نام کی نسبت سے شروان شاہ کہلاتا ہے۔ شروان کا حاکم محمد بن یزید سے قبل اسی کا کوئی بزرگ عبداللہ بن ہشام تھا لیکن اس سے پہلے جب بنو امیہ کے دورِ خلافت میں مسلمہ بن عبدالملک یہاں پہنچے تو اس وقت یہاں کے انتظامی امور کی نگران کوئی عورت تھی۔

ایران سمندر کی طرف سے کوہ قبخ کے پار اصل ایران آتا ہے لیکن نوشیرواں کے زمانے سے اس دشوار گزار پہاڑ کے جملہ علاقوں پر جن کے باشندے سر بفلک چوٹیوں اور خطرناک گزرگاہوں کی وجہ سے پڑوسی ہونے کے باوجود الگ تھلگ رہتے تھے ایرانیوں ہی کی حکومت چلی آتی تھی اور یہ سارا علاقہ ایران کہلاتا تھا۔ اور اس کا حاکم ایران شاہ کے نام سے موسوم تھا لیکن اب یہ بھی شروانی علاقے میں شامل ہے۔ اس کا سرحدی علاقہ موقانیہ کہلاتا ہے جس کے متصل گرز کا علاقہ ہے جو سب کا سب پہاڑی ہے۔ اس پہاڑی علاقے کے باشندے پہلے خدا کو نہیں مانتے تھے اور اسی لیے کافر کہلاتے تھے۔ یہ لوگ حکومت شروان کی بھی اطاعت نہیں کرتے تھے حالانکہ اس میں اس وقت تک خراسان تک کا سارا علاقہ شامل ہو چکا تھا جہاں کے حاکموں میں خراسان شاہ اور زادان شاہ بھی تھے۔ شروان شاہ اور اس سے قبل اس کے باپ نے قریب قریب سارے ایران کو اپنے حدود سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔

طبرستان کوہ قبخ کے پہاڑی علاقوں ہی میں حدود شروان کے متصل جو خود مختار مملکت کبھی قائم تھی وہی طبرستان ہے اور اب وہ ایک مسلم ریاست ہے جس پر آج کل عبدالملک کی بہن کا بیٹا حکمران ہے۔ یہ اس باب الابواب میں پہلی مسلم مملکت ہے۔

جیدان باب الابواب کی وادی کی وسطی مملکت جیدان ہے جس کے داخلی امور کی نگرانی ملوک خزر کی ذمہ داری ہے۔ اس مملکت کا صدر مقام داخلی دروازے سے کوئی آٹھ دن کی مسافت پر ہے جو شہر باب ہے مگر اسے عموماً سمندر کہا جاتا ہے یہاں خزر والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ یہ شہر اسلام کے ابتدائی زمانے میں فتح ہوا تھا اور اسے سلیمان بن ربیعہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح کیا تھا۔ وہ پھر اس شہر سے شہر آمل میں منتقل ہو گئے تھے جو آج کل ملک خزر کی سکونت گاہ ہے ان دنوں اس شہر کے تین حصے ہیں لیکن شہر کے دو مرکزی حصوں کے درمیان سے ایک بڑی نہر گزرتی ہے۔ یہ نہر بلاک ترک کی سطح مرتفع سے نشیب کی طرف بہتی ہوئی بلادِ بلغر سے گزرتی ہے اور آگے جا کر بحر مالطس میں جا گرتی ہے۔ یہ شہر جیسا کہ ہم نے ابھی بتایا مذکورہ بالا نہر کی وجہ سے

دو بڑے حصوں میں تقسیم ہوگیا ہے لیکن دونوں حصوں میں آمدورفت کے لیے اس پر پل بنا ہوا ہے۔ اس پل کے ایک طرف بلندی پر ملک خزر کی قیام گاہ ہے۔ سارے شہر میں گھومنے پھرنے کے لیے نہریں کشتیاں بھی چلتی ہیں۔ شہری آبادی مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگوں پر مشتمل ہے لیکن ملک خزر جو آج کل یہاں کا حکمران ہے اور اس کے حاشیہ بردار سب کے سب یہودی ہیں۔ ملک خزر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں یہودی ہوگیا تھا جس کے بعد ممالک اسلامیہ کے علاوہ روم اور دوسرے غیر مسلم علاقوں کے یہودی اس کے گرد جمع ہو گئے تھے اور اب تک یعنی ۳۳۲ھ ہجری تک وہی اس کے گرد و پیش جمع ہیں۔ روم میں وہاں کے حاکم ارمنوس نے قریب قریب اپنی ساری رعایا کو یہودی مذہب اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہم نے زیر نظر کتاب میں روم کے حالات و کوائف کے ضمن میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے۔ روم کے یہی یہودی اب ملک خزر کے پاس جوق در جوق پہنچ گئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان یہودیوں کے علاوہ یہاں صقالبہ اور روس کے لوگ بھی ہیں جو شہر کے ایک حصے میں آباد ہیں۔ ان لوگوں میں ہندوؤں کی پرانی مذہبی رسوم تا حال جاری ہیں یعنی جب کوئی مرد مرتا ہے تو اسے اس کی جملہ منقولہ ملکیت بلکہ جانوروں تک کے ساتھ آگ میں جلا دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بیوی بھی شوہر کی ارتھی کے ساتھ زندہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ ستی کی رسم عورتوں تک محدود ہے کوئی مرد اپنی مردہ بیوی کے ساتھ ہرگز نہیں جلتا۔ اس کا فلسفہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ عورت اپنے شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کر سکتی اور عمر بھر تکالیف میں مبتلا رہتی ہے لیکن اپنے خاوند کے ساتھ زندہ جل کر وہ جنت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ بلادِ ہند میں یہ رسم ابھی تک جاری ہے۔ اور یہاں جو لوگ اس رسم کی پابندی کرتے ہیں ان میں اکثریت انھیں لوگوں کی ہے جو وہاں سے آکر یہاں آباد ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ یہاں کے مسلمانوں میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو بلادِ خوارزم سے یہاں آئے ہیں۔ ان کے یہاں منتقل ہونے کی وجہ وہاں رات دن کی لڑائیاں اور وبائی امراض ہیں۔ اب یہ لوگ یہاں کی لڑائیوں میں ملک خزر کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ بڑے تنومند اور زورآور ہیں اور ان میں اپنے آبائی ملک کی جنگجویانہ خصلتیں ہنوز موجود ہیں یہ مسلمان ملک خزر کے ساتھ کچھ شرائط طے کر کے یہاں آئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان کے مذہبی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور انہیں یہاں مساجد تعمیر کرنے اور ان میں اذان دینے کی عام اجازت ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ حکومت کے وزیروں میں کم سے کم ایک مسلمان وزیر ضرور ہو گا تیسری اور آخری شرط یہ ہے کہ اگر اس ملک کی کسی مسلم ملک سے لڑائی ہو گی تو وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ

میں شریک نہیں ہوں گے اور ان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائیں گے۔ ویسے ملک خزر کی فوج میں سات ہزار مسلمان ہیں جو زرہ بکتر، جوشن اور خود اسی طرح استعمال کرتے ہیں جس طرح مسلمان فوجی اپنے ممالک میں کرتے ہیں۔ جہاں تک عدالتی نظام کا تعلق ہے تو اس کا قاعدہ یہاں یہ ہے کہ مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے سات قاضی یا جج مقرر ہیں۔ ان میں سے دو مسلمان ہیں جو مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کرتے ہیں، دو قاضی یہودی ہیں جو یہودیوں کے مقدمات کا فیصلہ احکام توریت کے مطابق کرتے ہیں، دو قاضی عیسائی ہیں جو نصرانیوں کے مقدمات کا فیصلہ انجیل کے مطابق کرتے ہیں۔ ساتواں قاضی ان لوگوں کے لیے ہے جو مسلمانوں، یہودیوں اور نصرانیوں میں سے کسی کے مذہب کی پیروی نہیں کرتے۔ ان کے مقدمات کا فیصلہ ان کا قاضی اپنی عقل اور قانون فطرت کے مطابق کرتا ہے۔ بہرحال مسلمانوں کے علاوہ یہودی ہوں عیسائی ہوں یا یہ لوگ جو ارامیہ کہلاتے ہیں علی الترتیب اپنے مقدمات کا فیصلہ شریعت اسلامیہ کے مطابق کرانے کو ترجیح دیتے ہیں جب کسی موقع پر توریت یا انجیل کے احکام کسی مقدمے کے سلسلے میں واضح نہ ہوں اور تیسری صورت میں ججوں کی عقل و دانش کسی حتمی فیصلے پر پہنچنے سے قاصر ہو۔ یہاں مسلمان بچوں کو قرآن پڑھانے کے لیے ان کی مساجد میں مدارس قائم ہیں۔ دارالسلطنت میں مسجدوں کی تعداد کافی ہے جن میں ایک جامع مسجد ہے جو شاہی محل کے متصل ہے اور اس کے مینار قصر شاہی بلندی پہ واقع ہونے کے باوجود اس سے کہیں بلند ہیں۔ یہاں مسلمان صنعت کاروں اور تاجروں کی بھی خاصی بڑی تعداد ہے اور یہ تاجر جب نصرانی تاجروں کے کسی وقت ہم خیال و ہم نوا ہو جاتے ہیں تو حکومت کی مجموعی طاقت بھی ان کے سامنے کمزور نظر آتی ہے۔ یہی کیفیت اس وقت ہوتی ہے جب مسلم اور عیسائی باشندے کسی معاملے میں متفق ہوتے ہیں۔ اس وقت یہاں کی یہودی آبادی اور خود ان کی یہودی حکومت بے بس ہو جاتی ہے۔

مراسم خاقان

خزر میں خاقانی رسوم نہیں ہیں یہ ملک خزر خاقان کی طرح مطلق العنان بادشاہ ہے جس کے خدم وحشم، حرم اور غلام اور کنیزیں بے شمار ہیں اور وہ جس کے قتل کا چاہے بے دریغ حکم دے دے۔ یہاں ہر کام میں مذہبی پابندی کے علاوہ قانون عدل، انسانی تہذیب اور جذبات انسانی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ میں نے خاقان کے ملک میں جو کچھ دیکھا یہاں اس کا شمہ برابر بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ کبھی پہلے ایسا ہو تو کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

نہر برطاس

مملکت خزر کے پاس آبی راستوں کے لیے کشتیاں ہیں۔ یہ کشتیاں عموماً تاجروں کی ملکیت ہیں جن میں وہ مال تجارت لاتے اور لے جاتے ہیں۔ ان کشتیوں کی آمد و رفت مذکورہ بالا نہر کے ذریعہ ہوتی ہے جسے نہر برطاس کہا جاتا ہے۔ یہاں ان ترکوں کی کشتیاں

آتی ہیں جو خزر اور بلغر کے درمیان آباد ہیں کیونکہ یہ نہر بلغر ہی کی طرف سے آتی ہے۔ البتہ ترکوں اور اہل خزر کی کشتیاں ساخت کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔

قوم برطاس

قوم برطاس انہیں ترکی اقوام میں سے ایک ہے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ نہر برطاس اسی قوم کے نام سے منسوب ہے۔ اسی علاقے سے سیاہ اور سُرخ لومڑیوں کی کھالیں لے جائی جاتی ہیں جن میں سے ایک ایک کھال کی سو دینار قیمت ہے۔ بلکہ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ قیمت مل جاتی ہے۔ سیاہ لومڑی کی کھال سے تیار شدہ لباس عرب وعجم کے بادشاہ پہنتے ہیں اور اسے سمور اور فنک کی پوستین پر ترجیح دیتے ہیں نیز اسے بہت سے دیگر کاموں میں مفید پاتے ہیں اور اسے خوش قسمتی میں اضافے کا سبب سمجھتے ہیں۔ سُرخ کی کھال سیاہ سے زیادہ قیمتی سمجھی جاتی ہے مگر کمیاب ہے۔ یہاں سے تلالس، خفاف، دواج، خفان اور فنک وغیرہ کی کھالیں بھی باہر جاتی ہیں۔ لومڑی کی قسم کے یہ سب جانور یہیں پائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کی کھالیں بھی سیاہ لومڑی کی کھال کی طرح برطاسیہ کہلاتی ہیں۔ تلالس، خفاف، دواج اور خفان کے متعلق خیال ہے کہ وہ بھی سیاہ لومڑیوں کی نسل سے ہیں بلکہ انھیں کی ذریات ہیں۔ برطاس کے بالائی حصوں سے نہر خزر آتی ہے جو بحر نیطس یا بحر روس کی خلیج سے متصل ہے۔ قوم برطاس انھیں سواحل پر بستی ہے۔ یہاں کے پہاڑی علاقوں میں چاندی کی کانیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ یہاں کی چاندی ارض خراسان کے علاقے نجہیر کی چاندی سے ملتی جلتی ہے۔ قوم برطاس جو برفز اور روس کی سرحدوں تک پھیلی ہوئی ہے نہ کسی بادشاہ کی مطیع و منقاد ہے اور نہ کسی مذہب و شریعت کی پیرو ہے۔

شہر برغز

شہر برغز بحر مایطس کے ساحل پر واقع ہے اور یہ دونوں ساتویں اقلیم میں شمار کیے جاتے ہیں۔ شہر برغز کے باشندے بھی ترکوں ہی میں سے ہیں اور جو دوسرے قبائل ان کے قریب آباد ہیں وہ خراسان کے علاقہ خوارزم کے لوگ ہیں۔ خوارزمی اور خراسانی ایک ہی نسل سے ہیں لیکن ان دونوں کے درمیان جو لوگ آباد ہیں وہ ترکی الاصل ہیں اور دونوں جگہ آتے جاتے رہتے ہیں۔ ان دنوں یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں یہ سب لوگ مسلمان ہیں۔ یہاں کا پہلا حاکم مقتدر باللہ کے زمانے میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اس کے بیٹے نے حج بھی کیا تھا اور مقتدر باللہ کے لیے بہت سے تحائف لے گیا تھا۔ وہ دارالسلام بھی گیا تھا۔ کسی زمانے میں مرغز ارض فارس میں تھا اور یہاں کے لوگ لوٹ مار اور قتل و تباہی مچاتے ہوئے روم، اندلس، ارض برجان، جلالقہ بلکہ کچھ یورپی علاقوں تک جا پہنچے تھے۔ اب بھی قسطنطنیہ کی طرف جاتے ہوئے ایک دوسرے سے متصل دو شہر اور

متعدد آبادیاں ملتی ہیں مگر آج کل یہاں کوئی غیر مسلم نہیں ہے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اس وقت کا ہے جب بلاد طرطوس و شام میں لڑائی چھڑ گئی تھی۔ امیر ثغور زلفی شامی و بصری کشتیوں میں فوج لے کر اس طرف چڑھ آیا تھا تو ان لوگوں نے اسے بتایا تھا کہ برغز یہاں سے قریب ہے۔ یہ ۳۲۲ھ ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت مسلمان خلیج قسطنطنیہ اور بحر روم کی آخری خلیج عبور کر کے بلاد فندیہ تک آ گئے تھے۔ اس کی بابت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ برغز کی آبادیاں بحر روم کے ساحل تک پھیلی ہوئی ہیں۔ طرطوس اور برغز کی قوم ایک عظیم قوم ہے۔ اس نے کسی زمانے میں اپنے گرد و پیش کی جملہ قوموں کو اپنا مطیع و منقاد بنا رکھا تھا حتیٰ کہ مسلمانوں سے لڑائی میں ان کے سینکڑوں سپاہی اور گھوڑے مارے گئے تھے اور ان کا حاکم مسلمان ہو گیا تھا۔ اب ان کے اور اہل قسطنطنیہ کے لب و لہجہ میں فرق کے سوا اور کوئی امتیازی بات نہیں ہے۔ تاہم آج کل یہ لوگ قلعوں اور گھاٹیوں میں آباد ہیں۔ یہاں راتیں عموماً بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ بتاتے ہیں کہ کبھی کبھی تو وہاں ایسا بھی ہوا کہ وہ رات کے کھانے پکانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ صبح ہو گئی جیسا کہ ہم نے اپنی پہلی کتابوں میں ذکر کیا ہے اس کا تعلق فلکیات سے ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں چھ مہینے مکمل رات ہوتی ہے اور چھ مہینے کا دن ہوتا ہے۔ فلکیات کی رُو سے یہ علاقہ چونکہ جدی کے قریب تر ہے اس لیے ایسا ہوتا ہے۔ زیجات میں اصحاب نجوم نے بھی شب و روز کے اس فصل کو فلکیات کے زیر اثر ظاہر کیا ہے۔

روس اور اس کے باشندے

روس میں بے شمار قومیں آباد ہیں اور ان کی انواع بھی مختلف ہیں۔ تاہم ان میں اکثریت اس قوم کی ہے جو خود کو لوذعانہ کہتی ہے۔ اس کی تجارت کا سلسلہ اندلس، رومانیہ، قسطنطنیہ اور خزر کے ساتھ قائم ہے۔ تیسری صدی ہجری کا ذکر ہے کہ ان کے اطراف میں پانچ سو کشتیاں پہنچیں اور ہر کشتی میں قریباً سو آدمی سوار تھے یہ لوگ بحر خزر کے قریب خلیج نیطس سے داخل ہوئے۔ جہاں بحر خزر اور بحر نیطس کے بری علاقے بھی ہیں جن میں غز کے ترک آباد ہیں۔ چونکہ بحر خزر اور بحر نیطس کے ساحلی علاقے قریب قریب ہیں" اس لیے یہ لوگ دونوں پر متصرف رہنا چاہتے ہیں۔ شاہ خزر نے جس کی افواج کی تعداد یہاں کی افواج سے دوگنی ہے یہاں آنا چاہا لیکن ہر بار سمندر حد درجہ طوفانی ہونے کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اسی طرح یہاں کی افواج خزر سے تعداد میں کم ہونے کے باوجود موخر الذکر سے کہیں زیادہ قوی اور جنگجو ہیں مذکورہ بالا سمندروں کا عبور اکثر ناقابل عبور ہی رہا جب ان ترکوں نے چند دوسری روسی قوموں کے ساتھ مل کر کسی نہ کسی طرح مملکت خزر کے کچھ علاقوں پر

جہاں کے باشندوں کی تعداد ان سے کئی گنا تھی قبضہ کر لیا تو شاہِ خزر کو ان سے صلح کرنا پڑی۔ اس کے بعد روسی اقوام بحرِ خزر تک آنے لگیں اور ان کی تعداد شہر آمل اور اس کے آگے جیل، دیلم، بلادِ طبرستان اور آبسکون میں بڑھنے لگی۔ یہ علاقے بلادِ آذربائیجان کے قریب ہیں جو سمندری راستے سے صرف تین دن کی مسافت پر ہیں۔ یہاں تک پہنچ کر انہوں نے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا اور عورتوں تک کو لے جانے لگے اور بچوں کو بھی نہ چھوڑا۔ ویسے ان میں ازمنۂ قدیم سے عداوت چلی آتی تھی۔ بہرحال اب تجارتی سلسلے کے علاوہ مچھلیاں پکڑنے کے لیے دونوں اطراف کے لوگ دونوں سمندری علاقوں میں آنے جانے لگے تھے لیکن روسیوں کو اس چیرہ دستی کی وجہ سے باہمی محاربات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مملکتِ خزر کی جانب سے ان محاربات کی قیادت ابن ابی ساج نے کی اور بڑھتا ہوا مملکتِ شروان کے ساحل نفاطہ تک جا پہنچا۔ شروان کو باکہ (باکو) بھی کہا جاتا ہے۔ ویسے آج کل شروان کا حاکم علی بن ہیثم ہے لیکن اس زمانے میں روسی شروان کے آگے تک بڑھ آئے تھے اور انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ انہوں نے ان دونوں سواحل پر قبضہ جما لیا تھا اور جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا شاہ خزر کے لیے اس وقت سمندر کا عبور ناممکن تھا اس لیے اس نے انہیں کافی زر و مال کے علاوہ بہت سے تحفے تحائف بھیج کر ان سے صلح کر لی تھی۔ تاہم جب ان کی چیرہ دستیاں حد سے تجاوز کر گئیں تو ان ترک مسلمانوں نے شاہِ خزر سے کہا کہ ہم آپ کے ہاں اس شرط پر آباد ہوئے ہیں کہ ہم محاربات میں آپ کا ساتھ دیں گے لیکن ان غیر مسلم روسیوں نے ہمارے لاتعداد بے گناہ مسلمان بھائیوں کو نہ صرف لوٹا بلکہ انہیں قتل بھی کر دیا ہے اس لیے اب ہم آپ سے ان کی باہمی صلح کے باوجود خاموش نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ نہ صرف شاہ خزر کی افواج نے اس کے حکم سے ان مسلمانوں کا ساتھ دیا بلکہ مملکتِ خزر کی نصرانی آبادی بھی ان کے دوش بدوش ظالم و خونخوار روسیوں سے مقابلے کے لیے تیار ہو گئی۔ ان سے مقابلہ کرنے والے مسلمانوں کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی۔ وہ بلادِ برطاس تک جا پہنچے اور بری علاقوں کی طرف بڑھ گئے۔ تین شبانہ روز لڑائی جاری رہی اور خدا نے مسلمانوں کو فتح یاب کیا، تاہم اس طرف کے لوگوں نے بھی برعنز تک آ کر عام مسلمانوں کو قتل کیا لیکن مسلمانوں کی اس شاندار کامیابی کے بعد انہیں ان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی جرأت نہ ہو سکی لیکن اس سے قبل تیس ہزار مسلمان قتل کیے جا چکے تھے۔

ہم نے یہ واقعات یہاں اس لیے بیان کیے ہیں تاکہ ان لوگوں کے خیال کی تصحیح ہو سکے جو یہ سمجھتے ہیں کہ بحرِ خزر بحرِ مایطس اور بحرِ نیطس کی طرف سے خلیج قسطنطنیہ کے قریب ہے

کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو رومی اس طرف کبھی پھٹکنے بھی نہ پاتے چہ جائیکہ وہ مملکت خزر کے علاقے دبا لیتے۔ اس لیے جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ان دونوں سمندروں اور خلیج قسطنطنیہ میں کافی فصل ہے۔ بہر حال یہ واقعات بھی تیسری صدی ہجری کے بعد کی باتیں ہیں۔ البتہ ساحل طبرستان اس سمندر پہ واقع ہے اور اب وہاں جو شہر آباد ہے اسے الہم کہا جاتا ہے اور ساحل جرجان پر جو شہر ہے وہ آبسکوں کے نام سے مشہور ہے اور ان دونوں کے درمیان تین دن کی مسافت ہے۔ اس سمندر کے ساحل پر جیل اور دیلم بھی ہیں جہاں سے اب اِدھر اُدھر تجارت کا سلسلہ جاری ہے یعنی آمل سے باکہ (باکو) تک جہاں (مٹی کا) سفید تیل نکلتا ہے جو آج تک دنیا میں کسی اور جگہ نہیں نکلتا۔

نیران کے علاقے

بحر نیران کے سواحل کے سامنے متعدد جزائر ہیں جہاں سال کے مختلف موسموں میں عجیب و غریب مناظر پیش نظر ہوتے ہیں مثلاً ایک جزیرہ ایسا ہے کہ بعض اوقات وہاں سے آگ کے شعلے پہاڑوں کی طرح بلند ہو کر آسمان کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ جزائر نیران کے بڑی علاقوں سے کافی فاصلے پر ہوتے ہوئے بھی مذکورہ بالا جزیرے سے اُٹھتے ہوئے شعلے وہاں سے صاف نظر آتے ہیں۔ ویسے اس جزیرے کی فضا بلاد صقلیہ، ارض فرنگ اور ارض مغرب میں بلاد افریقہ کی طرح ہے خصوصاً جبل برکان کی فضا سے ملتی جلتی ہے لیکن مذکورہ بالا منظر جو گاہے گاہے سامنے آتا ہے حیرت انگیز ہے۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ آتش فشاں پہاڑوں کی طرح نہ یہاں گڑگڑاہٹ پیدا ہوتی ہے نہ سیاہ دھویں کے بادل اُٹھتے ہیں جیسے بلاد مہراج ا وادی برہوت جو بلاد سبا اور بلاد شحر کے علاقہ حضرموت میں واقع ہے یا بلاد یمن اور بلاد عمان میں ہوتا ہے کہ گڑگڑاہٹ آواز رعد کی طرح ہوتی ہے اور پھر آتش فشاں پہاڑوں کی چوٹیوں کے دہانوں سے آگ کے ساتھ پتھر نکل نکل کر ہوا میں بلند ہوتے ہیں اور چاروں طرف پھیل کر تباہی مچا دیتے ہیں۔ سطح ارض پر کہیں کہیں ایسے چشمے بھی دیکھنے میں آئے ہیں جن سے آگ بلند ہوتی ہے۔ ان "عیون النار" کا ذکر اور ان کی ان کیفیات کے اسباب ہم نے اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیل سے پیش کیے ہیں۔

یہاں کی سمندری مخلوق میں انواع بزاب (بازا) کی طرح کی ایک جاندار چیز پائی جاتی ہے اسے ایرانیوں، ترکوں، ہندیوں، رومیوں اور عربوں نے جسمانی لحاظ سے انواع بزات میں شامل کیا ہے۔ اس کا رنگ اگر سفید ہو تو اسے بہترین سمجھا جاتا ہے۔ یہ سفید رنگت کا اور مچھلی کی شکل کا دریائی جانور ارمینیا، بلاد خزر و جرجان میں برفانی علاقے ہونے کی وجہ سے کثرت سے ملتا ہے حکمائے یونان خصوصاً ارسطجانس نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے جسمانی خواص پر گفتگو کی ہے۔ اس سلسلے میں خاقان،

نوشیرواں، قیصر وغیرہ کے اقوال بھی ملتے ہیں۔ ہارون الرشید کے وقائع میں بتایا گیا ہے کہ ایک روز وہ شکار کے لیے گیا۔ اس کے ہاتھ پر باز تھا۔ جب اسے چھوڑا گیا تو وہ دریا پر دُور تک اُڑتا چلا گیا اور جب شکار لیے لوٹا تو اس کے پنجوں میں مچھلی کی شکل کا ایک خوبصورت جانور تھا جو عربوں میں از قسم بزانت یعنی بازی کہلایا۔ جالینوس نے ارستجانس سے اتفاق کرتے ہوئے بازی کو پرندوں میں شامل کیا ہے یہاں تک کہ اسے درختوں پر سکونت پذیر بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ بلند ترین اشجار پر اپنے لیے ایسا گھونسلا بناتا ہے کہ اس کی چھت پر بارش اور برف باری کا بالکل اثر نہیں ہوتا۔

شکرے سے شکار کی ابتدا

ادھم بن محرز نے ذکر کیا ہے کہ شکرے کے ذریعہ شکار کی ابتدا حارث بن معاویہ بن ثور الکندی نے کی۔ الکندی ابو کندہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے ایک دفعہ پرندوں کے شکار کے لیے جال لگوایا تو اس میں ایک ایسا پرندہ بھی آ پھنسا جو دوسرے پرندوں پر جھپٹ جھپٹ کر انہیں ہلاک کر رہا تھا اور کھا رہا تھا۔ اسے پکڑا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی من بھاتی غذا چڑیوں کا گوشت ہے۔ ابو کندہ نے اسے سدھایا تو وہ اس کے ہاتھ پر بیٹھنے لگا اور اس کے اشارے پر پرندوں کا شکار کر کے لانے لگا۔ اس طرح عربوں میں اسے پالنے، سدھانے اور اس کے ذریعہ پرندوں کے شکار کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اس کا عام رواج ہو گیا۔

قسطنطین و شواہین

یونانی حکیم ارستجانس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی کو سب سے پہلے روم کے شہنشاہ قسطنطین نے دُوسرے تحائف کے ساتھ شاہین بھی تحفتہً بھیجا تھا۔ اس سے قبل روم کے ایک دوسرے بادشاہ فیسان نے شاہین کو پہلی بار دیکھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بگلے سے بڑا ایک پرندہ ہوا سے پانی کی سطح پر اترتا ہے اور سمندری پرندوں کو اپنے پنجوں میں پکڑ کر آسمان کی طرف پرواز کر جاتا ہے اور یہ کہ پرواز کی تیزی میں کوئی دوسرا پرندہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ آسمان کی بلندیوں کی طرف اتنی سرعت سے جاتا ہے کہ نگاہ اس کا تعاقب نہیں کر سکتی۔ ملوکِ روم میں فیسان ہی پہلا بادشاہ تھا جس نے شاہین کی ان خصوصیات پر غور کیا لیکن قسطنطین نے اسے کسی نہ کسی طرح پکڑا اور پھر اسے شکار کے لیے سدھایا یعنی شاہین سے شکار کا موجد قسطنطین ہی تھا۔ ایک شکار ہی کے موقع پر اس نے ساحل سمندر پر ایک پُرفضا جگہ کو پسند کر کے وہاں ایک خوب صورت شہر کی بنیاد ڈالی تھی جو اسی کے نام کی مناسبت سے قسطنطنیہ کہلایا۔ اس واقعہ کا ذکر سعید بن عبیس بن ہاشم بن خدیج نے کیا ہے۔

ابن غفیر نے ابی زید فہری کے حوالے سے جو ملوک اندلس کی طرف سے زراقہ کا حاکم تھا بیان

کیا ہے کہ جب ملوک اندلس میں سے کوئی اپنے لشکر کے ساتھ کہیں کا قصد کرتا تھا تو شاہین اس کے مرکب اور اس کے لشکر کے اوپر ہوا میں ساتھ ساتھ اڑتے رہتے تھے اور حالتِ قیام میں ان کے خیموں پر بیٹھے رہتے تھے جیسے قدرت نے ان کے اور ان کے عساکر کی حفاظت کا یہ فطری انتظام کر رکھا ہو۔ ابن عفیر ہی نے ابی زید فری کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ فہری کے زمانے میں اندلس کے ملک ازرق نے ایک شاہین پال رکھا تھا جو اس کی سواری پر آگے بیٹھا رہتا تھا۔ ایک دفعہ حالتِ سفر میں ایسا ہوا کہ ملک ازرق نے ہوا میں ایک پرندے کو اڑتے دیکھ کر اپنے اس شاہین کو اشارہ کیا تو وہ برق رفتاری سے ہوا میں بلند ہوا اور آناً فاناً اس پرندے کو پنجے میں دبوچ کر واپس بادشاہ کے پاس لے آیا تو سب حیران رہ گئے اور اس طرح ملوک اندلس میں ملک ازرق نے سب سے پہلے شاہین کے ذریعہ پرندوں کے شکار کا آغاز کیا۔ روم کے حکماء اور امراء نے اپنے بادشاہ سے کہا تھا کہ یہ شاہین جہاں ملوک اندلس کے لیے اسلحہ کا کام دے کر خیر کا سبب بن رہے ہیں ہمارے واسطے صرف موجب شر ہیں۔

ایک دفعہ قیصر روم نے کسرائے ایران کو تحفۃً ایک شاہین یا عقاب بھیجا اور اس کے شکار کرنے کی صلاحیتیں واضح کر کے یہ بھی لکھا کہ یہ عقاب پرندوں کے علاوہ ہرن کا شکار بھی کر سکتا ہے۔

--------- کسریٰ نے اس کا امتحان لیا تو اس نے ہرنوں کا شکار بھی کر دکھایا لیکن ایک دفعہ اس نے کسریٰ کے سامنے ایک لڑکے پر جھپٹ کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی کسریٰ نے کہا: "قیصر کا مطلب یہ ہے کہ وہ چاہے تو لشکر کے بغیر بھی ہمارے لوگوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔"

اس کے بعد کسریٰ نے قیصر کے عقابی تحفے کے جواب میں اسے ایک چیتا بھیجا جو شکل و صورت اور قد و قامت میں تیندوا لگتا تھا اور اسے لکھا کہ یہ بھی عقاب کی طرح ہرنوں اور اس قبیل کے دوسرے چھوٹے جانوروں کا شکار کر سکتا ہے بلکہ اس سلسلے میں اس کی صلاحیت عقاب سے کہیں زیادہ ہے۔

قیصر اس چیتے کی شکاری صلاحیت دیکھ کر بہت خوش ہوا اور مطمئن ہو گیا لیکن ایک روز وہی چیتا جسے قیصر نے صرف سدھا ہوا پالتو شکاری تیندوا سمجھا تھا سر دربار خود قیصر پر جھپٹ پڑا۔ قیصر تو بچ نکلا لیکن چیتے نے اس کے متعدد امراء و وزراء کو چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس چیتے کو یہی خصوصی صلاحیت کسریٰ نے عمداً قیصر سے پوشیدہ رکھی تھی۔ یہ دیکھ کر قیصر بولا: "کسریٰ نے ہم سے بدلہ لے لیا ہے، تاہم شکایت کا کوئی موقع نہیں کیونکہ عوض معاوضہ گلہ ندارد۔"

یہاں ہم نے بازوں، شاہینوں یا عقابوں کی اشکال اور ان کے اعضا و جوارح کے اذکار کے ساتھ ضمناً ملوک اندلس اور قیصر کے پالتو عقابوں اور کسریٰ کے پالتو چیتے کا ذکر بھی کر دیا ہے جو کسی قدر طویل

ہو گیا ہے اور شاید غلو آمیز بھی لگے - ہم یونانی عقابوں کا ذکر ملوک یونان کے حالات و کوائف کے ساتھ زیر نظر کتاب میں آگے چل کر کریں گے - اب ہم پھر باب الابواب کے علاقوں اور جبل قبخ کی طرف لوٹتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے یہاں کے حکمران اپنے پڑوس جیدان کی اقوام کے ساتھ ہمیشہ چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں - ان اقوام میں مسلمان بھی ہیں جن کا حکمران بزعم خویش عربی النسل ہے اور قبیلہ قحطان سے ہے جسے اب یعنی ۳۳۲ ہجری میں سلفان کے نام سے پکارا جاتا ہے - ویسے کہا یہ جاتا ہے کہ اس قوم میں مذکورہ بالا حکمران اس کی اولاد اور اہل خاندان کے سوا کوئی اور مسلمان نہیں ہے - بہرحال اس قوم کے دیگر حکمرانوں کی بابت بھی یہی افواہ ہے - مملکت جیدان اور باب والابواب کے درمیانی علاقے کے سب لوگ مسلمان ہیں جو صرف عربی بولتے ہیں - وہ یہاں کے سواحل کی طرف عرب سے آکر آباد ہو گئے ہیں کیونکہ انہوں نے یہاں پانی اور شادابی کی کثرت دیکھی ہے وہ مملکت جیدان میں آمد و رفت رکھتے ہیں لیکن انہیں وہاں کے باغوں سبزہ زاروں یا نہروں کے کنارے مستقل قیام کی اجازت نہیں ہے - ان کے علاقے سے باب والابواب کے شہر تک تین دن کی مسافت ہے - اہل ابواب ان سے مجتنب اور خائف رہتے ہیں۔

مملکت جیدان کے قریب اور جبل قبخ و سریر کے متصل ایک علاقے کا حکمران بھی مسلمان ہے اور "بر دبان سلم" کہلاتا ہے بلکہ یہ سارا علاقہ ہی برنجانی کہلاتا ہے۔

مملکت غمیق

مملکت مرزبان کے متصل ایک اور مملکت ہے جسے مملکت غمیق کہتے ہیں - اس کے باشندے نصرانی ہیں اور مملکت کے حامی نہیں ہیں - تاہم اب کچھ ڈسا اس مملکت کے عہدہ داروں میں شامل ہو گئے ہیں۔

مملکت زریگران

اس کے بعد قریب ترین مملکت زریگران ہے جو علاقہ سریر اور جبل قبخ کے قریب ہے - وہاں کے لوگ زرہ بکتر بناتے ہیں، اونٹوں کی مہاریں اور گھوڑوں کی لگامیں بھی بناتے ہیں - اس کے علاوہ وہ تلواریں اور لوہے کا دوسرا سامان بھی تیار کرتے ہیں - ان کے مذاہب مختلف ہیں - وہاں مسلمان بھی ہیں، عیسائی بھی اور یہودی بھی - ان کا مرکزی شہر خشن ہے - وہ لوگ کسی دوسری قوم کے لوگوں کو وہاں داخل نہیں ہونے دیتے۔

مملکت سریر

مملکت زریگران کے نزدیک ایک اور مملکت سریر ہے - اس کا بادشاہ نصرانی ہے جو فیلان شاہ کے نام سے مشہور ہے اور جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بتا چکے ہیں - وہ بہرام گور کی نسل سے ہے لیکن اس کے اپنے خیال میں وہ یزدگرد کی اولاد میں سے ہے جو

ساسانی بادشاہوں میں آخری تھا۔جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یزدگرد کو قتل کر دیا گیا تو بہرام گور کی نسل کا ایک شخص جو مملکت سریر کے موجودہ حکمران کے بزرگوں میں سے تھا اس کا طلائی تخت اور جملہ زر و جواہر و مال و متاع لے کر یہاں چلا آیا اور یہاں کا بادشاہ بن بیٹھا۔اس کا ذکر ہم اس کتاب کے علاوہ اپنی پچھلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔مملکت سریر کا دارالحکومت حمرج کہلاتا ہے۔اس کے تحت چھوٹے بڑے بارہ ہزار شہر اور دیہات ہیں۔بلدخشن کے لوگ یہاں آ جا نہیں سکتے کیونکہ یہ حکمران بڑا ظالم و جابر ہے۔ اہل خزر کی رسائی بھی ان پہاڑی گھاٹیوں کو عبور کر کے جو اس مملکت کی حدود میں ہیں تقریباً ناممکن ہے کیونکہ جبل قبخ کا پہاڑی علاقہ حد درجہ دشوار گزار ہے۔

مملکت لان

مملکت سریر کے نزدیک ترین علاقوں میں مملکت لان ہے۔اس مملکت کا حکمران کرکنداج کہلاتا ہے بلکہ یہاں کا ہر حکمران اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے جس طرح مملکت سریر کے ہر حکمران کو فیلان شاہ کہا جاتا ہے۔اس کا دارالحکومت معص ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے بہت سے مقامات پر بھی اس کے محلات اور قیامگاہیں ہیں جہاں وہ آتا جاتا رہتا ہے۔ان دنوں مملکت سریر اور مملکت لان کے حکمرانوں میں باقاعدہ دوستی ہے بلکہ دونوں نے ایک دوسرے کی بہنوں سے شادی بھی کر رکھی ہے۔مملکت لان دولت عباسیہ کے زمانے میں اسی کے ماتحت تھی لیکن یہاں کے لوگ اس زمانے تک نصرانی تھے اور اس سے قبل دورِ جاہلیت کی یادگار تھے۔نصرانیت قبول کرنے کے بعد ان میں اسقف اور قبیس بھی پیدا ہونے لگے اور یہ سب براہ راست شاہِ روم کی سرپرستی میں آ گئے تھے۔

مملکت لان اور جبل قبخ کے درمیان ایک بڑا قلعہ اور اس کے گرد بڑی لمبی چوڑی فصیل ہے۔ اس قلعہ کو "باب الالان" کہا جاتا ہے۔اس قلعہ کی بنیاد رکھ کر اس کی تعمیر ایک قدیم ایرانی بادشاہ اسفندیار بن استاسف بن بہراسپ نے کی تھی۔اس قلعہ میں جو لوگ رہتے ہیں وہ باہر کے لوگوں کو کوہِ قبخ تک جانے کی اجازت نہیں دیتے۔

یہ قلعہ ایک پہاڑی چوٹی پہ بنا ہوا ہے اور کوہِ قبخ تک جانے والے اس قلعہ کے نیچے سے ضرور گزریں گے چونکہ اس کے سوا وہاں تک پہنچنے کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔لہٰذا یہاں سے گزرنے کے لیے اہل قلعہ کی اجازت ضروری ہے جو بہت کم ملتی ہے جہاں یہ قلعہ واقع ہے اسی پہاڑ سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ نکلتا ہے جو بہت عمدہ ہے۔فارسی شاعروں نے اس قلعہ کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے کیونکہ تمام دنیا کے قلعوں میں یہ قلعہ اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے عجیب ترین ہے۔اسفندیار فارسی نے مشرق میں یہاں کی اکثر اقوام سے لڑائیاں لڑی ہیں۔وہ بڑھتا بڑھتا ان ترکی علاقوں تک

آ پہنچا تھا اور اسی نے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا یہ قلعہ یہاں تعمیر کیا تھا۔ ہم نے اسفندیار کے حالات وکوائف جہاں کہیں لکھے ہیں وہ کتاب البنکش کے حوالے سے لکھے ہیں اور ابن مقنع نے اس کے بارے میں جو کچھ عربی میں لکھا ہے وہ بھی اسی کتاب سے منقول ہے۔ جب مسلمہ بن عبد الملک بن مروان یہاں پہنچا تو اس قلعہ میں رہنے والوں کو بلطائف الحیل مطیع کر کے کچھ اہل عرب کو یہاں چھوڑ دیا۔ ان کے کھانے پینے کا سامان اور دوسرے لوازم زندگی وہ تفلیس کے سرحدی درّے سے یہاں بھیجتا تھا۔ تفلیس اور اس قلعہ کے درمیان بھی پانچ دن کی مسافت ہے۔ ویسے اگر اس قلعہ میں فردِ واحد بھی موجود ہو تو یہاں کے نشیب سے گزرنے والوں کو روک سکتا ہے۔ یہاں کا حکمران جب سوار ہو کر چلتا ہے تو اس کے جلو میں تیس ہزار فارسی سپاہی ہوتے ہیں۔ اس کی سیاست ذاتی کا یہ کمال ہے کہ اس نے قرب وجوار کی جملہ مملکتوں سے قریبی دوستانہ تعلقات قائم کر رکھے ہیں۔ ویسے اس کی سلطنت میں قصور و عمارات اتنے قریب قریب ہیں کہ وہ قلعہ سے نکل کر جب چاہے ان کے ذریعہ بوقت ضرورت راہِ فرار اختیار کر سکتا ہے۔

قوم کشک

مملکت لان کے قریب وجوار میں ایک اور مملکت ہے جسے کشک کہا جاتا ہے۔ وہ کوہ قبخ اور بحرِ روم کے درمیان میں ہے۔ یہاں بسنے والی قوم مجوسی ہے۔ اس کا رنگ روپ قرب وجوار کی قوموں سے کسی قدر الگ ہے۔ بہر حال ان کا رنگ سفید نہیں ہے یہاں کے مرد خوبصورت ہوتے نہ عورتوں میں صباحت ہے نہ یہ دونوں بلند قامت ہیں میل ملاقات میں نہ بالکل سرد نہ زیادہ گرم جوش۔ اسی طرح شکل وصورت کے لحاظ سے بھی انہیں خوبصورت نہیں کہا جا سکتا۔ نہ فطرۃً ذمہ دار۔ ویسے یہاں کی عورتیں خلوت میں لذت آفرینی سے متصف بتائی جاتی ہیں۔ ان کا لباس دیبائے رومی سے زرتاری میں ملتا جلتا ہے۔ یہاں کے کچھ درختوں سے سن کی طرح ریشے نکلتے ہیں ان سے بھی لباس تیار کیا جاتا ہے جن میں زردہ شامل کی جاتی ہے یہ لباس انتہائی نازک اور باریک ہوتا ہے اس کی قیمت دس دینار ہوتی ہے۔ اسے یہاں سے قریب مسلم علاقوں میں برآمد بھی کیا جاتا ہے۔

لان کے لوگ یہاں کے لوگوں پر امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ لان کی طرح ان لوگوں کے قلعے اور دوسری عمارات ساحل بحر پہ نہیں ہیں جسے بحر روم کہا جاتا ہے۔ یہاں کے لوگوں اور اہل لان میں اس سمندر کے بارے میں تنازعہ ہے۔ اس سمندر کو کچھ لوگ بحر نیطس بھی کہتے ہیں جو بلاد طرابزند کی طرف سے یہاں کے قریب ہیں۔ یہاں کا سامان تجارت اسی طرف سے لے جایا جاتا ہے۔ لان کے

لوگوں اور یہاں کے لوگوں میں زیادہ تر وجہ امتیاز عربیت اور فارسیت ہے۔ یہی امتیاز ان دونوں کے لب و لہجہ میں بھی ہے۔ اسی لیے عربوں سے قربت کے باوجود فارسیت کے غلبہ کی وجہ سے یہ قوم کشک کہلاتی ہے۔
قوم کشک کے گرد و پیش دُور دُور تک بہت سی قومیں آباد ہیں جن کے مذہب وغیرہ کی بابت معلوم نہ ہو سکا۔

ارم ذات العماد

کشک سے آگے ایک عظیم قوم آباد ہے اور ان دونوں کے درمیان فرات جیسا ایک بڑا دریا بہتا ہے جو آگے چل کر بحیرہ روم یا بحر مبطیس میں جا گرتا ہے۔ اس بڑی قوم کا دارالحکومت "ارم ذات العماد" کہلاتا ہے۔ یہاں کے قریب جو سمندر ہے اس کے متعلق عجیب و غریب بلکہ مضحکہ خیز حکایات بیان کی جاتی ہیں، مثلاً یہاں کے سمندر سے سال میں ایک بار اتنی بڑی مچھلی نکلتی ہے جو اس قوم کی تمام خوراک کے لیے سال بھر کافی ہوتی ہے، پھر دوسرے سال جو اتنی ہی بڑی مچھلی نکلتی ہے وہ اگلے پورے سال تک کفایت کرتی ہے۔ کہتے ہیں ان لوگوں نے گوشت خوری اسی مچھلی سے شروع کی ہے۔ ان کے عادات و اطوار زمانۂ جاہلیت جیسے ہیں اور اسی لیے یہ مذہباً کافر ہیں۔

یہاں سے قریب جو ایک اور علاقہ ہے وہ چار پہاڑوں کے بیچ میں گھرا ہوا ہے۔ ویسے وہ چار مختلف علاقے ہیں جن کے مابین سفر مشکل ہے کیونکہ انہیں سو میل کا ایک صحرا ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔ یہ صحرا دائرے کی شکل میں ہے اور اس کے کناروں پہ پہاڑ ہیں۔ ان علاقوں تک پہنچنے کے لیے متعدد پہاڑی نشیب و فراز اور گھاٹیاں ہیں۔ یہ گھاٹیاں ہر دو میل کے فاصلے پر ملتی ہیں اور بہت ہی خطرناک ہیں۔ ان علاقوں میں رات کے وقت آگ کے شعلے بلند ہوتے نظر آتے ہیں لیکن صبح کو سورج نکلنے کے بعد عمارتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہاں انسان اور درندے دونوں رہتے ہیں۔
درندوں کا ٹھکانہ گھاٹیاں ہیں اور عریض و طویل غار۔ یہاں کے لوگوں کی شکلیں اور جسم کی ساخت بھی عجیب و غریب ہے۔ یہاں بندر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ انسانوں کی شکلیں بھی کچھ انہیں بندروں سے ملتی جلتی ہیں۔ یہاں کے جنگلوں میں بندروں کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ یہاں کیلے کے درخت بکثرت ہوتے ہیں۔ بندر دوسرے درختوں کی شاخوں سے اُتر کر کیلے کے درختوں کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں اور آپس میں انسانوں کی طرح بات چیت کرتے ہیں۔ ان کے سردار کو امتیازی جگہ ملتی ہے۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے انسانوں کی کوئی مشاورتی مجلس برپا ہو۔ یہاں کے آدمیوں کی بولی بھی ان بندروں کی بولی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ان کی بولی کو کسی زبان کا درجہ تو کیا نطق کا درجہ دینا بھی ناممکن ہے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا اجنبی وہاں جا نکلے تو مقامی باشندوں سے صرف اشاروں میں

بات کر سکتا ہے۔ بندر یہاں کا مفید ترین جانور ہے۔ ویسے بندر سندھ و ہند میں بھی بکثرت پائے جاتے ہیں مگر اس کی افادیت کا شاید موخر الذکر ملکوں کو علم نہیں۔ سمندر سے مگرمچھ یا گھڑیال پکڑنا یہاں کے مقامی باشندوں کی بے مثال ایجاد ہے۔ ساحل سمندر پر بندروں کا سینکڑوں حیلوں بہانوں سے گھڑیالوں کو اپنی طرف متوجہ کر کے ساحل پر لے آنا واقعی منجملہ عجائبات ہے۔ ان بندروں کی افادیت میں یہ واقعہ سرفہرست ہے کہ جب یہاں کا کوئی حکمران کھانا کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھتا ہے تو ایک بندر بھی اس کے برابر بیٹھتا ہے۔ ہر کھانا پہلے اس بندر کو پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اسے کھالے تو حکمران بھی اسے مسموم سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے۔ اس قسم کا پہلا بندر یہاں سے خلیفہ مہدی کی خدمت میں پابہ زنجیر کر کے بھیجا گیا تھا اور ایک عباسی خلیفہ مقتدر باللہ کو بھی۔ پھر عرب میں بندروں کی نسل پھیلتی گئی۔ خصوصاً یمن وغیرہ میں اب کافی بندر پائے جاتے ہیں۔ یہاں کے بندروں کی داڑھیاں بھی ہوتی ہیں اور اس طرح ان میں بچے بوڑھے اور جوان الگ الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کی شکلیں انسانوں سے حد درجہ مشابہ ہیں۔ سمندر سے بندر کے ذریعہ گھڑیال پکڑنے کا تماشا امیر عمان احمد بن ہلال نے حال ہی میں کیا ہے۔ اس کا سب سے پہلے ذکر جاحظ نے اپنی کتاب میں کیا تھا۔ اہل یمن بندر کو رباح کہتے ہیں۔ ان کے نروں اور مادائوں میں امتیاز نر کے جسم پر گھنے بالوں سے ہوتا ہے۔ یہاں ایک اور جانور بھی پایا جاتا ہے جو چوہے سے کسی قدر بڑا اور نیولے سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اہل مصر اب اسے عرالس کہتے ہیں اور یہاں سے پکڑ لے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان چاروں پہاڑوں میں شرقی و غربی اور شمالی و جنوبی جنگلوں میں بہت سے دوسرے چوپائے اور عجیب و غریب جانور پائے جاتے ہیں۔ ہم نے مذکورہ بالا جانوروں کا ذکر اپنے قارئین کی دلچسپی کے لیے کر دیا ہے کیونکہ اصل میں تو ہم بلادِ خزر، جبل قبخ اور لان کے علاقائی حالات و کوائف بیان کر رہے ہیں۔

بلادِ خزر و لان اور مغرب کے درمیان چار قومیں آباد ہیں۔ جو سب ترک ہیں اور بلحاظ انساب ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو کہیں سکونت پذیر ہیں اور کہیں خانہ بدوش، ان کی لوٹ مار کے سلسلے روم اور اندلس تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اب ان میں باہمی معاہدے ہو گئے ہیں جن میں مملکت خزر اور مملکت لان بھی شامل ہیں۔ ترکوں پر علاقائی اعتبار سے چار قوموں کا اطلاق ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلی تو یخنی (یخیی ؟) ہے اور دوسری یخغر۔ تیسری یحناک ہے اور یہ خود بھی چار گروہوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے ایک نوکردہ ہے۔ جس کا حکمران بدرد ہے۔ اس کی ۳۲۰ ہجری کے بعد تک اور اس کے دوران میں رومیوں سے ٹھنی رہی اور محاربات ہوتے رہے کیونکہ

ان کے قریبی علاقے رومیوں کے زیر حکومت تھے۔ مذکورہ بالا چاروں (نام نہاد) قوموں کے علاقے کے نزدیک یونان کا ایک بڑا شہر ہے جسے ولندر کہتے ہیں۔ اب ان قوموں اور یونانی و رومی علاقوں کے درمیان اگر کچھ حائل ہے تو وہ سمندر اور پہاڑ ہیں جن کے راستوں کی مکمل حفاظت کی جاتی ہے اس سے قبل اردبیل کے ایک مسلمان تاجر کو ولندر میں لوٹ لیا گیا تھا۔ ترکوں نے اس پر احتجاج کیا تو رومی لڑائی بھڑائی پہ آمادہ ہو گئے۔ جواب میں ترکوں نے ولندر پہ حملہ کر دیا، اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور لاتعداد لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، پھر وہ روم کی طرف بڑھے تو ان کے ساتھ کُردی دستے بھی تھے جو ترکی لشکر کے میمنہ میسرہ اور کبھی قلب لشکر سے نیزے لے کر نکلتے تو رومی لشکر کے میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر پہ جا پڑتے اور آن کی آن میں کشتوں کے پشتے لگا دیتے۔ آخر کار رومیوں کو شکست ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ پہلے اس بڑی جنگ کی ابتدا رومیوں کی طرف سے ہوئی تھی، بہرحال رومیوں کی اس شکست اور پھر باہمی صلح کے بعد جب ایک بھاری فارسی لشکر ادھر آیا تھا اور ولندر سے روم تک قتل و غارت کی انتہا کر دی تھی تو انہیں ترکوں نے رومیوں کا ساتھ دیا تھا اور فارسی لشکر کو منہ کی کھانی پڑی تھی جو ترکوں کے ساتھ ترکی علاقوں کے اور عربی علاقوں کے کُرد بھی تھے۔ اس کے بعد اس علاقے سے ترکوں کی تجارت بحال ہو گئی تھی۔ ترکوں نے جو رومیوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ فارسی لشکر نے رومیوں کی ایک بڑی تعداد کو اسلامی علاقوں کی طرف دھکیل دیا تھا۔ یہ ازمنۂ قدیم کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد جب غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دی گئی اور بہت سے نصرانی مسلمان ہو گئے تو اشاعت اسلام کی مزید راہیں کھُل گئیں اور اسلام دُور دُور تک پھیلتا چلا گیا جس سے پہلے قسطنطنیہ تک محاربات کا سلسلہ جاری تھا اور مقتولوں میں پیر و جوان، بچے اور عورتیں سبھی شامل تھے۔ اب قسطنطنیہ تک یہ سب علاقے ترک کی محروسات میں شامل ہیں۔

قوم انجاز

اب ہم پھر جبل قبخ کے علاقائی حالات و کوائف کی طرف لوٹتے ہیں۔ بلاد لان کے قریب ایک اور مملکت ہے جسے انجاز کہتے ہیں اور اسی نسبت سے وہاں بسنے والی قوم بھی قوم انجاز کہلاتی ہے۔ یہ سب لوگ نصرانی ہیں۔ ان کا حکمران بھی ہے لیکن اس پہ لان کے حکمران کا غلبہ ہے بلکہ اس کی ساری مملکت کو لان کا ابتدائی علاقہ سمجھنا چاہیے۔ اس مملکت یعنی مملکت انجاز کے قریب ایک اور مملکت ہے جو خزران کہلاتی ہے۔ اس کا حکمران آج کل طبیعی نام کا ایک شخص ہے طبیعی کی مملکت میں ایک عظیم الشان مسجد ہے جو مسجد ذی القرنین کہلاتی ہے۔ انجاز اور خزریہ میں بس مسلمانوں کی آمد سے قبل یہ مملکتیں تفلیس کی پہاڑی سرحدی مملکت کی باج گزار تھیں۔ موخرالذکر

مملکت متوکل کے زمانے میں فتح ہوئی اور اسحٰق بن اسماعیل یہاں کا حکمران مقرر ہوا۔ اس نے گردوپیش کے جملہ علاقوں پر دبدبہ بٹھایا اور ان سے جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا لیکن اسے خود ہی ہضم کرنے لگا یعنی خلافت عباسیہ کی نمائندگی کی بجائے خود مختار بن بیٹھا۔ اس پر متوکل خود یہاں آیا، علاقہ تفلیس کو از سر نو فتح کیا اور اسحٰق بن اسماعیل کو قتل کر دیا گیا۔ اسے یعنی اسحٰق بن اسماعیل کو بنی امیہ یا ان کے لواحقین کے ایک شخص نے دیکھا تھا، یہاں اس کے متعلق بہت سی روایات مشہور ہیں جن کا کتاب اخبار العالم میں بھی ذکر کیا گیا ہے اس وقت سے یہاں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور مسلم علاقوں سے بھی جو علاقہ تفلیس کے زیر اثر تھے محصولات کی وصولی روک دی گئی البتہ گردوپیش کے چھوٹے چھوٹے غیر مسلم علاقوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری کی بناء پر جزیہ کی وصولی جاری ہے۔

مملکت خزران کے نزدیک ایک اور مملکت ہے یا چھوٹا سا علاقہ ہے جہاں کے باشندے عادات واطوار کے لحاظ سے زمانۂ جاہلیت کی یاد دلاتے ہیں۔ وہ نصرانی کہلاتے ہیں لیکن ان کی کوئی باقاعدہ حکومت ہے نہ ان کا کوئی حکمران۔ اس کے نزدیک ہی مملکت صمصخی ہے جو اس علاقے اور علاقہ تفلیس کے درمیان واقع ہے۔ اس کے قرب وجوار میں ایک قلعہ ہے جو مملکت لان کے تصرف میں ہے اور باب اللان کہلاتا ہے۔ اس کے گردوپیش کا علاقہ صنباریہ کہلاتا ہے اور وہاں کا حکمران کرسکوس کے نام سے موسوم ہے یہاں کے لوگ عیسائی ہیں اور خود کو عرب کے قبیلے مضر کے علاوہ کے نزار بن معد کی نسل سے بتاتے ہیں اور یہاں ایک زمانے سے آباد ہیں۔ یہ اپنا تعلق قبیلۂ عقیل سے بھی ظاہر کرتے ہیں، بڑے رعب داب کے لوگ ہیں اور گردوپیش کے کل علاقے پر چھائے ہوئے ہیں۔ میں نے عقیل سے منسوب لوگوں کو یمن کے علاقے مارب میں دیکھا ہے جو عادات واطوار اور شکل وصورت میں یہاں کے لوگوں سے کسی قدر ملتے جلتے ہیں لیکن درحقیقت نزار بن معد کی اولاد ہیں جن کا عقیل سے کوئی تعلق نہیں اس کے سوا کہ انمار بن نزار بن معد کے بیٹے نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یمن میں ان کے ورود کا ذکر روایات احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جریر بن عبداللہ البجلی نے کیا ہے جو اخبار بجیلہ کہلاتی ہیں لیکن یہ صناری یا صنباری لوگ کہتے ہیں کہ وہ یمن میں آنے والے لوگوں سے علیحدہ ہو کر قدیم زمانے میں یہاں آ بسے تھے۔ ویسے مارب میں عقیل سے منسوب لوگوں کی داستان ایک الگ طویل کہانی ہے۔

مملکت شکین

مملکت صناریہ کے نزدیک ہی مملکت شکین واقع ہے جہاں کے باشندے نصرانی ہیں۔ جو مسلمان ہو گئے انہوں نے تجارت کے ذریعہ کافی ترقی کی ہے ان کا ذکر ہمارے زمانے کے مؤرخ آذر بن نبیہ بن مہاجر نے کیا ہے اور ہم نے اپنی اس کتاب میں

اسی سے یہ ذکر کیا ہے۔

مملکتِ قبلہ مملکت شکین کے پاس ہی مملکت قبلہ ہے جس کے مرکزی شہر میں مسلمان بھی رہتے ہیں، باقی دوسری آبادیوں میں نصرانی آباد ہیں جنہیں مذکورہ بالا مؤرخ "عنبسۃ الاعور" بتاتا ہے جن کی اصل لصوص، اصحابیک اور دعار سے تعلق رکھتی ہے۔

مملکتِ موقان مملکت قبلہ کے پاس ایک اور علاقہ مملکت موقان کہلاتا ہے جس کا ہم نے اپنی پہلی تاریخی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ یہ علاقہ مضافات شروان میں ہے اس لیے اس علاقے کو سوقانیہ کہنا غلط ہے، جو بحر خزر کے ساحل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ محمد بن یزید نے شروان کی حکومت حاصل کر کے خود کو شروان شاہ کہلایا تھا۔ اب شروان کا حکمران ایران شاہ کہلاتا ہے یہ نام اس کے اسلاف سے چلا آتا ہے۔ شروان شاہ کا نام علی بن ہیثم تھا۔ جب علی ہلاک ہو گیا تو محمد شروان شاہ کی اولاد پر غالب آگیا تھا جیسا کہ ہم ضمناً کہیں ذکر کر چکے ہیں۔ شروان شاہ کا تعمیر کردہ جو قلعہ ہے اس قدر عمدہ قلعہ جبل قبخ کے آس پاس تو کیا دنیا میں کہیں دوسری جگہ نہیں ہے بلادِ شروان میں کسریٰ ابن قباذ بن فیروز نے پتھروں اور کنکروں سے ایسی خوشنما عمارات بنائی ہیں کہ دیکھا کیجیے۔ شروان کا یہ علاقہ مسقط کہلاتا ہے۔ مٹی چونے اور پتھروں سے تعمیر کردہ یہ عمارات برمکی کے ناموں سے مشہور ہیں۔ بلاد برذعہ کا ذکر ہم نے یہاں اس لیے نہیں کیا کہ ہم اس کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں۔ البتہ نہر کُر کا ذکر کرنا یہاں مناسب سمجھتے ہیں جو مملکت جرجیر سے آتی ہوئی بلادِ انجاز سے گزرتی ہے اور آگے چل کر جب تفلیس تک پہنچتی تو اسے دو حصوں میں بانٹ دیتی ہے پھر یہی نہر بلاد سیاوردیہ سے گزر کر تین میل تک برذعہ کے اصل علاقے میں بہتی ہے اور پھر آگے برذعہ کے مضافاتی علاقوں سے گزرتی ہوئی برداج تک جاتی ہے جو مملکت برذعہ ہی کا علاقہ ہے۔
پھر فنارہ کے علاقے میں نہر رُس بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے اور یہ دونوں اقصائے بلادِ روم تک ایک ہو کر جا پہنچتی ہے۔ اقصائے بلادِ روم کے شہر طرابزندہ سے ہو کر یہ نہر شہر کُر تک جاتی ہے۔ اسی لیے اس کا نام نہر کُر پڑ گیا ہے۔ نہر اَرس اس نہر میں مل کر بحرِ روم میں جا گرتی ہے۔ جہاں تک نہر اَرس کا تعلق ہے یہ بلادِ بدین میں بہتی ہے جو بلادِ بابک خرمی یعنی سرزمین آذربائیجان میں ہے یعنی جبل ابی موسیٰ میں جو علاقہ دان میں ہے۔ یہ نہر یہاں سے بلادِ ورثان تک جاتی ہے اور پھر جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں نہر کُر میں مل کر آگے بڑھتی ہے۔ اس نہر یعنی نہر اَرس اور ایک اور نہر اسبیذ روج کا ذکر ہم اپنی پہلی کتابوں میں بھی کر چکے ہیں۔ نہر اسبیذ روج کا نام فارسی اور عربی دونوں زبانوں کے الفاظ سے مل کر بنا ہے۔

یہ نہر ارض دیلم کے علاقۂ جریانہ میں قلعہ سلار کے قریب سے گزرتی ہے۔ یہ قلعہ کسی دیلمی حکمران ابن اسوار کے نام پہ ہے۔ یہ علاقہ اب تاریخی لحاظ سے جیسا کہ ہم کہیں اور لکھ چکے ہیں آذربائیجان میں شامل ہے۔ یہ نہر دیلم سے جیل کی سمت آگے بڑھتی ہے جہاں بلادِ دیلم کی آخر نہر جو ساہان رود کہلاتی ہے اس میں مل جاتی ہے اور دونوں مل کر بحیرہ جیل تک جاتی ہے۔ بحر جیل و خزر اور بحر دیلم کے سواحل کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دیلم اور جیل کی قومیں ان سواحل پہ جب آئیں تو گردوپیش کے سارے علاقوں پہ قابض ہوگئیں حتیٰ کہ یہاں کے سمندر بھی انہیں کے ناموں سے موسوم ہونے لگے۔ یہاں جبل قبخ بحر خزر اور متصلہ مملکتوں کا ذکر ختم ہوتا ہے۔

ملوک العالم

اب ہم آئندہ صفحات میں سریانی بادشاہوں کا ذکر کریں گے جن کا ذکر ملوک عالم کے تحت کتب زیجات و نجوم اور قدیم کتب تواریخ میں سب سے پہلے آتا ہے۔ پھر ملوک موصل و نینوا کا ذکر ہوگا۔ اس کے بعد ملوک بابل کا تذکرہ آئے گا جنہوں نے خطۂ ارضی پر شہر کے شہر آباد کیے۔ نہریں نکالیں، درخت لگائے، پھلوں کے لیے باغات بنوائے، دشوار گزار راستوں پہ سڑکیں بنوائیں اور انہیں سفر کے لیے آسان بنایا۔ پھر یہ سلسلہ ملوکِ فارس کے دورِ اول تک چلا۔ یہ ملوک فارس خزامان کہلائے۔ یہ سلسلہ فریدون پہ ختم ہوا۔ اس کے بعد کے بادشاہ اسکان کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ سلسلہ دارا تک پہنچا جسے داریوس بن دارا بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد ملوک طوائف کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر ملوکِ فارس کا دورِ ثانی۔ ان سب کے حالات و کوائف پیش کرنے کے بعد ہم ملوکِ یونان و روم کا ذکر کریں گے اور اس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان کے قریب تر ملوکِ عرب اور سوڈانی اقوام نیز خطۂ ارضی کے باقی بادشاہوں کے حالات و کوائف قلم بند کریں گے۔

سریانی ملوک اور ان کے کچھ حالات و کوائف

اہل العنایہ نے "اخبار ملوک العالم" میں لکھا ہے کہ طوفان نوح کے بعد اولین سریانی لوگ کون تھے اس بارے میں مختلف رائیں ہیں یعنی سریانی اور نبط ایک ہی ہیں یا الگ الگ۔ کچھ لوگوں کی رائے میں نبط ہی سریانی ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ لوط ماشن بن نبیط کی بہن کی اولاد ہیں لیکن ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جو ان دونوں کی آراء سے اختلاف رکھتے ہیں۔

بہرحال ان کا پہلا بادشاہ جس نے اپنے سر پہ تاج رکھا اس کا نام "شوسان" بتایا جاتا ہے۔ اس کی حکومت کل ۱۶ سال رہی لیکن اسی قلیل مدت میں اس نے سطح ارضی پر ہر طرف فساد پھیلانے اور خونریزی کی انتہا کر دی۔

شوسان کے بعد اس کا بیٹا جسے "ببربر" کہا جاتا ہے بادشاہ ہوا۔ اس کی ہلاکت تک اس کا دورِ حکومت بیس سال رہا۔ اس کے بعد "سمابیر" بن آوت نام بادشاہ ہوا جو صرف سات سال حکمران رہا۔
سمابیر کے بعد "اہرمیون" بادشاہ ہوا۔ اس نے دس سال حکومت کی۔ اس نے لکھائی اور دستاربندی کی ابتدا کی۔ اس نے اپنے احکام میں سخت گیری سے کام لیا۔ جب حالات مکمل طور پر اس کے قابو میں آ گئے اور اس کی حکومت کو استحکام حاصل ہوا تو اس نے اپنی قلمرو میں آبادکاری اور تعمیرات کی طرف توجہ کی۔ وہ بھی بعض ملوکِ ہند کی طرح قوت و تعمیر ملکی میں باکمال گزرا ہے بلکہ خود اسے ملوکِ ہند میں شمار کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی حدود سلطنت حدودِ ہند اور گرد و پیش تک جا پہنچی تھیں حتیٰ کہ ملوکِ ہند نے بھی اس کی اطاعت اختیار کر لی تھی اور اس کے شاہانہ اختیارات کو تسلیم کر لیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے حدود سلطنت بلاد سندھ و ہند سے گزر کر بسط و غزنین، لعس اور ان تمام علاقوں تک جا پہنچے تھے جو نہر ہرمند پر آباد ہیں، نہر ہرمند در حقیقت نہر سجستان ہے جو ہرمند کے چار فرسخ اوپر سے بہتی ہوئی آتی ہے اور نہر بسط بھی کہلاتی ہے، اسی نہر کے علاقے میں سجستان کی تمام

آبادیاں انخلستان اور پہاڑی وادیاں واقع ہیں جس کی سرحدوں کے متعلق آج کل یعنی ۱۳۳۲ھ میں باہمی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہاں نہری علاقوں کے علاوہ زیادہ تر وہ بارانی علاقے ہیں جہاں باغات اور زراعت کی آبیاری کا بارش پر یا پہاڑی چشموں پر دارومدار ہے۔ ویسے دنیا کا کوئی علاقہ غالباً ایسا نہیں جہاں کسی نہ کسی جگہ زراعت کا صرف بارش پر دارومدار نہ ہو۔

نہر ہند اس نہر کے مخرج کے بارے میں لوگوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ نہر سندھ و ہند کے پہاڑی چشموں سے نکلی ہے، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا سرچشمہ نہر کنک ہے جو نہر ہند ہے اور سندھ کے اکثر پہاڑی علاقوں سے گزرتی ہے۔ اس کے بہاؤ کے علاقے بڑے وسیع و طویل ہیں۔ ہندوستان کے لوگ اس نہر کا میٹھا پانی پی کر کہتے ہیں کہ اس کے پانی میں فولادی اجزا شامل ہیں۔ وہ اس نہر کی اوپر کی جانب جاتے ہیں اور وہاں خیر و برکت کے لیے نہاتے اور پانی متبرک سمجھ کر اپنے ساتھ لاتے ہیں۔ اس کے اوپر کی جانب بلند پہاڑ ہیں جن پر اونچے اونچے قدرتی اشجار پائے جاتے ہیں۔ ان درختوں کی لکڑی عمارتوں میں استعمال ہونے کے علاوہ دوسرے چوبی اوزار اور تلوار کی طرح تیز دھار چیزیں بنانے کے کام آتی ہے۔ اس نہر کے کنارے ایسی جڑی بوٹیاں بھی ملتی ہیں جو طبی لحاظ سے بہت مفید بتائی جاتی ہیں۔ بہرحال ہندوستان کے یہ علاقے ممالک نائیہ اور بلدان قاصیہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اس نہر کے کنارے غسل کرنے کے بعد لوگ منہ سے عجیب و غریب کلمات نکالتے ہیں جنہیں اس نہر میں غسل کرنے کے بعد حصول طہارت کی تکمیل کا ذریعہ بتایا جاتا ہے۔ اس نہر کی ان بلندیوں تک پہنچنے کے لیے بڑے دشوار گزار راستوں سے گزرنا پڑتا ہے لیکن لوگ وہاں تک عقیدۃً جاتے، وہاں نہاتے اور ان مقامات سے گزرنے والی نہر کا پانی جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا متبرک سمجھ کر لاتے ہیں۔

ایک عجیب درخت جہاں سے مذکورہ بالا نہر نکل کر آتی ہے ان بلند پہاڑوں پر ایک عجیب و غریب درخت پایا جاتا ہے۔ یہ درخت پتھریلی زمین سے ابھر کر کچھ عرصے فضا میں لہراتا رہتا ہے کیونکہ اس کی شاخیں بڑی نرم و نازک ہوتی ہیں۔ پھر وہ نیچے کی طرف رُخ کرتا ہے اور سمٹتے سمٹتے پھر اپنی جائے نمو میں سما جاتا ہے کہتے ہیں اس درخت کی جڑیں تحت الثریٰ تک چلی گئی ہیں۔ اس درخت کا یہ عمل بار بار ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ اس کے نمو کو نیک فال سمجھتے ہیں۔ اس کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں۔

ہندوستان کے کچھ لوگ جوگی کہلاتے ہیں جن کے سر کے بال اور داڑھیاں لمبی ہوتی ہیں۔ ان میں سے

کچھ لوگ سر کے بالوں کے ساتھ ریش و بروت بلکہ ابرو تک منڈوا ڈالتے ہیں، پیشانی پر عمودی یا افقی شکل میں سفید یا رنگین لکیریں بناتے ہیں، جسم پر ایک لنگوٹی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہ بدن پر صرف بھبوت ملتے ہیں۔ آگ جلا کر اس کے پاس دھونی رماتے ہیں۔ بھبوت اس آگ کی راکھ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ بعض کے سروں پر ریحان کی شاخوں سے بنا ہوا تاج ہوتا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایک انگیٹھی رکھتے ہیں جس میں وقفے وقفے سے گندھک، سیندور اور دوسری خوشبودار چیزیں ڈالتے رہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی یہاں کے لوگ آگ کو متبرک سمجھتے ہیں اور مُردوں کو حصولِ طہارت کی غرض سے جلا دیتے ہیں۔ یہاں کے کچھ لوگوں کے بدن پر حریری لباس ہوتا ہے۔ اکثر لوگ پان بہت کھاتے ہیں اور اس میں چھالیہ کے علاوہ خدا جانے کیا کیا ڈالتے ہیں، سالوں میں فلفل سیاہ زیادہ استعمال کرتے ہیں اور خوشبودار بخور پر فریفتہ ہیں۔ پان کے متعلق ان کا خیال ہے کہ بدن میں حرارت غریزی پیدا کرتا اور منہ کی رطوبت کو دور کرتا ہے۔

ہندوستان میں آج کل یعنی ۳۰۴ھ ہجری میں مسلمانوں کی تعداد بھی خاصی ہے یعنی دس ہزار سے کم نہیں ہے ان میں بیاسرہ - سیرافی، عمانی، بصری، بغدادی اور دوسرے عرب علاقوں کے بھی لوگ ہیں۔ بیاسرہ والوں میں پہلے موسیٰ بن اسحاق صندالونی یہاں تجارتی کاروبار کرتے تھے علی الزمہ بھی انہیں میں سے تھے۔ اب یہاں یہ کام ابوسعید کرتے ہیں جو ابن زکریا کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب کے باثروت لوگ جو بغرض تجارت یہاں آئے تھے۔ انہوں نے اب کافی اثر و رسوخ پیدا کر لیا ہے اور ان کا شمار یہاں کے رؤسا میں ہوتا ہے بیاسرہ جس کا واحد بیسرے وہ لوگ ہیں جن کی ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی ہے۔ ان کی اقامت گاہیں اور خوشنما بازار میں نے دیکھے ہیں۔

ہندوستان میں کچھ لوگ ایسے ملے جو خنجر لے کر اسے ایک پہلو میں داخل کر کے دوسرے پہلو سے نکال دیتے ہیں بلکہ بعض اوقات اسے منہ میں ڈال کر نگل بھی لیتے ہیں۔ اہل ہند کا جب کوئی بادشاہ مرتا ہے تو کچھ لوگ اس کے ساتھ جل مرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ان کا مرنا جینا اس بادشاہ ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ الغرض ہندی عجائبات کے ذکر سے زبان قاصر ہے۔ ویسے ہم نے ان میں سے بعض کا ذکر اپنی کتاب "اخبار الزمان" میں تفصیلاً کر دیا ہے۔

اب ہم پھر سریانی بادشاہ کی طرف آتے ہیں اور اس کے بحستانی علاقوں کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ ہم نے اس باب کو اخبار ہند تک محدود رکھا ہے۔

جس بادشاہ کا اب ہم ذکر کر رہے ہیں اسے یہاں زنبیل کہا جاتا ہے۔ یہ ۳۳۲ھ ہجری کا ذکر

ہے پہلے کبھی سریانی اور ہندی ملوک کے مابین ایک سال تک جنگ چھڑی رہی۔ سریانی بادشاہ نے ہندوستان کے ان سب علاقوں پر جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا قبضہ کر لیا تھا۔ سریانی بادشاہ کے ساتھ عرب اور عراق کے کچھ حکمران بھی ہو گئے تھے اور اس سریانی بادشاہ نے یہاں مکمل تصرف حاصل کر لیا تھا۔ اس وقت یہاں کا بادشاہ تستر کہلاتا تھا اس نے اور اس کے بیٹے نے جسے قتل کر دیا گیا تھا۔ تقریباً آٹھ سال حکومت کی تھی۔

اس کے بعد جو بادشاہ ہوا اسی کا نام "آہر یمون" تھا۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا جو "ھوبیا" کے نام سے موسوم تھا بادشاہ ہوا۔ اس کا سلوک اپنی رعایا کے ساتھ بہت عمدہ تھا، اس نے آبادکاری، شجرکاری اور تعمیرات میں بھی بڑا نام پایا۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال ہو چکا تھا جب وہ ہلاک ہوا۔ اس کے بعد "ماروب" بادشاہ ہوا اور اس کا قبضہ تمام ملک پر علیٰ حالہٖ قائم رہا۔ اس کی حکومت ۲۳ سال تک رہی۔

ماروب کے بعد بادشاہت دو بھائیوں "آذور" اور "خلنجاس" کے حصے میں آئی لہٰذا بادشاہت کے لیے آپس میں نزاع پیدا ہونا لازمی امر تھا۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ ان میں سے ایک اپنے محل کے گنبد کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں اسی وقت ایک پرندہ آ کر بیٹھا۔ اس کے پر پھیلے ہوئے تھے اور ان سے عجب سنسنی خیز آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا؟ "اگر میں نے اس پرندے پہ تیر چلا کر اسے گرا لیا تو یہ میرے لیے اچھا شگون ہو گا۔" چنانچہ اس نے تیر کمان منگا کر کمان میں تیر جوڑا اور اس پرندے کا نشانہ لے کر چلا دیا۔ تیر نشانے پہ ٹھیک بیٹھا اور پرندہ پھڑپھڑاتا ہوا اس کے قدموں میں آ گرا۔ پرندے کی چونچ میں انگور کی برابر ایک دانہ تھا اور اس کی گردن میں ایک شاخ پڑی تھی جس میں اسی طرح کے دو دانے لٹک رہے تھے۔ اس نے پرندے کی چونچ سے وہ دانہ نکالا اور شاخ سے دونوں دانے بھی توڑ لیے، کچھ دیر انہیں اپنے ہاتھ میں گھما گھما کر سوچتا رہا اور پھر اپنے مصاحبین میں سے ایک دانشور کو بلا کر ان کے بارے میں دریافت کیا دانشمند نے بتایا کہ یہ شاخ انگور کی شاخ ہے اور یہ تینوں دانے انگور کے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بہت سے انگوروں کا افشردہ نکال کر اگر ان سے عرق تیار کیا جائے تو وہ نہ صرف صحت و توانائی کے لیے آبِ حیات کا کام دے گا۔ بلکہ ذہنی صلاحیتوں میں حد سے زیادہ اضافہ کر دے گا۔ دانشمند نے یہ بھی بتایا کہ پرندے کا اس طرح انگور لے کر آنا اس کے دربادشاہ کے بیٹے کے لیے فال نیک ہے اور یقیناً وہی ملک کا واحد بادشاہ ہو گا۔ دانش مند کی بات سچ نکلی اور اس طرح انگور پانے والا شہزادہ ہی ملک کا واحد بادشاہ ہوا۔ دانشمند کے مشورے کے مطابق انگور کے دانوں کو

ایک کیاری میں دبا کر جب آبیاری کی گئی تو انگور کی بیل چل نکلی اور پھر ان بیلوں سے باغ کا باغ بھر گیا۔ انگوروں کی پہلی ہی فصل سے جب انہیں نچوڑ کر ان کا عرق کشید کیا گیا تو واقعی وہ مصفا شراب بن گیا۔ جوان اور نوجوان تو ایک طرف جس پیر مرد نے اسے پیا تو کچھ ہی دنوں میں اس کے چہرے پہ سرخی جھلکنی شروع ہو گئی۔

بادشاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے اس عرق کو اپنے لیے مخصوص کر لیا جو بعد میں شاہی مشروب کہلایا۔ بادشاہ اپنی آخری عمر تک اسے استعمال کرتا رہا لیکن اس کے بعد اسے عام لوگ بھی استعمال کرنے لگے۔

"کتاب المبدا" اور کچھ دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ انگور کا دانہ سب سے پہلے حضرت نوحؑ نے زمین میں بویا تھا لیکن جب ان کی کشتی سیلاب میں بہتی ہوئی کوہِ جودی کی چوٹی پہ جا ٹھہری تو ابلیس نے اس کشتی سے انگور کی شاخ چرا لی تھی۔ یہ چوری کا واقعہ جب پیش آیا جب کشتی نوح برف میں دب کر بے نشان ہونے والی تھی۔

ملوک موصل و نینوا یعنی آشوریوں اور ان کے کچھ حالات و کوائف

نینوا نینوا اور موصل آمنے سامنے ہیں جن کی حد فاصل دریائے دجلہ ہے۔ ان دنوں یعنی ۲۳۲؁ہجری میں اس کا یعنی نینوا کا محل وقوع موصل کی سرحدی سرزمین قردی و مازندی علاقہ ہے جہاں ایک شہر کے کھنڈرات اب بھی ملتے ہیں۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کے آس پاس وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ شہر کے کھنڈرات میں بتوں کے آثار کے علاوہ ایسے پتھر بھی پڑے ہوئے جن پر کسی قدیم زبان کی عبارات کندہ ہیں۔ اس شہر کے ایک مرکزی کھنڈر کے پاس ایک مسجد کے آثار بھی ہیں جنہیں چشمۂ یونس کہا جاتا ہے۔ یہاں اب بھی بہت سے درویش اور عابد و زاہد زیارت کے لیے آتے ہیں۔ اہل نینوا پر کسی زمانے میں حضرت یونس علیہ السلام بہ حیثیت نبی مبعوث ہوئے تھے۔

لبسوس ارض نینوا میں اس شہر کی بنیاد کسی زمانے میں لبسوس ابن بالوس نے ڈالی تھی۔ نینوا میں اس کی مدت حکومت ۵۲ سال رہی۔ اس شہر کے ساتھ موصل کے آخری حکمران سابق بن مالک یمنی کی لڑائیاں مدتوں جاری رہیں۔

سمیرم لبسوس ابن بالوس کے بعد نینوا کی حکمرانی اور اہل نینوا پر جسے تسلط حاصل ہوا وہ سمیرم نام کی ایک عورت تھی۔ ملوک موصل سے اس کے بھی محاربات جاری رہے اور اس نے وادی دجلہ سے بلاد آرمینیا و آذربائیجان بلکہ جزیرۂ جودی کے علاوہ بلاد زوزان میں جبل تیتل کی حدود تک سارا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ اہل نینوا میں نبیطی اور سریانی دونوں شامل تھے اور مدت مدید تک وہ سب ایک ہی زبان بولتے رہے تھے اور نسلاً بھی ایک سمجھے جاتے تھے لیکن نبیطوں نے پھر اپنی بولی اور زبان الگ کر لی تھی جو پہلے ایک ہی تھی۔

ارسیس سمیرم کے بعد ارسیس نینوا کا حکمران ہوا۔ اسے سمیرم کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ اس کا

دورِ حکومت قریبًا چالیس سال رہا۔ اس کے آخری زمانے میں آرمینی اس پر غالب آگئے تھے جس سے قبل ان کے ساتھ اس کی برسہابرس وقتاً فوقتاً جنگ ہوتی رہی تھی۔ آرمینیا کی موصل سے بھی لڑائیاں ہوتی رہیں۔

ادبیس کو کچھ لوگ نینوا کا آخری حکمران کہتے ہیں لیکن کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اور بھی حکمران ہوئے جنہوں نے آرمینیا کے ساتھ لڑائیاں جاری رکھیں ہم ملوک نینوا کے مفصل حالات و کوائف اور آرمینیا سے ان کی لڑائیوں کے حالات اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزماں" میں قلمبند کر چکے ہیں۔

ملوکِ بابل اور ملوکِ نبط یعنی کلدانیوں کے حالات و کوائف

ملوک بابل و نبط درحقیقت ایک ہی ہیں جنہیں تواریخ عالم میں کلدانی لکھا گیا ہے۔ صاحب "غنایہ" نے ملوکِ عالم کے بارے میں بیانات قلمبند کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سب سے پہلے سطح ارضی پر آباد کاری کا سلسلہ ملوک بابل ہی نے شروع کیا تھا اور فارس کے قدیم بادشاہوں نے حکومت انہیں سے حاصل کی تھی جس طرح رومیوں نے یونانیوں سے۔

نمرود الجبّار

بابل میں کلیدانیوں کا سب سے پہلا بادشاہ نمرود الجبار تھا جس نے وہاں قریباً ساٹھ سال حکومت کی۔ اس نے عراق میں فرات سے نہریں نکالیں، کہا جاتا ہے کہ ایک نہر جو فرات سے نکل کر کوتے کی طرف آئی وہ نہر کوثی تھی جو قصر ہبیرہ اور بغداد کے درمیان بہتی تھی۔ اس کا ذکر چونکہ سبھی نے کیا ہے، اس لیے وہ تاریخ میں کافی شہرت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں عراق کی دوسری نہروں کا ذکر ہم آگے چل کر فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں اور ملوک طوائف کے ذکر کے ساتھ کریں گے جو ملوکِ عالم کی نسبت سے وہیں مناسب ہوگا جیساکہ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں اسی ترتیب سے کیا ہے اور اس طرح اس کی مزید وضاحت بھی ہو جائے گی۔

بابل کے باقی بادشاہ

نمرود الجبّار کے بعد دوسرا بادشاہ "بولوس" ہوا جس نے قریباً ستر سال کی عمر تک حکومت کی۔ وہ بھی بہت تند مزاج اور سخت گیر تھا۔ اس کے زمانے میں بھی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اس کے بعد "فیومنوس" بادشاہ ہوا جس کے زمانے میں دوسرے اہل ارض نے اس کے خاندان سے بغاوت کر دی۔ اس کے دورِ حکومت میں

بابلی خاندان کی حکومت کے سو سال پورے ہوئے۔ اس کے بعد "سولسوس" بادشاہ ہوا جس نے نوے سال کی عمر تک حکومت کی۔ اس کے بعد جو بادشاہ ہوا اس کا نام "کورش" تھا۔ اس نے پچاس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "بوسمیس" نے ستر سال حکومت کی۔ اس کے بعد "اینوس" نے تیس سال حکومت کی۔ "اینوس" کے بعد "افلاوس"، "الحلوس"، "اودمرلنوس"، "کلوس"، "سیبیفروس"، "مارنوس"، "وسطالیم"، "امنوطوس"، "تباولیوس"، "العداس"، "اطیبروس"، "ساوساس"، "فاربنوس"، "سوسا اوردینوس"، "مسروس"، "طاطالوس"، "طاطاوس" اور "افروس" نے علی الترتیب بیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، تیس سال، چالیس سال، ساٹھ سال، پچاس سال، تیس سال، ساٹھ سال، بیس سال، پچاس سال، چالیس سال، پچاس سال، تیس سال اور تقریباً چالیس سال حکومت کی۔

"فاربنوس" کا دورِ حکومت بعض مورخین کے مطابق ۴۵ سال رہا۔ اس کے زمانے میں دارا کے بعد ملوک فارس میں سے ایک نے بابل پر حملہ کیا تھا۔ ویسے لڑائیاں ہونے کو تقریب تقریب سب کے زمانے میں ہوتی رہیں۔

"افروس" کے بعد "لاوسیس" کا دورِ حکومت پچاس سال (بعض کے نزدیک ۴۵ سال)، "افریقرلیس" کا تیس سال، "منطوروس" کا بیس سال، "قولاقسما" کا ساٹھ سال، "ہنقلس" کا ۴۵ سال (بعض کے نزدیک ۵۰ سال) رہا۔ قدیم تواریخ کے مطابق "ہنقلس" کے بعد "مرجد" کا دورِ حکومت تیس سال، "مرودرح" کا چالیس سال، "سنجاریب[1]" کا تیس سال، "نشوہ منوشا" کا تیس سال، "بختنصر الجبار" کا ۴۵ سال، "فرمودرج" کا صرف ایک سال، "بنطسفر" کا تقریباً ۲۰ سال، "بنسوس" کا تقریباً آٹھ سال (بعض کے نزدیک دس سال)، "معوسا" کا ایک سال (بعض کے نزدیک اس سے بھی کم)، "داونوس" کا ۳۱ سال (بعض کے نزدیک اس سے کچھ زیادہ)، "کسرجوس" کا بیس سال رہا۔ "کسرجوس" کے بعد "مرطاسیہ" بادشاہ ہوا لیکن اسے ۹ مہینے کے بعد قتل کر دیا گیا۔ "مرطاسیہ" کے بعد "فخست" نے ۴۱ سال، "احترست" نے تین سال (بعض کے نزدیک دو سال دو مہینے)، "شعریاس" نے ایک سال (بعض کے نزدیک صرف ۹ مہینے)، "داریوس" نے بیس سال (بعض کے نزدیک انیس سال)، "الطمست" نے ۲۹ سال اور "دارالسیع" نے پندرہ سال (بعض کے نزدیک دس سال) حکومت کی۔

ملوک بابل کے اعمال	ملوک بابل کے نام اور ان کے ادوارِ حکومت کی مدتیں وغیرہ۔

---

[1] سنجاریب نے بیت المقدس جلایا تھا۔

توسب وہی ہیں جو قدیم تواریخ کے مطابق ہم نے ترتیب وار سطور بالا میں پیش کی ہیں۔ اب ان کے کچھ قابل قدر کارنامے بھی سن لیجیے:۔

انہوں نے بنی نوع انسان کے لیے آبادکاری کی بنیاد رکھی، شہر بسائے، سمندروں کی تشخیص کی، ارضی آثار و کوائف کا پتا لگایا، لوہا، سیسہ اور تانبہ وغیرہ نکالنے کے لیے کانیں کھدوائیں، تلواریں اور ان کی طبعی تراش خراش ایجاد کیں، لڑائی کے محاذوں اور جنگی فنون کا تعین کیا۔ لڑائی کے قوانین اور عساکر کے قلب، میمنہ، میسرہ اور ان کے بازوؤں کی ترتیب کا تعین کیا، لڑائی کے پینتروں کا انسانی جسم کے مطابق تعین کیا جو ان سے قبل کسی کو اس ترتیب سے معلوم نہ تھے، لشکروں کی صفوں کو بالکل اسی طرح مرتب کیا جس طرح ہاتھی، چیونٹیاں اور دوسرے جانور لڑائی کے مواقع پر فطری طور پر مرتب کر لیتے ہیں۔ لڑائی میں حملے کے طریقے بالکل اسی وضع پر نکالے جیسے شیر، چیتے، تیندوے اور بھیڑیے اپنے جسم کی ساخت اور توڑ موڑ کے مطابق رکھتے ہیں۔ فوجوں کے علم اس طرح بنوائے کہ افواج کا ہر حصہ دوسرے حصے سے ممتاز رہے اور فوراً پہچانا جائے۔ زمین کے مختلف طبقات کی شناخت بالکل اسی طرح کی جس طرح بچھو اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑے مکوڑے اور دوسری مخلوق اپنے سوراخوں کے لیے کرتی ہے۔ مختلف رنگ بھی انہیں کی ایجاد ہیں۔ انہوں نے رنگوں کی تعداد چھ بتائی یعنی سیاہ، سفید، صفراوی، سرخ، سبز اور آسمانی۔

رنگ بعض اقوام نے قوس قزح کے رنگوں اور ان رنگوں کو ملا کر جو ایک دوسرے کے امتزاج سے بنتے ہیں ان کی مجموعی تعداد بتائی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ نور بصارت اور بیرونی رنگوں میں کیا نسبت اور تعلق ہے، مثلاً کونسا رنگ نورِ بصارت سے میل کھاتا ہے اور کونسا نہیں، نیز یہ نگاہ اپنی فطرت کے لحاظ سے کس رنگ پر جمتی ہے اور کس رنگ سے اس میں خیرگی پیدا ہوتی ہے جیسے سیاہ رنگ پر نگاہ ٹھہرتی ہے اور سرخ پر نہیں جمتی۔ کلدانیوں نے لشکر کے جھنڈوں کے لیے رنگوں کا تعین کیا اور محافل نشاط و سرور اور بچوں کے لباس میں ان رنگوں کے استعمال کی ممانعت کی۔ انہوں نے رنگوں کے استعمال کو الوان فلکیات پر منحصر کیا۔

ملوک عالم کے اخبار و سیر، ان کے فطری عادات و خصائل اور ان کے باہمی اختلافات کا مفصل بیان ہم اپنی دو پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں درج کر چکے ہیں۔

بعض مؤرخین کے مطابق جیسا کہ ہم سطور بالا میں لکھ چکے ہیں بابلی اور نبطی اقوام درحقیقت ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ■ لوگ جو فارس کی طرف بلخ وغیرہ میں جا کر بس گئے تھے دراصل نبطی ہی تھے۔ نبطی قوم کے انساب کے بارے میں ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر ملوک عالم کے سلسلے میں کسی قدر مزید اندراجات کریں گے۔

ملوکِ فارس کا دورِ اوّل اور ان کے کردار و کوائف

فارس کی اصل

اہل فارس کے زمان و مکان، ان کے اوطان، ان کی آبادیوں اور ان کی اذوات و انساب کے بارے میں خود اہل فارس کے اسلاف و اخلاف کی زبانی اختلاف آرا کے ساتھ جو اطلاعات تاریخی لحاظ سے ضبط تحریر میں آچکی ہیں وہ یہ ہیں کہ ان کا سب سے پہلا بادشاہ کیومرث تھا۔ اختلاف آراء اسی کے بارے میں ہے، کچھ کہتے ہیں کہ اس کا نام ابن آدم تھا اور اس کے بیٹے کا نام اکبر۔ کچھ دوسرے کہتے ہیں (اور ان کی تعداد نسبتاً کم ہے) کہ ملوک فارس کی اصل نسل ابن آدم ہی سے ہے اور فارس میں سب سے پہلے اسی نے لباس ترتیب دیا۔ ایک اور گروہ کہتا ہے کہ کیومرث درحقیقت امیم بن لاوذ ابن ارم بن سام بن نوح تھا اور وہی ہے جس نے فارس میں سب سے پہلے آبادی کی بنیاد ڈالی۔ اہل فارس کو طوفان نوح کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان جو قوم تھی اس کی زبان سریانی تھی اور وہ ایک ہی جگہ آباد تھی، واللہ اعلم۔

کیومرث

اہل فارس میں کیومرث بلحاظ عمر اپنے معاصرین میں سب سے بڑا تھا۔ اس وقت تک اہل فارس کا کوئی بادشاہ نہ تھا۔ فطری طور پر ان میں اختلافات، فساد اور لڑائی جھگڑے ہوتے تھے جنہیں نمٹانے والا کوئی نہ تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے کیومرث سے رجوع کیا اور اسے قوم کا سردار یعنی بادشاہ تسلیم کرکے اپنے تمام معاملات میں فیصلوں کے لیے اس کے پاس جانے لگے۔ اس لیے کیومرث ہی کو فارس کو سب سے پہلا بادشاہ سمجھنا چاہیے۔ کیومرث کو جب بادشاہ تسلیم کرلیا گیا تو اسے تاج پہنایا گیا لہٰذا فارس میں وہی پہلا شخص تھا جس نے تاج پہنا۔ اس نے قوم کے لباس میں بھی مناسب ترمیمات کیں، ملک کا بندوبست درست کیا اور سماجی و معاشی معاملات کو ایک نہج پر ڈالا۔ اس نے اپنی رعایا کے اختلافات اور دوسرے معاملات میں عدل و انصاف کی راہ اختیار کی اور اسے بھی عقل و ادراک کی راہ پر چلنے کی ہدایت کی۔ جب اس طرح قوم کی اصلاح کا کام حسب منشا

چلنے لگا تو ایک دن اس کے دربار میں ایک خطیب نے اُٹھ کر کہا، کسی ملک کی حفاظت اور اس کے دفاع کے لیے لشکر کا ہونا ضروری ہے، ہم خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں، قوم کو سماجی و معاشی اصلاح کسی حد تک ہو چکی ہے۔ اور کچھ آئندہ ہوتی رہے گی لیکن ہمارے ہاں اب جس چیز کی کمی ہے وہ ایک باقاعدہ لشکر ہے۔،، اتنا کہہ کر خطیب بیٹھ گیا۔ کیومرث اور اہل دربار نے خطیب کی رائے اور اس کی تجویز کو پسند کیا۔ چنانچہ اس کے بعد پہلی بار فارس میں لشکری تنظیم کی ابتدا ہوئی۔

یہ کیومرث ہی تھا جس نے لوگوں کو سکون اور خاموشی کے ساتھ کھانا کھانے کی ہدایت کی۔ اس نے بتایا کہ کھانے کو حلق کے ذریعہ معدے میں پہنچ کر تحلیل ہونے کے لیے سکوت و سکون کی ضرورت ہے اور جگر ہضم غذا میں مدد دیتا ہے جو پھر خون بن کر رگوں میں دوڑتی اور انسانی اعضاء و جوارح کو تندرست اور قوی رکھتی ہے۔ کیومرث نے اپنی قوم کو اسی قبیل کے بہت سے مبنی بہ حقیقت قیمتی مشورے دیے۔ اور اس کی قوم نے بھی سمجھ لیا کہ جس طرح انسانی اعضاء و جوارح کے لیے جسم ہی میں ایک رئیس کی ضرورت ہے بالکل اسی طرح قوم میں توازن قائم رکھنے اور اسے عدل و انصاف کے راستے پہ چلانے کے لیے ایک رئیس یعنی بادشاہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس نے مکمل طور پہ کیومرث کی ہدایات پہ عمل کرنا شروع کر دیا۔ اسی لیے اس کے انتقال تک اس کی نافرمانی اور اس کے احکام سے روگردانی نہیں کی۔ ہم نے کیومرث کے تاج کی ساخت، اس کے نقش و نگار اور اس کی زیبائش و آرائش کا زیر نظر کتاب میں اس لیے ذکر نہیں کیا کیونکہ ہم ان چیزوں کے بارے میں اپنی دو پچھلی کتابوں، "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

کیومرث نے آداب طعام کے بارے میں اور انسانی جسم کے اعضا و جوارح کے افعال و اعمال اور نفس و جسم کے سلسلے میں جو حکیمانہ تقاریر کیں ان کی تفصیل ہم اپنی دوسری کتابوں "سر الحیات" اور "الزلف" میں نفس ناطقہ، نفس علامہ، نفس حسیہ، مخیلہ اور نزاعیہ کے عنوان سے بیان کر چکے ہیں اور ان میں ان موضوعات پہ فلاسفۂ متقدمین و متاخرین کی آراء بھی پیش کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس سے گریز کیا گیا ہے۔

کیومرث کی مدت عمر کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے سو سال عمر پائی لیکن کچھ دوسرے اس سے کم و بیش بتاتے ہیں۔ مجوسیوں نے اس کی نسلی ابتدا کے بارے میں بہت کچھ کہا ہے جس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اس کی اصل نبات ارضی سے ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ اور اس کی زوجہ ایک ساتھ عالم وجود میں آئے تھے اور یہ ان کا نام "شابہ و مشابہ"

تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کیومرث کو ابلیس نے قتل کیا اور فارس میں نزول اصطخر کا واقعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ بعض لوگوں نے کیومرث کی مدت حکومت چالیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس سے کسی قدر کم۔

کیومرث کے بعد بادشاہت "اوشہنج" کو ملی۔ اس کا پورا نام اوشہنج بن فروال بن سیامک بن بریتیق بن کیومرث الملک تھا۔ اس کی حکومت کی سرحدیں ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس نے چالیس سال حکومت کی۔ بعض کے خیال میں اس سے زیادہ۔ اس کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ کیومرث بن آدم کا بھائی اور بعض کے نزدیک کیومرث اوّل کا بیٹا تھا۔

"اوشہنج" کے بعد "طہورث" بن نوبجہان بن ارفخشذ بن اوشہنج بادشاہ ہوا۔ وہ سابور کا باشندہ تھا اور وہیں پیدا ہوا تھا۔ اس کے زمانے میں ایک شخص ظاہر ہوا جس نے مذاہب صابئہ کی بنیاد ڈالی۔ وہ کہتا تھا کہ شرف کامل اور صلاح مکمل اگر کچھ ہے تو بلندی ہے اور معدن حیات وہی ہے۔ یہ آسمان ایک بلند چھت ہے جس میں ستارے مدبرات بھی ہیں، واردات بھی اور صادرات بھی۔ وہ اپنے افلاک میں ایک نقطے سے دوسرے نقطے تک گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان نجوم وکواکب کے اثرات اہل دنیا پر ہوتے ہیں۔ یہ عمر کی کوتاہی اور طوالت کے لیے مخصوص ہیں۔ یہ کہیں خوشی اور غم کی بنیاد بنتے ہیں۔ ترکیب بسائط اور انبساط مرکبات انھیں کے زیر اثر ہے۔ صورتیں انہیں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ سمندروں کی پیدائش یعنی ظہور اور ان کی طغیانی انہیں کے زیر اثر ہے۔ چھوٹے کواکب کے اثرات بڑے ستاروں اور سیاروں کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ کچھ ضعیف الاعتقاد لوگ اس شخص کے پیرو ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ یہی شخص تھا جس نے حیرانیوں اور کیمانیوں میں مذہب صابئہ کو پہلے پہل رواج دیا۔ ان کی جائے سکونت عراق میں بطائح اور آجام کے نزدیک بصرہ اور واسط کے درمیان میں تھی۔ طہورث جس وقت ہلاک ہوا اس کی عمر تیس سال تھی لیکن کچھ کم و بیش بتاتے ہیں۔

"طہورث" کے بعد اس کا بھائی "جمشید" تخت فارس پر بیٹھا۔ وہ اصلاً فارسی تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کے زمانے میں طوفان کثرت سے آئے اور ان سے نجات ملنے پر اسی نے فارس رسم میں نوروز کو رواج دیا جو بطور جشن آج تک چلی آتی ہے۔ اس کا ذکر ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ نے بھی عمر المعروف کسریٰ کے حوالے سے کیا ہے۔ اس شخص یعنی عمر نے فارس میں علم و اخبار کو بہت زیادہ پھیلایا جس سے اس کا لقب کسریٰ پڑ گیا۔ جمشید کا دورِ حکومت فارس تقویم کے لحاظ سے چھٹی صدی تک چلا۔ بعض مؤرخین کے مطابق ۹۰۶ھ تک رہا۔ اس نے صنعتیں پھیلائیں اور متعدد عمارتیں بنوائیں اور کثرت

سے شہر آباد کیے - اس نے فوق البشر ہونے کا دعویٰ بھی کیا -

جمشید کے بعد "بیوراسب" بن اروادسب بن رسوان بن نیاداس ابن طارح ابن قروال بن ساہر فارس بن کیومرث بادشاہ ہوا - اس کی ماں کا نام آک تھا اس لیے اس کے جتنے نام بھی ہیں سب معرب ہیں - اہل عرب اسے ضحاک کہتے ہیں - کچھ لوگ اسے بہراسب کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن ہماری تحقیق کے مطابق اس کا صحیح نام "بیوراسب" ہی تھا جو ہم نے ابھی بتایا - جمشید کو اسی نے قتل کیا لیکن اس بارے میں اختلافی بیانات کثرت سے ملتے ہیں - اس بارے میں بھی اختلافات ہیں کہ اس کی ماں کوئی عربی عورت تھی - اسے ساحر بتایا جاتا ہے - اس نے سات اقالیم پر حکومت کی لیکن اس کے دورِ حکومت میں بغاوتیں، تمرّد اور سرکشی کی انتہا ہو گئی تھی - وہ رَے اور طبرستان کے درمیان میں کوہ دماوند[1] میں مقیّد بھی رہا - فارسی میں اس کے بارے میں بیانات کا بڑا ضخیم ذخیرہ ہے - عرب کے متقدمین و متاخرین شعراء نے بھی اس کا ذکر کیا حتےٰ کہ ابونواس تو اس کی مدح میں بہت آگے گیا ہے - اس کے خیال میں وہ یمنی تھا - خود ابونواس سعد العشیرہ یمنی کا غلام تھا - جاہل اور وحشی اپنی اپنی جگہ ضحاک کی پرستش کرتے تھے -

ضحاک کے بعد "افریدون" بن اثقابان بن جمشید فارس کا بادشاہ ہوا - اس کی قلمرو میں بھی سات اقالیم شامل تھیں - اسی نے جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں ضحاک کو گرفتار کر کے کوہ دماوند میں قید کیا تھا - فارس کے مؤرخین نے اس کا ذکر کثرت سے کیا ہے - عمر المعروف کسریٰ کہتا ہے کہ وہ آج تک (یعنی عمر کسریٰ کے زمانے تک) وہیں مقیّد ہے اور یہ کہ افریدون اب تک اسی پہاڑ پر عید کا جشن مناتا ہے جس کا نام (جشن عید کا) اس نے "مہرجان" رکھا ہے - اس کا ذکر ہم زیرِ نظر کتاب میں آگے چل کر کریں گے - افریدون کا دارالحکومت بابل بتایا جاتا ہے - اصل بات یہ ہے کہ اس کا دارالحکومت جو شہر تھا اس کا نام بابل تھا - اسی نسبت سے اس کے دارالحکومت کو بابلی کہا گیا ہے - یہ شہر کبھی دریائے فرات کی ان شاخوں میں سے جو عراق میں ہیں ایک نہر کے کنارے آباد تھا اور اسے آج تک جسر بابل کہا جاتا ہے جیسے نہر ترس کے قریب ایک شہر کے بنتے ہوئے کپڑے کو نرسیہ کہتے ہیں - افریدون کے دارالحکومت یعنی مذکورہ بالا شہر میں ایک کنواں ہے جو جُبّ دانیال (علیہ السلام) کے نام سے مشہور ہے - یہاں یہود و نصاریٰ ہر سال

---

[1] عربی نسخے میں دباوند لکھا ہے (مترجم)

اپنی عیدوں کے موقعوں پر زیارت کے لیے آتے ہیں۔ جب انسان کا قدم پہلی بار یہاں آیا تھا تو اس نے یہاں عظیم کھنڈرات کے نشانات پائے تھے جن کے آثار اور ان کی بنیادوں میں ایسے برتن وغیرہ ملے تھے جن سے وہاں کبھی انسانی آبادی کے نشانات ملتے تھے۔ بعض لوگوں کے خیال میں "جُبّ دانیال" (علیہ السلام) وہی کنواں ہے جہاں کبھی ہاروت و ماروت کو رکھا گیا تھا۔ ویسے قرآن شریف میں حسب موقع اس قریہ اور کنویں کا ذکر آیا ہے اور اس قریہ کو بابل کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں افریدون کی حکومت ۵۰۰ سال رہی اور یہ کہ اس نے ربع مسکوں کو اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ افریدون کی مدت حکومت کے بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بعض نے اسے ۵۰۰ سال سے کم بتایا ہے اور بعض نے اس سے زیادہ۔ بہرحال اس کے تین بیٹوں کا ذکر ظہور اسلام کے بعد بھی کچھ شعرائے عرب نے کیا ہے۔ ان باتوں کے بارے میں کھوج لگانے اور انہیں سمجھنے کے لیے بنی نوع انسان کے لیے کافی علمی ذخیرہ موجود ہے۔ بہر کیف بلاد بابل افریدون کے ایک بیٹے کے حصّے میں آئے تھے جس کا نام "ایرج" تھا اسے اس کے ایک دوسرے بھائی نے افریدون کی زندگی ہی میں قتل کر دیا لیکن پھر وہ خود بھی ہلاک ہوا کیونکہ ملکی عوام نے اس کا ساتھ نہیں دیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ ہم آگے چل کر اس اقلیم کا تفصیلی ذکر کریں گے جو ایرج کے حصے میں آئی تھی۔ ویسے لوگوں نے ایران کو شہر لکھا ہے لیکن شہر سے ان کا مطلب ملک ہے۔ ایرج کے قاتل کے بعد فارس کی حکومت پھر اصلی ورثا کی طرف لوٹ گئی۔ چنانچہ افریدون کے بعد "منوچہر"[1] بن ایران بن افریدون فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کا حسب نسب ہم نے ملوک فارس کے انساب کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ اس کی حکومت بیس سال رہی۔ بابل اس کی قلمرو میں تھا کہتے ہیں منوچہر کا زمانہ وہی تھا جو حضرت موسیٰ بن عمران اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا تھا۔ منوچہر اور اس کے چچاؤں کے ابین جنہوں نے ایرج کو قتل کیا تھا کافی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے نام اطوج اور سلم تھے۔ ہم ان لڑائیوں کا حال اپنی پچھلی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔

منوچہر کے بعد فارس کی حکومت "سہم" بن آبان بن اثقیان بن یود بن منوچہر کے حصّے میں آئی۔ اس کا دارالحکومت وہی مذکورہ بالا قریہ بابل تھا۔ اس کی حکومت ساٹھ سال رہی۔ اسے بھی متعدد لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ اس کے سیرت و کردار اور سیاسیات کے بارے میں ہم اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

---

[1] عربی نسخے میں اس کا نام عربی تلفظ میں "منوچہر" لکھا ہے (مترجم)

منوچہر کے بعد "افراسیاب[1]" بن اطوج بن یاسر بن رامی بن آرس بن بورک بن ذسست بن نوح بن دوم بن سرور بن اطوج بن ملک افریدون بادشاہ ہوا۔ وہ ترکی علاقے میں پیدا ہوا تھا لیکن جن مؤرخین اور دوسرے مصنفین نے اسے ترک لکھا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ اس کا دورِ حکومت اگرچہ صرف بارہ سال رہا لیکن اکثر کتب تواریخ کے مطابق اس کی عمر چار سو سال ہوئی۔ اپنے بارہ سالہ قلیل دورِ حکومت میں وہ اکثر و بیشتر زو بن بہاست بن کمھود ابن عداسہ بن رایہ ریخ بن راع بن ماسر بن یود بن منوچہر سے برسرِ پیکار رہا لیکن آخرکار اسے شکست ہوئی اور وہ ملک بدر ہوا۔ زو بن بہاست بن کمھود نے اس کے اکثر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان علاقوں کو جنہیں افراسیاب نے لڑائیوں کے دوران میں تباہ و برباد کر دیا تھا از سرِنو تعمیر و آباد کیا۔

افراسیاب کے دورِ حکومت کے بارے میں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ بعض نے اس کی حکومت کی مدت تیس سال بتائی ہے اور کچھ دوسروں نے اس سے بھی زیادہ۔ بہرکیف اس کا مسکن بالاتفاق بابل ہی تھا۔ افراسیاب کے قتل اور اس کی لڑائیوں کے بارے میں نیز اس کے ہاتھوں قتل و غارت کے بارے میں اہلِ فارس نے بہت کچھ لکھا ہے۔ یہ لڑائیاں ترکوں اور ایرانیوں کے مابین بتائی گئی ہیں۔ انہیں میں سیاوخس کے قتل کا ذکر اور رستم بن دستان کی داستان بھی ہے جنہیں "سکیکن" نام کی کتاب سے ابن مقنع نے عربی میں منتقل کیا ہے۔ اس کتاب میں اسفندیار بن بہراسب اور اس کے اشارے پر رستم بن دستان کے قتل نیز رستم کے حامیوں کے ہاتھوں بہمن بن اسفندیار کے قتل اور قدیم فارس کے عجائبات و کوائف کے بارے میں جملہ تفصیلات پائی جاتی ہیں۔ صرف اسی کتاب نے قدیم ایران کے بادشاہوں اور ان کے اسلاف کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ہم نے بھی ان بادشاہوں اور ان کے اسلاف و انساب پر نیز ان کے حالات و کوائف اور سیرت و کردار پر اپنی پچھلی کتابوں میں کافی روشنی ڈالی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ فارس کا پہلا بادشاہ جو عراق سے بلخ منتقل ہوا کیکاؤس تھا۔ اس کی اس ملک بدری کی وجہ اللہ تعالیٰ اور فطرت سے سرکشی تھی۔ وہ پہلے یمن پہنچا تھا جہاں کا بادشاہ اس وقت شمر بن فریقس تھا لیکن شمر اس کے خلاف تھا، اس نے کیکاؤس کو گرفتار کر کے ایک تنگ و تاریک قید خانے میں ڈال دیا تھا لیکن کیکاؤس کی خوش قسمتی سے شمر کی بیٹی سعدی اس کی اور اس کے ساتھیوں کی حمایت

---

[1] عربی نسخے میں فراسیاب لکھا ہے (مترجم)

دامداد پر آمادہ ہوگئی۔ اس نے اپنے باپ سے پوشیدہ طور پر اسے اور اس کے ساتھیوں کو کسی نہ کسی طرح آزاد کرا دیا۔ کیکاؤس چار سال تک شمر کی قید میں رہا تھا۔ خوش قسمتی سے اسی زمانے میں رستم بن دستان چار ہزار سپاہیوں کا دستہ لے کر کیکاؤس کی مدد کے لیے سجستان سے خفیہ خفیہ یمن آگیا تھا۔ اس نے شمر بن فریقس کو قتل کر دیا اور کیکاؤس کو اس کے وطن واپس لے گیا، سعدی بھی اس کے ساتھ تھی۔ بعد میں کیکاؤس نے اپنے بیٹے سیاوخش کے ساتھ اس کی شادی کر دی مگر اس کے بعد فوراً ہی افراسیاب نے کیکاؤس سے لڑائی چھیڑ دی۔ اس سے قبل سیاوخش کی سعدی سے شادی ہو چکی تھی اور اس سے ایک بیٹا کیخسرو پیدا ہو چکا تھا۔ رستم نے کیکاؤس کی طرف سے افراسیاب کا مقابلہ کر کے اسے شکست دی اور قتل کر دیا لیکن پھر خدا جانے کیا پیچ پڑے کہ رستم کو بھی قتل کر دیا گیا۔ کہتے ہیں یہ سب کچھ سعدی کے اشارے پر ہوا تھا کیونکہ وہ اور اس کا شوہر سیاوخش رستم کو اندرونی طور پر ترکوں کا طرفدار سمجھتے تھے۔ فارس کی تصنیف کتاب سکیکین کے مطابق کیکاؤس اور سیاوخش کے بعد سیاوخش کا بیٹا کیخسرو فارس کا بادشاہ ہوا تھا لیکن اس کے بعد بادشاہ کون ہوا اس کے متعلق کہیں سے کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ بہرکیف تاریخ میں بہراسف کے بادشاہ ہونے کا ذکر ہے لیکن وہی اس کی قوم فارس سے بلخ منتقل ہو گئی تھی۔ اس کے بعد بلخ ہی اس کا دارالحکومت ٹھہرا تھا۔ اسی زمانے میں نہر بلخ کا ذکر آتا ہے جو درحقیقت دریائے جیحوں ہے جسے وہاں کے لوگ "کالف" کہتے تھے اور عجمیوں میں آج تک دریائے جیحوں کا یہی نام چلا آتا ہے۔ تاریخ سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کیخسرو کے بعد دبیچ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر "لہراسپ" بن تنوج بن کیمس بن کیناسس بن کیناسر بن کیقباد بادشاہ ہوا تھا جس نے بہت سے شہر بسائے تھے وہ اپنی رعایا سے حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتا تھا۔ لیکن کچھ سال بعد ہی بنی اسرائیل نے اس سے بادشاہت چھین کر اس کی قوم کو تتر بتر (منتشر) کر دیا تھا۔ لہراسپ کے ساتھ بنی اسرائیل کے سلوک کے متعدد قصے مشہور ہیں۔ لیکن بلخ میں اس کی سکونت کے دوران میں نہریں نکالنے کا زمین کھدوانے اور آبادکاری و شجرکاری کے سلسلے میں بہت کام ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ترکستان میں لہراسپ کی حکومت کا دور اور اس کے ورثا کی حکمرانی کا زمانہ ملا کر ایک سو بیس سال ہوتا ہے قدمائے فارس نے لہراسپ کے قتل اور اس کے ساتھ قلعہ میں جو لوگ تھے ان کے تہ تیغ ہونے نیز وہاں جو مال و متاع تھا اس کی لوٹ کھسوٹ اور تباہی کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ کس کے قبضے میں آیا۔

فارس کی قدیم تواریخ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لہراسپ کے زمانے سے قبل فارس کی طرف سے بخت نصر عراق اور مغرب کا مرزبان (حاکم) تھا۔ اس نے شام کے راستے سے آگے بڑھ کر بیت المقدس

فتح کر لیا تھا اور بنی اسرائیل کا حد سے زیادہ خون بہا کر انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا تھا۔ عام طور سے اسے بخت نصر کہا جاتا ہے۔ بہت سے قصہ گویوں نے اس کے ظلم و جبر کے بارے میں غلو سے کام لیا ہے نیز اس کے دوسرے اوصاف کے سلسلے میں بھی مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ نجومیوں نے زیجات میں اور کچھ دوسرے مؤرخین نے اپنی کتابوں میں اسے بادشاہ بتایا ہے لیکن جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا وہ درحقیقت فارس کی طرف سے عراق و مغرب کا حاکم تھا۔ مرزبان کا مطلب عسکری قائد، وزیر، حاکم یا مملکت کے کسی حصے کا نگران ہوتا ہے۔ بخت نصر نے بنی اسرائیل میں خونریزی مزید کی تھی انہیں مشرق کی طرف بھگایا تھا لیکن ان کے حکمران کی بیٹی دینارد کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا اور وہی بعد میں بیت المقدس میں بنی اسرائیل کی واپسی کا سبب بنی۔

کہا جاتا ہے کہ لہراسپ بن گشتاسپ اسی دینارد کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے اور اس کے لیے دلائل پیش کیے ہیں۔ بہرحال یہ حقیقت ہے کہ بنی اسرائیل کی حمایت میں ان کے حکمران کی بیٹی دینارد کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔

کہا گیا ہے کہ بہراسف سنجاریب کی اولاد میں سے تھا، اس کی حکومت عراق میں اس وقت تک رہی جب تک مرزبان مقرب بخت نصر نے اس پر چڑھائی نہیں کی۔ بہرکیف اس کا کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس کے زیر حکومت سارے علاقے پر بخت نصر کا قبضہ ہو گیا تھا۔ کچھ مؤرخین نے اس کے برعکس بھی لکھا ہے جو ہم نے آئندہ صفحات میں اس کے متعلق بہمن بن اسفندیار بن بیتاسف بن بہراسپ کے حالات دکوائف کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ویسے بطلیموس نے تاریخ پر اپنی کتاب المجسطی اور شاذان نے اپنی کتاب "القانون فی النجوم" میں سکندر بن فیلقوس[1] مقدونی کی مملکت کا ذکر کرتے ہوئے اس کا ذکر بھی کیا ہے۔

زردشت[2]

لہراسپ کے بعد اس کا بیٹا بیتاسف فارس کا بادشاہ ہوا تھا۔ اس نے بلخ میں سکونت اختیار کی تھی لیکن تیس سال بعد اسے وہاں سے زردشت بن اسپیمان نے نکال دیا تھا۔ قدیم فارس کی تواریخ میں بتایا گیا ہے کہ زردشت درحقیقت زردشت بن بورشف بن فذراسف بن

---

[1] عربی نسخے میں فیلبس لکھا ہے (مترجم)

[2] عربی نسخے میں زرداشت لکھا ہے لیکن ہم نے زیر نظر ترجمے میں اس کا اعدا اور تلفظ انگریزی لفظ زرداسٹ (ZORAST) سے لیا ہے (مترجم)

اریکدسف بن مجدسف بن حجش بن باتیر بن ارحدس بن ہروار بن اسبیمان بن واندست بن ہایزم بن ارج بن دور شیرین بن منوچہر[1] (شاہ) تھا اور یہ کہ وہ اہل آذربائیجان میں سے تھا۔ بہرکیف وہ نسبی لحاظ سے زیادہ تر زرتشت بن اسپیمان مشہور ہے۔ وہ مجوسیوں کے نبی کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہے جس پر عوام الناس کے مطابق کتاب "زمزمہ" اتری تھی۔ مجوسی اس کا بستاہ (دنسیاہ) بتاتے ہیں۔ زرتشت نے عوام الناس کو ایسے معجزات دکھائے جنہیں عقل قبول کر سکے۔ اس نے کائنات کے بارے جزدی وکلی بہت سی باتیں بتائیں جن میں کلیات کے لحاظ سے عام اشیاء کے متعلق باتیں لیکن بلحاظ جزئیات خاص اشیاء کے بارے میں باتیں تھیں۔ مثلاً زید اس دن مرے گا اور فلاں شخص فلاں روز بیمار پڑے گا یا فلاں دن فلاں وقت فلاں شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اور اسی قبیل کی کئی دوسری باتیں مذکورہ بالا کتاب مجموعی طور سے ساٹھ حروف کے تحت میں تحریر ہے۔ ویسے بھی اس زبان کے پورے لغت میں ساٹھ سے زیادہ حروف استعمال نہیں ہوتے۔ زرتشت کے بارے میں اور بہت سے حالات ملتے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ہم نے اپنی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ مذکورہ بالا کتاب میں جو بارہ ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس پر سونے کی جلد چڑھائی گئی ہے سوائے چند معمولی باتوں مثلاً وعدہ و وعید اور امر و نواہی اور عبادات کے طریقوں کے سوا جو کچھ لکھا ہے اس کی تفہیم عوام الناس کے بس کی بات نہیں ہے چہ جائے کہ اس کی باریکیوں تک عوام کا ذہن پہنچ سکے، اس کتاب کے مفاہیم جس کی تفاسیر ہو چکی ہیں ہم آگے چل کر گفتگو کریں گے، ویسے فارس کے بادشاہ اور عوام اس کتاب کے قابلِ فہم مندرجات پر اس وقت تک عامل رہے جب تک سکندر نے دارا بن دارا کو قتل کر کے فارس کا قریب قریب ذخیرہ کتب نذر آتش نہ کر دیا۔

زرتشت کے زمانے کے بعد کچھ عرصے تک طوائف الملوکی کا دور رہا۔ حتیٰ کہ اردشیر بن بابک فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس نے فارس کے جملہ مجوسیوں کو مذکورہ بالا کتاب کی ایک سورۃ پڑھنے پر جمع کیا۔ چنانچہ تمام مجوسی اس کتاب کی اسی سورۃ کے سوا آج تک اور کچھ نہیں پڑھتے۔ مجوسیوں کی سب سے پہلی کتاب جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں بیان کیا وہی بستاہ یا نسیاہ تھی۔

زرتشت کی مذکورہ بالا کتاب جب عوام کی سمجھ میں نہ آسکی تو مجوسی علماء نے ژند کے نام سے اس کی تفسیر لکھی اور پھر اس تفسیر کی تفسیر پاژند کے نام سے لکھی گئی۔ تاہم اصل کتاب کو پھر بھی صرف

---

[1] عربی نسخے میں منوشہر لکھا ہے (مترجم)

چیدہ چیدہ مقامات سے پڑھا گیا کیونکہ اس کی پوری قرأت پر کوئی بھی قادر نہ ہو سکا۔ کہتے ہیں کہ تین سو سال گزر جانے کے بعد ایک سجستانی شخص نے اس کتاب کو از اول تا آخر حفظ کیا تھا۔

فارس میں ایک بادشاہ ایسا بھی ہوا جس نے اپنے مجوسی معتقدات پر اظہارِ افسوس کیا اس کا نام لیتاسف تھا۔ اس کا زمانہ زرتشت کے ڈیڑھ سو سال بعد کا تھا اور وہ ہلاک کر دیا گیا تھا۔ زرتشت کا دورِ نبوت اس کے ہلاک ہونے تک ۳۵ سال رہا حالانکہ اس نے ۷۷ سال عمر پائی۔

خاناس

زرتشت کے ہلاک ہونے کے بعد اس کی جگہ ایک مجوسی عالم "خاناس" نے پائی اور وہ پہلا شخص تھا جس نے ضعیف الاعتقاد عوام کو پھر ایک مضبوط مجوسی عقیدے پر قائم کیا۔ خاناس آذربائیجان کا رہنے والا تھا۔ لیتاسف بادشاہ کے زمانے میں بھی احکام اسی کے چلتے تھے۔

ملک بہمن

اس کے بعد "بہمن" بادشاہ ہوا۔ اس کا پورا نام بہمن بن اسفندیار بن لیتاسف بن بہراسف تھا۔ اس کے ساتھ سجستان کے حاکم رستم کی متعدد لڑائیاں ہوئیں حتےٰ کہ رستم اور اس کا باپ دستان قتل کر دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ بہمن کی ماں بنی اسرائیل میں سے بادشاہ طالوت کی نسل سے تھی۔ طالوت بخت نصر کے زمانے میں بنی اسرائیل کے عہد حکومت تک عراق میں حکومت فارس کی طرف سے عراق کا حاکم تھا اور وہاں کے جو کوائف ہم لکھ چکے ہیں وہ اسی کے عہد حکومت کے ہیں۔ بہمن کی بادشاہت اس کی ہلاکت کے وقت تک بائیس سال رہی۔ اسی کے زمانے میں بنی اسرائیل جو بابل میں ستر سال مقید رکھے گئے تھے بیت المقدس لوٹے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ بہمن سے پہلے کورش فارسی کے زمانے میں پیش آیا۔ بہمن کی سکونت فی زمانہ بلخ بتائی جاتی ہے۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کورش کی ماں بنی اسرائیل میں سے تھی اور یہ کہ دانیال اصغر اس کا یعنی کورش کا ماموں تھا۔ بعض اقوال کے مطابق کورش کی حکومت کی مدت ۲۲ سال ہے اور اس کا زمانہ بہمن کے بعد کا بتایا جاتا ہے۔ بہرکیف کورش بھی فارس کے دورِ اوّل کے بادشاہوں میں شامل ہے لیکن اس کے زمانے کا ذکر قدیم تواریخ میں نہیں ملتا۔ ویسے دانیال اکبر کا ذکر قدیم تواریخ میں ملتا ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہما السلام کے درمیانی زمانے میں تھا۔ اسی نے اس علم کی بنیاد ڈالی۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابتدائے آفرینش کائنات کے بعد سطح ارضی پر برسوں، مہینوں اور دنوں کے تعین کے ساتھ کیا کیا حادثات رونما ہوئے۔ اس نے علوم فلکیات سے بھی دنیا کو روشناس کرایا۔ علم جفر اسی کے نام سے منسوب ہے ملوکِ عالم کے حالات و کوائف پر بھی اس نے کافی روشنی

ڈالی ہے اور جو کچھ بنایا ہے قوی دلائل کے ساتھ بنایا ہے۔ بہرکیف جب بنی اسرائیل بیت المقدس لوٹے تو انھوں نے مٹی کے نیچے سے تورات اس جگہ سے نکالی جہاں وہ دبا دی گئی تھی جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

حمایہ

بہمن کے بعد بہمن بن اسفندیار بن بیتاسف بن بہراسف کی بیٹی کا دورِ حکومت آیا۔ اسے زیادہ تر اس کی ماں شہرزاد کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے زمانے میں بہت سے نئے واقعات ہوئے جن میں فارس کے ساتھ روم وغیرہ کی لڑائیاں بھی شامل ہیں۔ بہمن کے بعد اس کی بیٹی "حمایہ" کی حکومت کا دور تیس سال رہا جسے کچھ لوگ کم و بیش بھی بتاتے ہیں۔

دارا

حمایہ کے بعد اس کا بھائی "دارا" بن بہمن بن اسفندیار بادشاہ ہوا جس نے بائیس برس حکومت کی۔ اس کی سکونت ہمارے بیان کردہ شہر بابل میں تھی۔

دارا بن دارا

دارا کے بعد دارا کے بیٹے "دارا" بن دارا بن بہمن بن اسفندیار ابن بیتاسف بن بہراسف کا دورِ حکومت آیا۔ اہل فارس اسے اپنی ابتدائی میں "داریوس" کہتے تھے۔ یہ وہی دارا یا داریوس تھا جسے سکندر بن فیلقوش مقدونی نے قتل کیا۔ اپنے قتل کے وقت وہ تیس سال حکومت کر چکا تھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ جب منوچہر کو افراسیاب ترکی کے مقابلے میں شکست ہوئی تو وہ طبرستان کے ایک پہاڑی قلعے میں روپوش ہو گیا تھا لیکن کچھ عرصے بعد وہ وہاں سے نکل کر افراسیاب کے مقابل آیا اور عراق کے علاوہ ترکی علاقوں پر بھی تسلط حاصل کر لیا۔ منوچہر کے بعد فارس کی حکومت دو رشتے کے بھائیوں کے حصے میں آئی۔ کہا گیا ہے کہ اس حکومت کے ان دونوں شرکاء نے بڑے میل جول اور آپس میں حد درجہ تعاون کے ساتھ حکومت کی اور ان علاقوں کو دوبارہ تعمیر اور آباد کیا جنہیں افراسیاب نے اجاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام "بہاسف" بن کنجہر بن ورزق بن ہوسف بن واحد سک بن دوس بن منوچہر اور دوسرے کا نام "کرشاسف" ابن بمیار بن طماھسف بن آشک بن فرسین بن ارج بن منوچہر تھا۔ ان میں سے کرشاسف نے افراسیاب کا مقابلہ کیا تھا حتیٰ کہ اسے شکست دے کر چھوڑا تھا جب کہ دوسرے یعنی بہاسف نے عراق میں ان مقامات کو از سرِ نو آباد کیا تھا جنہیں افراسیاب نے برباد کر دیا تھا۔ اس نے دو نہریں بھی کھدوائی تھیں جنہیں صغیر و کبیر زابین کہا جاتا ہے اور جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ یہ نہریں اس نے دجلے سے بلاد آرمینیا تک نکالی تھیں جن میں سے نہر اکبر موصل و حدیثہ کے درمیان تھی اور دوسری بلاد چین تک گئی تھیں اور اسی کے نام سے مشہور تھی۔ ایک اور آخری نہر اس نے سواد عراق میں نکالی تھی اور اس کا نام زاب رکھا تھا۔ اس نہر کے کنارے اس نے جن

برباد شدہ بستیوں کو از سرِ نو تعمیر اور آباد کیا تھا انہیں زوابی نام دیا تھا۔ یہ بستیاں آج تک موجود ہیں۔ اس کا دورِ حکومت تین سال رہا۔

کیخسرو کا دادا افراسیاب بن اشک بن بنت بن نشمر بن ترک وہی تھا جسے مؤرخین کا ایک گروہ سارے ترکوں کا جدِ امجد بتاتا ہے لیکن یہ بھی کہتا ہے کہ وہ لیسب بن طوج بن افریدون کی اولاد میں سے تھا۔ بہرکیف اس کے نسب کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ افراسیاب کے پوتے کیخسرو نے ممالک کے ممالک چھان مارے یہاں تک وہ بلادِ چین تک گیا جہاں اس نے ایک عظیم شہر کی بنیاد رکھ کر اس کا نام کنکولر رکھا تھا اور چینی باشندے جوق در جوق اس شہر کی طرف ڈھل آئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انوا کا علاقہ اس شہر کے عین درمیان میں تھا۔ کہتے ہیں کہ اس سے قبل کیقادس نے شہر کشمیر کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ شہر ارضِ ہند میں ہے۔ کیقادس کے بیٹے میاوخش نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں شہر قندھار کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ شہر بلادِ سندھ میں شامل ہے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں بعض ملوکِ عام ان کے حالات و کوائف اور سیرت و کردار کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اسے زیرِ نظر کتاب میں کسی قدر شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور مؤرخین نیز دوسرے مصنفین میں جو اختلافی باتیں پائی گئی ہیں ان کا ذکر بھی ہر جگہ کر دیا ہے تاکہ اس کتاب کے قارئین یہ نہ سمجھیں کہ اس کتاب میں ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف اپنی طرف سے اور اپنی ذمہ داری پر لکھا ہے بلکہ جو کچھ پہلے مؤرخین و مصنفین لکھ چکے ہیں اس پر حسبِ توفیقِ الٰہی مزید تحقیق کے بعد اسے اکثر و بیشتر من و عن بیان کر دیا ہے۔

وہ ملوک الطوائف جو فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے درمیان بادشاہ ہوئے

ملوک طوائف کی اصلیت

اہل فارس میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ ان میں ملوک طوائف یعنی وہ لوگ جو جگہ جگہ خود مختاری کا اعلان کر کے بادشاہ بن بیٹھے تھے وہ کون تھے۔ وہ نبیط میں سے تھے یا عرب تھے؟ میری اطلاع کے مطابق کچھ اہل خبر نے لکھا ہے کہ جب سکندر ابن فیلقوس نے دارا کو قتل کر دیا تو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کچھ لوگ جو مرکزی حکومت کی طرف سے اطراف ایران میں ادھر اُدھر بطور ناظم متعین تھے اپنی اپنی جگہ خود مختاری کا اعلان کر کے بادشاہ بن بیٹھے۔ اس وجہ سے مرکزی نظام حکومت قطعًا کالعدم ہو گیا کیونکہ اب وہاں ایسا کوئی نہ تھا جس کے احکام پر وہ عمل کرتے یا اپنے کسی انتظامی مسئلے میں اس سے رجوع کرتے، چنانچہ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو ہم نے ابھی بیان کیا۔ جو لوگ مرکزی حکومت کی طرف سے مختلف علاقوں میں مامور تھے وہ عمومًا اشغانی کہلاتے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے اپنی خود مختاری اور بادشاہت کا اعلان کیا وہ مؤرخین کے مطابق کچھ پہاڑی علاقوں میں اور کچھ دوسرے دینور، نہاوند، ہمدان، ماسبدان اور آذر بائیجان میں مامور تھے لیکن جب انہوں نے اپنی اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو اپنے اپنے مقامی نام کے لحاظ سے موسوم کیے گئے مثلاً: ملوک جبال وغیرہ اور ان ملوک الطوائف کو عمومًا اشغانی کہا جاتا تھا۔ سکندر کا مقصد بھی یہی تھا کہ اہل فارس میں باہمی پھوٹ پڑ جائے اور مرکزی نظام حکومت درہم برہم ہو جائے چنانچہ ان ملوک الطوائف نے اس کا مقصد پورا کر دیا۔

محمد بن ہشام کلبی نے اپنے والد اور کچھ دوسرے علمائے عرب کے حوالے سے بتایا ہے کہ جو لوگ سطح ارضی پر سب سے پہلے ادھر اُدھر بادشاہ ہوئے انہیں "اسکیان" کہا جاتا تھا۔ یہی بادشاہ

تھے جنہیں ہم نے اپنی اس کتاب میں فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں میں شامل کیا ہے محمد بن ہشام کی روایت کے مطابق دُنیا میں دورِ ثانی کے بادشاہ "اردوان" کہلائے اور ملوکِ نبیط درحقیقت وہی تھے جن میں ملوک الطوائف بھی شامل ہیں۔ وہ ارضِ عراق میں علاقہ قصر ابن ہبیرہ کے نزدیک اس علاقے میں جس میں جامعین، سورا، احمد آباد اور الفرس سے لے کر منیا، تل فخار اور گرد و پیش کے سارے علاقے شامل تھے اور جنہیں دریائے فرات سیراب کرتا تھا قیام پذیر تھے۔ رہے اس سلسلے کے ملوک عرب تو ان میں معضر بن نزار بن معد، ربیعہ بن نزار، انمار بن نزار، یمن کے بنی نضر میں سے نضریہ اور ان کے علاوہ کچھ قحطانی بھی شامل تھے۔ ان سب نے اپنے گرد گروہ در گروہ جمع کر کے قوت حاصل کر لی تھی اور اپنی اپنی جگہ مرکز سے علیحدگی اختیار کر کے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اور بادشاہ بن بیٹھے تھے۔ اس کی واحد وجہ یہی تھی کہ مرکزی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ جگہ جگہ اس انتشار اور طوائف الملوکی کا سبب سکندر کے سیاسی مصالح تھے۔ اس نے اپنے استاد اور وزیر سلطنت ارسطو کو بار بار تحریری ہدایات ارسال کی تھیں کہ فارس اور آس پاس کے عرب علاقوں میں طوائف الملوکی کی اس آگ کو اور ہوا دی جائے۔ اس طرح وہ ان سب علاقوں کو اپنے زیر نگیں لا کر اپنی قلمرو میں شامل کرنا چاہتا تھا۔

ان اکثر و بیشتر لوگوں نے جنہیں اس قدیم عہد ماضی سے باخبر سمجھا جاتا ہے اس طوفانی دور کی مدت سکندر کے زمانے سے لے کر اس کے بعد تک پانچ سو سترہ سال بتائی ہے جس کے بعد اردشیر بن بابک بن ساسان کا زمانہ آتا ہے جس نے ان جملہ ملوک طوائف کو زیر کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا اور ان سب کے سرگروہ اردوان کو عراق میں قتل کیا جو وہاں بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ اردشیر نے ایسے جملہ ملوک الطوائف کو ماسوا ان کے جنہوں نے اس کی اطاعت کر لی یا اس کو دعوت اطاعت کا جواب اثبات میں دیا قتل کر دیا۔

ہم فارس کے دورِ اوّل کے بادشاہوں کے نام اور ان میں سے ہر ایک کی مدت حکومت ترتیب وار پہلے بتا چکے ہیں۔ فارس کے دورِ ثانی کے بادشاہ وہ ہیں جو ساسانی کہلاتے ہیں۔

ملوک طوائف

ابو عبیدہ معمر بن مثنیٰ تیمی نے فارس کے دورِ اوّل اور دورِ ثانی کے بادشاہوں کے متعلق اپنی کتاب میں عمر کسری کے حوالے سے بہت تفصیلات درج کی ہیں جن میں ان بادشاہوں کے نام، ان کی ترتیب وار مدّت حکومت، نیز یہ کہ انہوں نے کون کون سے شہر آباد کیے، کن کن کو از سر نو بسایا، کہاں کہاں نہریں کھدوائیں اور کتنی کھدوائیں۔ ان کے آباد کردہ شہروں میں بسنے والی ممتاز شخصیتوں کے نام وغیرہ سبھی کچھ لکھ دیا ہے۔ ابو عبیدہ ہی کے مطابق ملوک الطوائف میں پہلا شخص "اشک" بن اشک بن اردوان بن اشغان بن آس الجبار بن سیاوش بن کیقادس تھا جس نے

بیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "سابور" بن اشک بادشاہ ہوا جس نے ساٹھ سال حکومت کی۔ اس کی حکومت کے اکتالیسویں سال میں حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا بلادِ فلسطین کے مقام ایلیا میں ظہور ہوا۔ سابور کے بعد جودرز بن اشک بن اردوان بن اشغان نے دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "نیزر" بن سابور بن اشک نے اکیس سال حکومت کی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کے عہدِ حکومت میں رومی بادشاہ تیطوس ابن اسفانیدس نے ایلیا پر چڑھائی کی تھی اور بہت زیادہ قتل و غارت کا مرتکب ہوا تھا۔ یہ واقعہ اس زمانے کے بعد کا ہے جب اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے آسمان پر زندہ اُٹھا لیا تھا۔ نیزر ابن سابور کے بعد اس کا بیٹا "جودرز" بن نیزر بادشاہ ہوا اور اس نے انیس سال حکومت کی۔ جودرز کے بعد "نرس" بن نیزر نے چالیس سال اور اس کے بعد اس کے بھائی "ہرمز" بن نیزر نے بیس سال، پھر "اردوان" نے جس کا بیٹا کسریٰ بن اردوان تھا پندرہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد کسریٰ بن اردوان نے چالیس سال اور اس کے بعد اس کے بیٹے اردوان بن بلاس نے تیرہ سال حکومت کی۔ یہی وجہ تھی کہ یہاں اردوان کا ذکر کرنے سے قبل ہم نے ملوک الطوائف کی نسبت سے اسی نام کے ایک دوسرے بادشاہ کا ذکر کر دیا تھا۔ کچھ تواریخ میں ملوک الطوائف کے ادوارِ حکومت اس کے برعکس لکھے ہیں جو ہم نے یہاں قلم بند کیے ہیں لیکن ہمارے درج کردہ سنین اس لیے ان تواریخ کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہیں کیونکہ ہم نے انہیں علمائے فارس سے لیا ہے جو قولاً و عملاً زیادہ متدین ہیں ہرچند کہ ان کا مذہب کچھ اور تھا۔ ملوک الطوائف کا ذکر اس سے قبل ہم اپنی پہلی کتابوں میں بھی نسبتاً تفصیل سے کر چکے ہیں۔

انساب فارس اور ان پر اہل خبر کے اقوال

لوگوں میں اہل فارس اور ان کے انساب کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ فارس بن یاسور ابن سام بن نوح تھا اور اسی طرح نبط نبیط بن یاسور بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا۔ یہ قول ہشام بن محمد کا ہے جس نے اپنے والد اور دوسرے علمائے عرب کے حوالے سے اسے پیش کیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارس اور نبیط دونوں بھائی بھائی اور یاسور کے بیٹے تھے لیکن کچھ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ فارس درحقیقت حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہم کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں کا بیان یہ بھی ہے کہ وہ فارس، ارم فخشذ بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھا اور یہ کہ اس کے دس بیٹے تھے جو صبا رفتار گھوڑوں کی طرح تیز و تند اور توانا تھے۔ اس لیے خود اہل فارس اسے فرس کہنے لگے۔ اس سلسلے میں حطان بن معلٰی الفارسی نے دو شعر بھی کہے ہیں۔ وہ کہتا ہے:-

"ہم اہل فارس (یقیناً) فرس ہیں — کیونکہ ہم میں فرس کے خواص ہیں
یعنی وہی تیزی، تندی، تیز رفتاری و توانائی — ہم وقت جنگ شیر کی طرح حملہ کرتے ہیں"

کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ لوط کی نسل اور اس کے دو بیٹوں زُغی و رعوی میں سے کسی ایک کا بیٹا تھا۔ اصحاب تورات کے اس سلسلے میں کافی طویل بیانات پائے جاتے ہیں۔ ایک آخری گروہ ایسا بھی ہے جس کے مطابق اہل فارس بوّان بن ایران بن اسود بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں اور یہ کہ بوّان وہی تھا جس کے نام سے فارس میں ایک بہت ہی حسین اور لائق دید جگہ "شعب بوّان" مشہور و منسوب ہے۔ وہاں طرح طرح کے خوشنما درخت اور چشمے ہیں۔ کچھ شاعروں نے بھی اس خوبصورت جگہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے:-

"یہ شعب بوّان، یہ وادی راہب — یہ اصلی حسین جگہیں ہمارا نصیب ہیں"

ویسے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جو فارس کو ایران بن افریدون کی نسل سے بتاتے ہیں۔ ہم زیر نظر کتاب میں پہلے ہی افریدون کا ذکر کرتے ہوئے بتا چکے ہیں کہ اس نے سطح ارضی کے مختلف حصّوں کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک فارسی شاعر کہتا ہے:۔

"ہم نے ایران کو فارس نام دے کر اس کی قدر و قیمت بڑھا دی ہے۔"

ابھی تک ایران کو فارس ہی کہا جاتا ہے۔ یہ نام اسے ایرج نے دیا تھا جو درحقیقت ایران بن افریدون تھا اور آج فارس میں اسی کی اولاد آباد ہے۔ اکثر لوگ اس پر متفق ہیں کہ اہل فارس آل ایرج ہیں۔ ویسے کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جملہ اہل فارس اور اہوازی عیلام کی نسل سے ہیں لیکن اہل فارس کے درمیان اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وہ سب کے سب کیومرث کی نسل سے ہیں اور یہی بات سب سے زیادہ شہرت یافتہ ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ کیومرث ایرج بن افریدون کا جد امجد تھا۔ اس لیے اگر اہل فارس خود کو کیومرث کی نسل سے کہتے ہیں تو کچھ غلط نہیں کہتے۔ کچھ لوگوں کے خیال میں دورِ ثانی کے اہل فارس ساسانی اور دورِ اوّل کے منوچہر بن ایرج بن افریدون کی اولاد ہیں لیکن خود منوچہر کے متعلق انھیں لوگوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ وہ مشجّر بن فریقیس بن ویرک کی اولاد میں سے تھا اور واضح رہے کہ مشجّر درحقیقت اسحاق ابن ابراہیم خلیل اللہ (علیہ السلام) کا نام ہے جو فارس چلے گئے تھے اور انہوں نے وہاں ایک کنیز کو اپنے عقد میں لے لیا تھا جو ایرج کی بیٹی تھی جس کا نام کورک تھا۔ کورک ہی کے بطن سے منوچہر پیدا ہوا تھا اور اس کے یعنی منوچہر کے کثرت سے اولاد ہوئی اور وہی فارس پر چھائی رہی۔ ان سے ملوک فارس بھی گھبراتے تھے کیونکہ وہ قدیم اقوام عالم اور اہل عرب میں بدّوؤں کی طرح بڑے شہ زور اور جنگجو تھے۔

نزار بن معد کے قبیلے کے اکثر عالم عالمی انساب کے بارے میں یہی لکھتے چلے آئے ہیں اور اہل فارس بھی اسی کے قائل ہیں جیساکہ ہم نے اُوپر بیان کیا اور اُنھوں نے اس کی کبھی تردید نہیں کی۔ نزار بن معد میں سے شعرائے عرب اس پر فخر کرتے رہے ہیں کہ ان کا تعلق یمن سے ہے اور یمن میں بنی قحطان کا آغاز فارس سے ہوا تھا نیز یہ قحطان اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اسی سلسلے میں اسحٰق بن سوید العدوی عدّی قریشی نے درج ذیل اشعار کہے ہیں۔

ہم قحطانی آج تک فخر کرتے ہیں	کہ ہمارا تعلق قحطان فارس سے ہے
قحطان بن اسحٰق ہمارے عم زاد ہیں	جنہوں نے دنیا میں پھیل کر مطیع کیا
پھر جن بادشاہوں کو انہیں نسل در اصل	مطیع رکھا ان کی مملکت میں ہمارا ہاتھ تھا

وہ ہمیں ہیں جنہوں نے دنیا کو ایسا مجتمع کیا کہ وہ آج تک منتشر نہیں ہوئی
انہیں بادشاہوں نے مشرق و مغرب میں حکومت کی جن کا تعلق فارس کی نسل سے ہے

اسی طرح جریر بن خطفی تمیمی فخریہ کہتا ہے کہ ایرانی و رومی سب قحطان کی نسل سے ہیں اور قحطان حضرت اسحٰق کا بیٹا ہے یعنی اولاد انبیاء میں سے ہے اس نے (جریر نے) متعدد اشعار اسی مفہوم کے کہے ہیں۔

بشار بن برد کہتا ہے:۔

ہم بنو فارس کی عزت کرتے ہیں ، وہ قریش ہیں ، میری قوم عجمی قریشی ہے

ایک فارسی شاعر کہتا ہے کہ وہ حضرت اسحٰق کی نسل سے اور یہ کہ اسحٰقؑ کا فارسی نام ایرک تھا۔ اس کے اشعار یہ ہیں:۔

ہمارا باپ ویرک تھا اور اس نے ہمیں اپنی اولاد میں قابل فخر بنایا ،
ہمارا باپ نبی تھا جسے شرف رسالت و عبدیت بخشا گیا
کون ہے جو میری طرح صدیوں پہ فخر کرے میرا گھر اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے

کچھ اہل فارس کا خیال ہے کہ ویرک ایرک بن بورک کا بیٹا تھا اور بورک ان سات عورتوں میں سے کسی ایک کے بطن سے بے باپ کے پیدا ہوا تھا۔ جن کا نسبی تعلق ایرج بن افریدون سے تھا لیکن یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی اس طرح ولادت کے سوا دنیا میں ایسی کوئی مثال نہیں ، ویسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس طرح ولادت بھی اگرچہ بعید از عقل ہے لیکن وہ مشاہدے پر مبنی ہے۔

خود فارس میں منوچہر کے نسب کے بارے میں تنازعات ہیں اور اس پر بھی اتفاق نہیں کہ افریدون سے اس کا کوئی نسبی تعلق تھا نہ کسی کو یہ معلوم ہے کہ افریدون کے بیٹے ایرج کی کوئی بہن تھی جس کے بارے میں یہ گمان ہو سکے کہ وہ ان سات عورتوں میں سے کوئی ہو گی جن کا ہم نے کچھ اہل فارس کی مزعومات کے سلسلے میں ابھی ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بادشاہ منوچہر اور بادشاہ افریدون کے دور حکومت کے درمیان تاریخی اعتبار سے کافی خلا پایا جاتا ہے۔ پھر وہ یعنی منوچہر ان بادشاہوں میں سے کیسے ہو سکتا ہے جنہوں نے بابل کی تباہی کے بعد اسے دوبارہ آباد کیا۔ اس کے علاوہ وہ اتنا باہمت کہاں تھا کہ وہ ملک کو استحکام بخش سکتا اور اس کی حکومت پر لوگوں میں اتفاق رائے ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت افریدون کی اولاد سے اسحٰقؑ کی اولاد کی طرف منتقل ہو گئی۔

اگر بفرض محال مذکورہ بالا گروہ کی بیان کردہ بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس سے بلحاظ تاریخ جو صریحی حسابی غلطی ہو گئی ہے اسے بھی درست سمجھنا ہو گا کیونکہ اس کے مطابق کیومرث سے لے کر اس وقت تک جب حکومت اولاد اسحٰق کی طرف منتقل ہوئی ۹۲۲ سال گزر چکے تھے۔ یہ اندراج میں نے ارض فارس اور بلاد کرمان میں اسی گروہ کی رقم کردہ تواریخ میں پایا ہے۔

کچھ اہل فارس نے ۲۹۰ سال گزر جانے کے بعد اس بات پر فخر کا اظہار کیا کہ حضرت اسحٰق ان کے جد امجد تھے۔ انہوں نے انھیں حضرت اسماعیل ذبیح علیہ السلام پر ترجیح دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے نہ کہ حضرت اسماعیل (علیہ السلام) فارس کے ایک شاعر نے اسی بات کو بڑھا چڑھا کر اپنے ایک طویل قصیدے میں پیش کیا جس میں حضرت اسحٰق کی مبالغہ آمیز مدح سرائی کی گئی ہے اور قریش مکہ کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اسحاق ہمارے اجداد میں سے تھے تمہارا ان سے کوئی جدی رشتہ نہیں ہے اور یہ بھی کہ ذبیح اللہ حضرت اسحٰق تھے برخلاف اس شہرت کے جو حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کو اس سلسلے میں حاصل ہے۔ اس شاعر نے زمزم کو بھی مساعی فارس ہی میں شمار کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے اس قصیدے کی مزید تفصیلات میں جانے سے گریز کیا ہے۔ عبداللہ بن المعتز نے جو اس شاعر کا ہم عصر تھا اس قصیدے کا ذکر کرتے ہوئے اس کے چند اشعار بھی لوگوں کو سنائے جن کا مفہوم یہ ہے کہ "اے اہل عرب (قریش) میں نے سنا ہے، کسی کو بیان کرتے ہوئے دیکھا نہیں کہ وہ (قابل قدر) انسان تمہیں میں سے تھا (یعنی حضرت اسحاق) جس نے فراخدلی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنا خون رضائے الٰہی کے لیے مباح کیا۔ وہ ہرگز اسماعیل (علیہ السلام) نہ تھا بلکہ اسحاق (علیہ السلام) تھا جس کی اولاد تم نہیں ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو تمہیں میں سے بنی کلب کا ایک شخص اہل فارس کی طرف منہ کر کے شیر کی طرح غصے سے کیوں گرجتا۔

دوسری طرف اہل فارس میں ان لوگوں کی اکثریت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ان کے اسلاف سے لے کر اخلاف تک افریدون کی اولاد کے سوا فارس میں اس وقت تک کسی اور نے حکومت نہیں کی جب تک سلطنت فارس اہل فارس کے ہاتھ سے نہ نکلی اور بھی بغیر کسی حق کے غصب کی گئی۔ اہل فارس کی اکثریت کے اس بیان کو نہ کبھی معرض بحث میں لایا گیا نہ اس پر تنقید کی نہ اس کے خلاف کسی نے کچھ کہا۔

اہل فارس کے اسلاف خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، تعظیماً اس کا طواف کرتے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی عظمت کے گن گایا کرتے تھے۔ وہ وہاں تحائف بھی لے جاتے تھے جس سے ان کی مراد بیت الحرام سے تمسک اور تحفظ انساب کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی؟

اہل فارس کے اسلاف میں جس شخص نے سب سے پہلے بیت اللہ کی زیارت کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اس کی اور اپنے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کے پیش نظر اس کا تعظیماً طواف کیا وہ ساسان بن بابک تھا جو اردشیر بن بابک کا دادا تھا۔ وہ پہلا ساسانی بادشاہ تھا جسے اہل فارس اپنا نسلی بزرگ سمجھ کر اس کا اسی طرح احترام کرتے ہیں جیسے مروانی بادشاہ مروان بن حکم کا اور عباسی خلفا اپنے جدامجد حضرت عباس بن عبدالمطلب کا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ فارس کے دورِ ثانی میں اردشیر بن بابک کی اولاد کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہوا اور وہ اردشیر کا دادا ساسان ہی تھا جس نے فارس سے مکہ جاکر بیت اللہ کا طواف کیا اور بئر اسماعیل پر کچھ اس طرح زمزمہ سرائی کی کہ اس زمزمہ سرائی کے نام پر اس اسماعیلی کنوئیں کا نام جو اس وقت تک "بئر اسماعیل" کے نام سے مشہور چلا آتا تھا "زمزم" پڑ گیا اور آج تک اسی نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ آج بھی اہل فارس جو زیارت خانہ کعبہ کے لیے آتے ہیں "بئر اسماعیل" (علیہ السلام) کے گرد جمع ہو کر اس کے اس مؤخر نام پر اظہار فخر و مباہات کرتے نظر آتے ہیں جو ان کے ایک بزرگ ساسان کی وہاں زمزمہ سرائی کی بناء پر اس نام سے مشہور ہوا۔ اسی نسبت کی بنیاد پر قدیم زمانے کا ایک شاعر کہتا ہے :-

(سمجھو کہ) زمزم پر فارس نے نغمہ سرائی کی — کیونکہ وہ اہل فارس کے اسلاف میں سے تھا جس نے اس عمل کا آغاز کیا

(ترجمۂ تشریحی)

فارس کے بعض شعراء نے ظہور اسلام کے بعد بھی اُس پر فخر کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ایک ایرانی شاعر کہتا ہے :-

"ہم نے پہلے بھی حج بیت اللہ کیا تھا — ایمان لانے کے بعد بھی ہم اہل بطحا کو عزیز رکھتے ہیں
ساسان بن بابک مکہ آیا تھا، — اس نے تعظیماً بیت اللہ کا طواف کیا تھا
اس نے بئر اسماعیل پر نغمہ سرائی کی تھی — جس سے ہم (آج بھی) سیراب ہوتے ہیں"

آج کے دور گزشتہ تک اہل فارس بیت اللہ کے لیے بطور ہدیہ مال و دولت اور زر و جواہر بھیجا کرتے تھے۔ ساسان بن بابک نے تو اس کے لیے سونے سے بنے ہوئے دو ہرن، بے حد زر و جواہر، تلواریں اور بڑی کثیر مقدار میں سونا بھیجا تھا جسے زمزم میں دفن کر دیا گیا تھا۔

کچھ مؤرخین اور کتب سیر کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ اہل فارس جب تک مکہ آتے جاتے رہے وہ خانہ کعبہ اور وہاں کے دیگر متبرک مقامات کے لیے تحائف اور نذریں لازماً لے جاتے رہے۔ ہم اس کتاب میں آگے چل کر بیان کریں گے کہ عبدالمطلب نے ساسان بن بابک کی پیش کردہ

تلواروں اور دوسری چیزوں کا جو زمزم میں دفن کر دی گئی تھیں کیا گیا۔

ہم نے فارس کے انساب اور ان کے بارے میں اہل فارس کے جو نزاعی و اختلافی اقوال ہیں انہیں ضروری تفصیلات اور شرح و بسط کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا ہے تاکہ ان پر اہل ذوق و شرف تحقیق کنندگان ان سے استفادے کے ساتھ ساتھ مزید تحقیق کی طرف متوجہ ہو سکیں۔

فارس کا دورِ ثانی اور ملوک ساسانیہ

ملوک ساسانیہ انھیں کو کہا جاتا ہے جو ساسان بن بابک کی نسل سے تھے اور جنہوں نے فارس کے دورِ ثانی میں وہاں حکومت کی۔

اردشیر بن بابک شاہ

اردشیر بن بابک شاہ ان بادشاہوں کے سلسلۂ انساب میں پہلا بادشاہ تھا جسے ہم گذشتہ باب میں بیان کر چکے ہیں۔ اس کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

"اردشیر بن بابک شاہ بن ساسان بن بہمن ابن اسفندیار بن یستاسف بن بہراسف" اسے ہم بہراسف کے سلسلۂ نسب میں بھی درج کر چکے ہیں لیکن بعض مؤرخ اردشیر کا شجرۂ نسب جو بتاتے ہیں وہ درج ذیل ہے

"اردشیر بن بابک بن ساسان الاصغر بن بابک ابن ساسان بن بابک بن مہرمس بن ساسان بن بہمن بن اسفندیار بن یستاسف بن بہراسف" لیکن اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اردشیر منوچہر کی اولاد میں سے تھا اور جس کے بقول اسی کے دم سے آج تک صحیح مسئلہ ملوکیت برقرار ہے اور یہ کہ اسی نے اردوان کو قتل کر کے ملوک الطوائف سے ملک کو نجات دلائی اور تاج شاہی اپنے سر پر سجایا تھا، نیز اپنے سلسلہ نسب میں تاج کو زیب سر کرنے کی رسم اسی نے شروع کی تھی۔ سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد جو تقریر اس نے کی وہ یہ ہے:۔

"اس خدائے پاک کا شکر ہے جس نے اپنی نعمتوں سے نوازنے میں ہمیں امتیاز بخشا، ان کے فوائد کی تقسیم میں ہمیں شامل کیا اور شہر در شہر ہماری سکونت کے لیے گہوارے بنائے۔ اسی نے ہماری اطاعت پر اپنے دوسرے بندوں کو مائل کیا اور حکومت کے سلسلے میں ہماری فضیلت کو دور و نزدیک عام کیا۔

ہم صدق دل سے اس کے ان کرمہائے بے پایاں کے شکر گزار ہیں اور میں اعلان کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ میں نظام عدل کے قیام کی حتی الامکان کوشش کروں گا، "بلاد" اور آثار کو تقویت دینے کی بھی سعی امکانی کروں گا، عوام کے معیار حیات کو بلند کرنے کی طرف توجہ دوں گا، جو طوائف الملوکی ہمارے ملک

میں عام ہو گئی تھی اس کا قطعاً سدِ باب کروں گا اور جو لیستیاں اس کی وجہ سے خرابیوں میں تبدیل ہو گئی ہیں اس کے فضل و کرم سے انہیں از سرِ نو تعمیر کروں گا۔ آپ لوگ مطمئن ہو جائیں کہ میں انشاء اللہ عدل انصاف کو عام کروں گا اور ضعیف و قوی اور چھوٹے بڑے کا فرق مٹا کر چھوڑوں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ انشاء اللہ آپ لوگ بھی میرے قول و عمل میں یکسانیت کی تصدیق کریں گے، والسلام۔"

اردشیر اپنے سلسلۂ نسب میں فارس کا پہلا حکمران تھا جس نے اپنے ملک میں قدیم طبقاتی تقسیم کو از سرِ نو مرتب کیا۔ پہلا طبقہ اس کے درباری عالموں، دانشوروں اور مملکت کے مشیروں کا تھا، دُوسرا طبقہ ملک کے مختلف صدر مقامات پر گورنروں اور سرحدی شہروں کے حاکموں اور نگران افراد پر مشتمل تھا۔ تیسرے طبقے میں وہ لوگ شامل تھے جو اس کے دربار میں شریفانہ انداز کے ساتھ تفریحات و تفننِ طبع کا سامان فراہم کرتے تھے۔ اس طبقے میں خسیس الاصل لوگوں کی گنجائش نہ تھی نہ اس میں ان لوگوں کی کوئی گنجائش تھی جو حد درجہ طویل القامت یا کوتاہ قامت ہونے کی بناء پر یا صورتیں بگاڑ بگاڑ کر اور اعضاء و جوارح کے نقائص کو نمایاں کر کے تفننِ طبع کا سامان فراہم کرنے پر قادر اور اس فن میں شہرت رکھتے تھے۔

اردشیر کا قول تھا کہ شرافت و نجابت سے معاشرہ سنورتا اور نکھرتا ہے جب کہ خست و دنایت سے اس کی فضیلت کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں ہوا کی مثال دے کر کہتا تھا کہ اگر ہوا گندہ و کثیف مقامات سے ہو کر گزرے تو سارے ماحول کو گندہ و کثیف بنا دیتی ہے جب کہ صاف و پاکیزہ اور خوشبودار جگہوں سے گزر کر اطراف و جوانب کے ماحول کو پُر فضا، خوشگوار اور مفرح کر دیتی ہے۔ اسی طرح معاشرے میں اسفل و ارذل لوگوں کی شمولیت سے سارا معاشرہ ارذل و اسفل ہو جاتا ہے اور بالکل اسی طرح اس میں کچھ لوگوں کے فسادِ عقل کی وجہ سے پورا معاشرہ فسادِ عقل میں مبتلا ہو جاتا ہے بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی اپنے فسادِ عقل کی بناء پر انتشار و افتراق کا سبب بنتا ہے۔

اردشیر ہی کا قول ہے کہ بادشاہ کے لیے لازم ہے کہ عدل و انصاف کے ذریعہ لوگوں کو فیض پہنچائے کیونکہ عدل و انصاف ہی وہ مضبوط قلعہ ہے جو مملکت کو تباہی و بربادی سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو اقوام عدل و انصاف اور آداب کو اخلاق کا دامن چھوڑتی ہیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ بزرگوں کی سفیہانہ ظرافت سے بچنا چاہیے۔ بادشاہوں کے مصاحبین صورت و شکل کے لحاظ سے سرور بخش اور مہذب و مؤدب ہوں، لباس صاف ستھرا رکھتے ہوں جس سے دوسروں کی نگاہیں مسرت و اہتزاز محسوس کریں، آدابِ گفتگو اور اس کے موقع و محل سے پوری واقفیت رکھتے ہوں، اشاروں کنایوں کو سمجھیں اور اپنے جمال

رنج اور اخلاق جمیل سے نیز وقار اور رکھ رکھاؤ سے حکمران کے ضمیر کو مطمئن اور اس کے احساسات کو متوازن رکھ سکیں۔ وہ ایسے نہ ہوں کہ اپنی دنایت طبع اور سخافت و ذالت مزاج سے اہل مجلس کو بدمزہ کر دیں۔

مراتب اردشیر نے اپنی حکومت کے عہدہ داروں کے سات مراتب یا درجے مقرر کیے تھے۔ ان میں پہلا درجہ وزیروں کا تھا، دوسرا درجہ ان علماء کا جو دینی امور میں فیصلہ دے سکیں اور ان میں قاضی القضاۃ بھی ہوتا تھا۔ انہیں علماء اور ان کے اسی سربراہ کے فیصلوں اور احکام سے ساری مملکت کے مذہبی معاملات طے ہوتے تھے۔ انہیں اس نے اپنی مملکت کے مشرقی و مغربی اور شمالی وجنوبی حصوں میں اسی مقصد کے لیے مقرر کر رکھا تھا۔ انہیں سے وہ مجموعی طور پر صلاح و تدبیر مملکت کا کام لیتا تھا۔ مذکورہ بالا دو مراتب کے تحت دوسرے پانچ درجے تھے جو مرزبان وغیرہ کہلاتے تھے۔ اس کے دربار میں موسیقاروں تک کو حسب مراتب جگہ ملتی تھی جو صرف اپنے اظہار کمال کی بنیاد پر نیچے سے اوپر کے درجوں میں ترقی پاتے تھے۔

ملوک ساسانیہ میں اردشیر کے زمانے سے لے کر بہرام گور سے قبل کسی نے اس کے تشکیل دادہ نظام حکومت طبقات علمائے دین، مراتب فلاسفہ و حکماء آتشکدوں، زہاد و عباد کے مساکن اور حکومت کے عہدہ داروں کے مدارج وغیرہ میں کوئی ردّ و بدل نہیں کیا لیکن بہرام گور نے نہ صرف ان میں سے ہر ایک کو تہ و بالا کیا بلکہ موسیقاروں کے درجات کو بھی اُلٹ پلٹ کر کے نیچے والوں کو بالائی درجات بخش دیے اور اُوپر والوں کو نیچے لا ڈالا لیکن جب کسریٰ نوشیروان تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اس نے اردشیر کے قائم کردہ ہر شعبے کے نظام کو اسی کے ترتیب دادہ اصولوں پر بحال کیا حتیٰ کہ ماہرین موسیقی کے مراتب بھی اردشیر کے مقرر کردہ مراتب کی نوعیت پر از سر نو بحال کر دیے جب کہ بہرام گور نے اردشیر بن بابک کے تشکیل کردہ سات درجات کو بڑھا کر بیس کر دیا تھا اور ان کے بیچ میں بھی کئی شعبے جو مفید خلائق نہ تھے بڑھا دیے تھے بلکہ اپنے مشیروں، ندیموں اور مصاحبین میں رقاص اور مطرب داخل کر لیے تھے۔ اس کے مشیر نجومی تھے جو گردش نجوم کے مطابق اسے مشورے دیتے تھے۔ مثلاً فلاں شخص کو قتل کر دیا جائے اور فلاں کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ سب وہی روایات تھیں جنہیں بنو امیہ اور بنو عباس میں ازمنۂ اولیٰ کے حکمرانوں نے اپنے اپنے عہد حکومت میں از سر نو تازہ کر کے رواج دیا تھا۔ بہر کیف نوشیروان (عادل) نے حکومت سنبھالتے ہی ان سب خرافات کو یک لخت موقوف کر دیا تھا۔ اردشیر بن بابک کا عہد حکومت جس نے تعمیری کاموں، آبادکاری، صحیح نظام حکومت اور سیاسی نظام قائم کرنے نیز عدل و انصاف میں شہرت پائی تھی مدتوں لوگوں میں یادگار بنا رہا۔

اردشیر کا زہد

اردشیر بن بابک مذکورہ بالا باتوں کے علاوہ زہد و تقویٰ اور عبادت گزاری میں بھی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے ہر شخص کو اس کے حسب مرتبہ نوازا تھا۔ اس کے بیٹے "سابور" نے نوشیرواں سے پہلے اپنے باپ کے طریقِ عمل کی پابندی کی تھی لیکن اس سے قبل اردشیر نے بارہ سال مسلسل ملوک الطوائف سے جنگ کر کے انہیں زیر کر لیا تھا جس سے دوسرے سرکش و باغی حکمران بھی اس کے اطاعت گزار بن گئے تھے۔ اس نے سب سے پہلے اردوان کو قتل کیا تھا اور سب سے آخر میں ایک نام نہاد نبطی بادشاہ کو تہ تیغ کیا تھا جو عراق میں قصر بن ہبیرہ کے مقام پر اپنی جگہ بادشاہ بن بیٹھا تھا اور اس نے اپنے آپ کو شہنشاہ مشہور کر رکھا تھا۔ اس کا نام بابا بن بردینا تھا۔

اُردشیر کے جدِ امجد ساسان کی ماں بنی اسرائیل کے شرفاء میں سے تھی۔ خود اردشیر نے افلاطون کے استاد سقراط اور افلاطون کے معتقدات اختیار کر رکھے تھے۔ وہ اپنے زُہد، تزکیہ نفس، پاکیزہ روی و پرہیز گاری کی وجہ سے اپنی رعایا اور اپنی آل اولاد میں "بشیر"[1] مشہور تھا۔

چونکہ ہم نے اردشیر کی محاربات، اس کی فتوحات اور دیگر حالات و کوائف اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں بالتفصیل بیان کر دیے ہیں اور اس کے علاوہ خود اردشیر کی اپنی تحریر کردہ کتاب "الکرنامج" میں یہ سب باتیں تفصیل سے آ گئی ہیں، اس لیے ہم نے اپنی زیرِ نظر کتاب میں ان کے بارے میں مزید تفصیلات میں جانے سے عمداً گریز کیا ہے۔

اردشیر کی وصیتیں اور کتابیں

اردشیر کی ایک کتاب کا ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس کا بیٹا سابور جب بادشاہ ہوا تو اسے اپنے باپ کی وہ وصیتیں اور کچھ مکاتیب جو محفوظ تھے ملے۔ اردشیر نے اپنے بیٹے سابور کو جو خصوصی وصیت کی تھی وہ درج ذیل ہے:۔

"اے بیٹے! یاد رکھ کہ دین اور ملک دو بھائی ہیں۔ کسی بادشاہ کے لیے ان میں سے کسی کے ساتھ بے نیازی کا برتاؤ کرنا ممکن نہیں کیونکہ دین ملک کی اساس ہوتا ہے اور ملک دین کا محافظ، جس ملک کی اساس نہ ہو وہ منہدم ہو جاتا ہے اور جس چیز کا کوئی محافظ نہ ہو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔"

اردشیر کے جو مکاتیب محفوظ رہ گئے وہ درج ذیل احکام و نصائح پر مشتمل ہیں اس نے اپنی رعایا کے سربرآوردہ لوگوں اور اپنے عُمّال کو اکثر لکھا:۔

---

[1] بُرائی سے معرّا، نیکی کا پتلا (مترجم)

"ملک الملوک (شہنشاہ) اردشیر بن بہمن کی طرف سے ان لوگوں کی جانب جن کے سپرد ملکی انتظامات ہیں، ان فقہاء کی جانب جو مذہب کے ستون ہیں، ان سرداران عساکر کی طرف جو محاربات کے موقع و محل کو سمجھنے اور ان پر عبور رکھتے ہیں اور ان لوگوں کی جانب جو ملکی تعمیر کے ذمہ دار ہیں تم پر سلامتی ہو، واضح رہے کہ ہمارا انشمار اب نیک بندوں میں ہوتا ہے ہم نے اپنی رعایا کے بہت سے امور کو اپنی نیکی اور اپنے (خداداد) عروج ہی کی بناء پر ترقی دی ہے۔

اب ہم تمہیں بطور نصیحت وصیت جو کچھ لکھ رہے ہیں اسے گرہ میں باندھ لو۔ آپس میں کبھی تفرقہ اندازی نہ کرو کیونکہ اس کی وجہ سے دشمن تم پر غالب آجائیں گے۔ اخراجات میں حد سے نہ گزرو ورنہ تنگ دست ہو جاؤ گے۔ مسافروں کو پناہ دو اور ان کی مدد کرو جس کا اجر تمہیں آخرت میں ملے گا۔ ازدواجی سلسلہ اپنے عزیز و اقارب ہی میں قائم رکھو کیونکہ وہ نسبی لحاظ سے تم سے قریب تر اور اس کے مستحق ہیں۔ دنیا ہی کے نہ ہو رہو کیونکہ دنیا کسی کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتی نہ اسے ترک کرو کیونکہ وہ زندگی کے لیے ہی ناگزیر نہیں بلکہ دنیاوی اعمال ہی آخرت میں وسیلۂ نجات بنیں گے۔"

اردشیر نے اپنے بعض عمّال کو یہ بھی لکھا:۔

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم رعب داب کے مقابلے میں (غیر ضروری) نرمی کو ترجیح دیتے ہو، جرأت کے موقع پر بزدلی دکھاتے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ پہلے ہیبت کا اظہار کرو اور پھر (ضروری سمجھو تو) نرمی برتو یعنی پہلے سختی پھر نرمی۔ دل کو ہیبت سے کبھی خالی نہ ہونے دو نہ محبت کو تعطل میں ڈالو۔ جو کچھ میں نے تمہیں لکھا ہے اسے جبری حکم یا استبداد نہ سمجھو بلکہ نصیحت و وصیت جانو۔ سمجھ لو کہ سختی و نرمی دونوں ہمسایہ ہیں اور تمہیں ان دونوں میں سے کسی سے مفر نہیں۔"

سابور

اردشیر کے بعد اس کا بیٹا سابور اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت ۳۳ سال رہی۔ اس دوران میں ملوک عالم کے ساتھ اس کی متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ ویسے اس نے بھی بہت سے قلعے تعمیر کیے، شہر آباد کیے اور بستیاں بسائیں جو اس کے اسلاف کی طرح اسی کے نام سے منسوب ہوئے۔ اہل عرب نے اسے "سابور الجند" کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ مانی نے اسی کے زمانے میں شہرت پائی تھی۔ اس نے کچھ ایسے آیات و علامات پیش کیے کہ سابور نے مجوسیت چھوڑ کر اس کا یعنی مانی کا مذہب اختیار کر لیا اور کہا کہ وہ ظلمت سے نور اور بندش سے بریت کی

طرف لوٹ آیا۔" لیکن کچھ عرصہ بعد وہ پھر مجوسیت کی طرف پلٹ گیا اور مانی ان اسباب کی بناء پر جن کا ذکر ہم اپنی سابقہ کتابوں میں کر چکے ہیں فارس سے ہندوستان چلا گیا۔

قیصر اور سابور کے درمیان مراسلت

ایک دفعہ قیصر روم نے سابور بن اردشیر کو لکھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی سیاست کا محور آپ کی افواج ہیں، آپ کے ماتحتوں نے نظام حکومت کو نظم وضبط کے ساتھ درست کر رکھا ہے، اہل مملکت کی سلامتی کے لیے آپ نے کچھ خاص تدابیر کی ہیں، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے ان سب باتوں کے بارے میں وضاحت کے ساتھ مطلع فرمائیں تاکہ میں بھی اپنی مملکت کی فلاح وبہبود کے لیے آپ کے وضع کردہ اصولوں پہ کاربند ہو سکوں۔"

سابور نے قیصر کو جواباً لکھا "میں نے اس سلسلے میں اپنی مملکت میں آٹھ باتوں کی پابندی کو لازمی قرار دے رکھا ہے جو یہ ہیں: " اوامر ونواہی میں مضحکہ خیزی کو دخل نہیں ہونا چاہیے، وعدہ و وعید کی خلاف ورزی قطعاً نہ ہو، جنگ امن وامان کی بحالی کے لیے ہو، کسی لالچ کے تحت نہ ہو، رعایا کے دل بغیر اکراہ آپ کی مٹھی میں آنا چاہئیں، کوئی شخص آپ کے تشدد کی وجہ سے خوف میں مبتلا نہ ہو، سزا جرم پر ملنی چاہیے، اس کی بنیاد صرف آپ کا غیض وغضب نہ ہو اور طاقت کا استعمال عموماً باکار و برمحل ہو فضول نہ ہو۔"

کہتے ہیں کہ سابور نے اپنے بعض عمال کو یہ لکھا "میں نے جب بھی کسی شخص کو کسی عہدے کی ذمہ داری سونپی تو اس کی ضروریات زندگی اور معاش کی ذمہ داری اپنے اوپر عائد کی، اس کے عہدے کا محل استعمال صرف عوام کی فلاح و بہبود قرار دیا۔ اسے ہر موقع پر حسن تدبیر سے کام لینے کی ہدایت کی، اسے یہ بھی ہدایت کی کہ .... وہ عوامی محصولات کو حد سے نہ بڑھنے دے اور اپنے ذاتی اخراجات میں بھی اسی ہدایت پر عمل کرے، رعایا کو تشدد کے بغیر حسنِ تدبیر سے اپنی اطاعت کا پابند رکھے۔ کسی کو صرف سزا کی وجہ سے خوف میں مبتلا نہ رکھے، طبقۂ امراء کو حسنِ تدبیر سے اس طرف مائل و متوجہ کرے کہ وہ اپنی دولت کو اپنے ذاتی مفادات وخواہشات تک محدود نہ رکھے بلکہ عوامی فلاح وبہبود کے لیے اس کے صرف کو مقدم سمجھے اور اپنے فائدے کے لیے اس کے انکار پر مائل نہ ہو۔ رعایا کو اپنے احکام کی پابندی وبجا آوری پر قائم رکھنے میں اس عہدہ دار کی کوئی ذاتی غرض شامل نہ ہو، اگر کوئی شخص اس کے جائز احکام کی بجا آوری سے روگردانی کرے تو پہلے زبانی اتمام حجت کرے جس کے بعد اسے اس شخص کو از روئے قانون سزا دینے کا اختیار ہوگا لہٰذا تمہارے لیے بھی ان جملہ

مشوروں اور ہدایات کی پابندی لازم ہے۔" والسلام۔

کہا جاتا ہے کہ سابور نے اپنے بیٹے ہرمز اور اس کے جانشینوں کے لیے یہ نصیحتیں لکھوائی تھیں:۔

"خطرات کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے علوئے اخلاق کا بھی خیال رکھو اور اسے بلند سے بلند تر کرنے کے لیے کوشاں رہو۔ اپنی مہمات کی طرح اپنی نوازشات کی زیادتی پر بھی برابر توجہ دیتے رہو اور اپنی جملہ مساعی کو اپنے اجداد کی مساعی جمیلہ کی طرح برقرار رکھو۔"

کہتے ہیں کہ سابور کا دورِ حکومت ساڑھے اکتیس سال اور اٹھارہ دن پر محیط ہے۔

ہرمز سابور کے بعد اس کا بیٹا ہرمز جانشین ہوا، اس کا دورِ حکومت صرف ایک سال بتایا جاتا ہے لیکن کچھ لوگوں کے مطابق اس کی حکومت بائیس مہینے رہی۔ قلعہ اہواز اور رام ہرمز کا شہر اسی کی تعمیر کردہ یادگاریں ہیں۔

ہرمز نے اپنے بعض حکام کو لکھا تھا:۔

"سرحدوں کے تحفظ، لشکروں کی تنظیم، امورِ سلطنت کے لیے تدابیر اور ان کی اصلاح کی صلاحیت و اہلیت صرف اسی شخص میں ہوتی ہے جس کے خصائل میں یہ پانچ باتیں لازمی طور پر موجود ہوں۔ ان میں سے پہلی یہ ہے کہ وہ اپنے احکام میں ان کے مواقع اجرا کے ساتھ اپنے دل میں حزم و تیقن کا خاص خیال رکھے، دوسری بات یہ ہے کہ وہ اپنے اوقات فرصت کے علاوہ امور مملکت میں مشکلات کے وقت ہمت و جرأت کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہو، تیسری بات یہ ہے کہ مسلسل مشکلات کا سامنا ہونے پر اس کی جرأت و ہمت میں کمی نہ آئے، چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنے مواعید میں خلاف ورزی کا خیال تک نہ آنے دے اور وعید کے سلسلے میں وثوق و تیقن کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دے، پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ وہ نوازشات اور مستحقین کو ان کے حقوق کی ادائیگی میں حسنِ تدبیر پر خصوصی توجہ دے سکے۔"

بہرام ہرمز کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن ہرمز اس کا جانشین ہوا۔ اس کا دورِ حکومت تین سال رہا جس کے دوران میں مشرقی حکمرانوں کے ساتھ اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔

جیسا کہ ہم زیرِ نظر کتاب میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مانی بن یزید نے جو قادرونؔ کا شاگرد تھا ہرمز کو اپنا مذہب قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اس نے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ اسی طرح بہرام نے

لہ بعض نسخوں میں "مانی بن فدیک غمبذ ماردون" لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

بھی مانی کا مذہب اختیار کر لیا تھا اور اپنے مصاحبین کے علاوہ مملکت کے دوسرے عہدہ داروں کو اس کی شہر در شہر اشاعت و ترویج کے احکام صادر کیے تھے تاکہ فارس کے تمام باشندے اس کا اختیار کردہ وہ ثانوی مذہب اختیار کر لیں۔ اس پر اس کے مصاحبین اور امرائے مملکت نے اسے قتل کر دیا اور مانی کے زمانے ہی میں اسے زندیق کہا اور اس کے پیش کردہ مذہب کو زندقہ کا نام دیا۔ اس مذہب کے پیرو بعد میں زنادقہ کہلائے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فارس کے باشندے زرتشت کا پیش کردہ مذہب پہلے ہی اختیار کر چکے تھے۔ زرتشت کا نسب نامہ (شجرہ) ہم اپنی اس کتاب میں مذہب زرتشت کی کتابوں کے حوالے سے پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اور یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ زرتشت کی مذہبی کتاب بستاہ تھی جس کی شرح زند[1] اور پھر اس کی شرح الشرح بازند[2] لکھی گئی۔ ان دونوں کتابوں میں زرتشت کے دعوائے تنزیل کے برعکس اس مذہب کی تاویلات و زناویلات پیش کی گئی ہیں۔ اس مذہب کو فارس میں زند اور اس کے ماننے والوں کو زندی کہتے تھے۔ عربی زبان میں یہ الفاظ ترتیب وار زندیق اور زنادقہ فارسی ہی کے تتبع میں بولے اور لکھے گئے اور اب تک عربی ممالک بلکہ ساری دنیا میں مذکورہ مذہب کے سلسلے میں یہی دو لفظ مشہور چلے آتے ہیں۔

بہرام بن بہرام بہرام کے بعد اسی نام کا دوسرا بادشاہ بہرام بن بہرام فارس کا بادشاہ ہوا اور اس کا دورِ حکومت سترہ سال رہا جسے بعض لوگوں نے کم و بیش بھی لکھا ہے۔ وہ اپنی نسل کا پہلا بادشاہ تھا جس نے دن رات عیش و عشرت، تفریحات اور سیر و شکار میں بسر کیے۔ اس نے امورِ مملکت کا بھولے سے بھی خیال نہ کیا اور حکومت کے سارے کام درباری امرا، مصاحبین اور اپنے حاشیہ برداروں پر چھوڑ دیے جس کے نتیجے میں سارا ملک زوال کی زد میں آ گیا، شہر اُجڑ گئے، بستیاں ویران ہو گئیں، بڑی بڑی خوشنما عمارتیں زمین بوس ہو گئیں اور جو خال خال کہیں رہ بھی گئیں وہ کھنڈرات کا نمونہ پیش کرنے لگیں۔ کہتے ہیں کہ ایک روز وہ شکار گاہ میں تھا جہاں قرب و جوار کی ساری عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئی تھیں۔ انہیں میں سے ایک قریب ترین عمارت کے کھنڈر پر رات کے وقت اُلوؤں کا ایک جوڑا بیٹھا بول رہا تھا۔ بہرام نے دادِ عیش و طرب دیتے دیتے کان کھڑے کیے، ان کی عجیب و غریب آوازوں پر چونکا اور حاضرین سے پوچھا:۔

---

[1]، [2] یہاں یہ دونوں معرب لفظ لکھے گئے ہیں جو ایران میں اب بھی علی الترتیب زند و پازند بولے اور لکھے جاتے ہیں ہر چند کہ "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی" فارسی ہی کا جملہ ہے (شادانی)

"یہ پرندے کیا بول رہے ہیں ؟"

حاضرین بولے: "جہاں پناہ! ہم تو پرندوں کی بولیاں سمجھنے سے قاصر ہیں البتہ یہاں سے قریب ایک جگہ کسی خدا رسیدہ بزرگ نے جھونپڑی ڈال رکھی اور وہ غالباً اس وقت بھی وہیں ہوگا، اسے بلا کر دریافت کیا جائے تو یقیناً معلوم ہو سکے گا کہ یہ پرندے اپنی بولی میں کیا کہہ رہے ہیں؟"

جملہ حاضرین کی زبان سے جب بہرام نے یہی ایک جواب سُنا تو فوراً اس تارک الدنیا شخص کو حاضری کا حکم دیا۔ چنانچہ کچھ لوگ گئے اور خوشامد درآمد کے بعد اس درویش کو بلا لائے۔ بہرام نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"دو پرندے ایک قریبی کھنڈر پر بیٹھے بڑی دیر سے کچھ بولے چلے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

تارک الدنیا درویش نے جو واقعی کوئی خدا رسیدہ بزرگ تھا جواب دیا۔

"میرے معبود نے اپنے فضل و کرم سے مجھے پرندوں کی بولیاں سمجھنے کا ملکہ بخشا ہے....."

بہرام نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا: "تو مجھے فوراً بتاؤ کہ یہ پرندے اتنی دیر سے کیا باتیں کر رہے ہیں؟"

وہ بزرگ شخص بولا: "یہ پرندے دو نوجوان اُلّو ہیں، ان میں ایک نر ہے اور ایک مادہ۔ اور ان کی گفتگو کا موضوع اتنی دیر سے غالباً ایک ہی ہے جس پر وہ ابھی تک آپس میں بات چیت کر رہے ہیں۔"

بہرام نے پوچھا: "ان کا موضوع گفتگو کیا ہے۔"

اس شخص نے جواب دیا: "ان میں سے جو نر ہے اپنے قریب بیٹھی ہوئی مادہ سے شادی کی درخواست کر رہا ہے لیکن وہ اب تک بس ایک ہی شرط پر اصرار کیے جا رہی ہے۔"

بہرام نے پوچھا: "وہ شرط کیا ہے جس پر اسے اتنا شدید اصرار ہے؟"

درویش نے جواب دیا: "نوجوان مادہ کی شرط یہ ہے کہ اسے شادی سے پہلے کم سے کم دس ویرانے دیے جائیں اور وہ اب تک اسی پر اصرار کر رہی ہے؟"

بہرام نے دریافت کیا: "اور یہ نوجوان نر کیا کہتا ہے؟"

درویش بولا: "یہ نوجوان نر بار بار کہہ رہا ہے کہ فی الحال دس سے کچھ کم ویرانے قبول کر لو پھر آگے اور مانگ لینا کیونکہ اگر ہمارا یہ خوش نصیب عیش کوش بادشاہ جودات کے اس پچھلے پہر بھی قریبی شکار گاہ

میں عیش و طرب اور رقص و سرود کی محفل جمائے داد عیش دے رہا ہے کچھ عرصے اور تخت سلطنت پہ متمکن رہا تو دس کیا میرے لیے اس سے دس گنا ویرانے بھی فراہم کرنا کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ بھی یاد رکھو کہ شادی کے بعد ہمارے اولاد بھی کثرت سے ہوگی لیکن تم گھبراؤ نہیں کیونکہ اس نیک بخت بادشاہ کے دور حکومت میں ویرانوں کی تعداد بھی رات دن بڑھتی ہی جائے گی، تو کیا میں پھر تمہیں اور اپنے بچوں کو سو سے زیادہ ویرانے نہ دے سکوں گا؟"

بہرام جو اپنے باپ سے وراثت میں پائے ہوئے ملک کو سرسبز و شاداب، خزانوں کو معمور اور اور رعایا کو شاد و آباد دیکھ کر عیش کوشی کی طرف مائل اور امور مملکت سے غافل ہو گیا تھا اتنا کند ذہن یا غبی نہ تھا کہ اس بے لوث اور مخلص خدا رسیدہ بزرگ کی علامتی گفتگو کو نہ سمجھ سکتا۔ وہ اس کے پُر معنی اور دُور رس جوابات سُن کر کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا:۔

"اچھا تو آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔"

یہ سُن کر وہ بزرگ خوش ہو گیا اور بڑے مخلصانہ مگر مصلحت وقت کے پیش نظر نہایت نرم لہجے میں یوں گویا ہوا:۔

"عالی جاہ! حضور کی فہم و دانش کسی سے کم نہیں ہے، آپ مجھ سے بہتر اس بات کو سمجھ سکتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی ملک کا فرمانروا امور مملکت سے غافل ہو کر عیش و عشرت میں پڑ جائے تو ملک تباہ و برباد اور رعایا اقتصادی طور پہ زبوں حال ہو جاتی ہے، آبادیاں اُجڑنے لگتی ہیں، ان کے باشندے آباد و خوش حال ممالک کا رُخ کرنے لگتے ہیں، اس لیے ملکی صنعتیں بھی ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ مکمل تباہی کے کنارے آ لگتا ہے اور جب یہ حال ہو تو ملکی محاصل قریب قریب ختم اور شاہی خزانے خالی ہو جاتے ہیں پھر لشکر کو بدنظمی، سرحدوں کو غیر محفوظ اور رعایا کو سرکش اور مائل بہ فساد ہونے سے کون روک سکتا ہے اور کس طرح روکا جا سکتا ہے؟ نتیجہ ظاہر ہے۔ ان جملہ باتوں پہ از سر نو غور اور امور مملکت پہ ذاتی توجہ فرمائیے، میری مؤدبانہ اور مخلصانہ نصیحت اور کچھ نہیں ہے۔"

اس مخلص، بے لوث خدا رسیدہ بزرگ کی ان گراں قدر باتوں نے بدمست و عیش کوش بادشاہ بہرام کو خواب غفلت سے اچانک چونکا کر پوری طرح بیدار کر دیا۔ اس نے اس بزرگ کا جو اس کے لیے لاریب کوئی فرشتۂ غیبی بن کر آیا تھا شکریہ ادا کیا اور شکارگاہ سے اسی وقت دار الحکومت کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔

اس عجیب و غریب واقعے کے بعد وہ واقعی امور مملکت کی طرف ذاتی توجہ دینے لگا، اس نے

حکومت کے جملہ اہم کام اپنے ہاتھ میں لے لیے اور پھر دیکھتے دیکھتے ویرانے شہروں میں اور کھنڈرات خوشنما عمارتوں میں تبدیل ہوتے چلے گئے، ملک پہلے کی طرح سرسبز و شاداب اور رعایا شاد و آباد نظر آنے لگی کیونکہ اس پر پھر وہی نوازشیں تھیں اور اس کے لیے عدل و انصاف کی وہی فراوانی۔

ملوک فارس کا آخری سلسلہ

مذکورہ بالا بہرام شاہ کے بعد اس کا اسی نام کا بیٹا بہرام بن بہرام تخت حکومت پر بیٹھا اور اس کے وقتِ ہلاکت تک اس کی مدت حکومت چار سال چار مہینے رہی۔اس کے بعد نرسی بن بہرام شاہ بن بہرام البطل بادشاہ ہوا جس نے سات سال حکومت کی۔بعض لوگوں نے یہ مدت ساڑھے سات سال بتائی ہے۔اس کے بعد ہرمز بن نرسی بن بہرام نے حکومت سنبھالی جس کا ذکر ہم ملوکِ فارس کے سلسلۂ انساب کے تحت پہلے کر چکے ہیں۔اس کا دورِ حکومت سات سال پانچ مہینے رہا۔ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ نے بھی عمر کسریٰ کے حوالے سے وہی لکھا ہے جو ملوکِ فارس کے بارے میں اس بادشاہ کے وقت تک ہم نے لکھا۔یہ بادشاہ ہرمز بن نرسی تھا، اسی کے زمانے میں لوگ خوزستان سے جوق در جوق آ کر چھاؤنی نیسابور میں آباد ہو گئے تھے یعقوب بن لیث الصفار نے بھی ملوک ساسانیہ کی طرح یہاں آ کر قیام کیا تھا۔اس کا ذکر ہم خلیفہ معتمد کے حالات کے تحت آگے چل کر کریں گے اور بتائیں گے کہ اس نے اس جگہ کب تک قیام کیا اور یہیں کب وفات پائی۔

سابور ذوالاکتاف

ہرمز بن نرسی کے بعد اس کا بیٹا سابور ابن ہرمز بادشاہ ہوا جسے عموماً سابور ذوالاکتاف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کی ہلاکت کے وقت تک ملوک فارس کے اس آخری سلسلہ حکومت کو بہتر سال گزر چکے تھے۔سابور ذوالاکتاف کا بیٹا ابھی شکم مادر میں تھا کہ عربوں نے نواحِ عراق پر غلبہ حاصل کر لیا اور حسنِ تدبیر سے وہاں اپنی حکومت قائم کر لی جن عربوں نے نواحِ عراق پر غلبہ حاصل کر کے وہاں حکومت قائم کی تھی ان کا سربراہ ایاد بن نزار تھا جسے "طبق" کہا جاتا ہے حالانکہ طبقات بلاد پر اس کا کوئی خاص اثر نہ تھا۔بہرکیف اس عراقی حصے کا حکمران آجکل حارث بن اعز الایادی ہے۔ابھی سابور کی عمر سولہ سال ہی ہوئی تھی کہ اس کے کچھ لوگ بغاوت پر آمادہ ہو کر عراق کے مذکورہ بالا حصے میں عربوں سے جا ملے تھے۔ایاد اس وقت عراق کے ایک متصل علاقے جزیرہ میں تھا۔اسی زمانے میں ایک شخص مسمی لقیط سابور کی قید میں تھا۔اس نے ایاد کو لوگوں میں سابور کے خلاف جذبۂ بغاوت کی اطلاع دی۔یہ اطلاع عربی اشعار میں تھی اور ان میں اس قدر ابہام تھا کہ وہ عربی خواں اہل فارس کے لیے بھی ناقابل فہم تھے۔بہرکیف یہ اطلاع ملتے ہی ایادِ فارس کے مقبوضہ عراقی علاقوں پر چڑھ آیا اور سابور کو وہ علاقے جو اکناف عرب یعنی عرب کے قریبی علاقے

کہلاتے تھے خالی کرنا پڑے۔ سابور کو انھیں اکناف عرب کی فتوحات کی بناء پر سابور ذوالاکناف کہا جاتا تھا۔ یہ وہی علاقہ تھا جس پر ایادنے حملہ کیا تھا اور اس پر سابور نے جوابی حملہ کر کے لاتعداد ایادیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔ اس کے بعد اسی علاقے کے تمیمی لوگوں کے ساتھ معاویہ بن سفیان نے خفیہ مراسلت کر کے علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہ کے خلاف سازش کی تھی اس کا ذکر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے اپنے کافی طویل منظوم کلام میں کیا ہے جس کے دو شعر یہ ہیں:۔

"اگر یہاں اصلاح کے بعد فساد پھیلایا گیا ‏ یا رشد و ہدایت کے بعد برائیاں لائی گئیں

تو میں اہل فساد کو یونہی ہلاک کر دوں گا ‏ جس طرح سابور نے باغی ایادیوں کو کیا تھا"

سابور بڑھتا ہوا ان علاقوں تک آگیا تھا جو اب بحرین کے مقبوضات میں شامل ہیں اور کچھ تمیمی وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ اس وقت سابور نے وہاں قتل عام کا حکم دیا تھا۔ آج کل ان علاقوں پر جو بحرین کے قریب ہیں بنو تمیم نے پھر قبضہ کر لیا ہے اور ان کا شیخ عمرو بن تمیم بن مر ہے۔ ان سابقہ واقعات کو اب قریباً تین سو سال گزر چکے ہیں۔ اس وقت تمیمی شیخ کو جب گرفتار کر کے سابور کے سامنے لایا گیا تو کچھ لوگوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں لیکن سابور نے انہیں اس کے قتل سے روک کر کہا کہ اسے قتل نہ کیا جائے مگر اسے اس کے علاقے میں رہنے بھی نہ دیا جائے۔ اس نے شیخ سے پوچھا تھا: "اے شیخ فانی! تو کون ہے؟" شیخ نے جواب دیا تھا: "میں بقول آپ کے شیخ بھی ہوں اور فانی بھی، شیخ اس لیے کہ میں بوڑھا بھی ہوں اور بنو تمیم کا سردار بھی، فانی اس لیے کہ آپ نے میری قوم کے اکثر لوگوں کو جن میں سے بعض کی لاشیں میں یہاں درختوں سے لٹکی ہوئی دیکھ رہا ہوں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے اور مجھے بھی حالت فنا تک پہنچا دیا ہے لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس قتل عام کی کیا وجہ ہے؟" شیخ کے سوال کے جواب میں سابور نے کہا تھا: "باغیوں کے ساتھ یہی سلوک ہونا ہے اور ہونا چاہیے"

جب سابور اس علاقے سے فارس میں اپنے دارالحکومت کی طرف لوٹا تو اس میں تمیمی شیخ کو بھی ساتھ لے گیا تھا لیکن وہاں اس کی ضعیفی پر رحم کھا کر چھوڑ دیا تھا۔ اس شیخ نے جس کا نام عمر تھا سابور سے یہ بھی پوچھا تھا کہ دوسرے اہل عرب سے اس کی عداوت کی وجہ کیا ہے تو اس نے جواب دیا تھا کہ عربوں نے فارس کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے اور میں ان سب کا صفایا کر دوں گا۔ شیخ نے یہ سن کر کہا تھا: "ناجائز قابضین کے ساتھ آپ جو چاہیں سلوک کریں اس میں کچھ مضائقہ نہیں لیکن بے گناہ عوام کے قتل سے کسی حکومت کو کبھی استحکام حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر ان علاقوں کے عوام کے ساتھ جو پہلے آپ کے مقبوضات میں شامل تھے آپ کے عمال نے کیا سلوک کیا ہوگا

جو وہ آپ کی حکومت کے خلاف ہوگئے اور نتیجتہً وہ علاقے آپ کے ہاتھ سے نکل گئے، اس پر بھی تو آپ نے کبھی غور فرمایا ہوتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ عمر کی یہ گفتگو سن کر سابور نے کہا تھا: تیری اس حکیمانہ گفتگو اور در پردہ نصیحت سے میں بہت خوش ہوا ہوں۔" اس گفتگو کے بعد ہی سابور نے شیخ عمر کو با عزت طریق سے رہا کر دیا تھا اور مفتوحہ علاقے کے عوام کے متعلق بھی امن عامہ کا اعلان کر دیا تھا۔

سابور مذکورہ بالا عراقی علاقوں کی فتح سے فارغ ہو کر شام کی طرف بڑھا اور وہاں بھی رومی رعایا کو بیدردی سے تہ تیغ کیا، پھر نہ جانے جی میں کیا آئی کہ تھوڑے سے فوجی افسر اور سپاہی ساتھ لے کر خفیہ طریقے سے (غالباً تاجروں کا بھیس بھر کر) روم جا پہنچا تاکہ وہاں کے نظام حکومت اور حالات و کوائف کا پتہ لگائے اور وہاں حد سے زیادہ شان و شوکت کا اظہار کیا حتیٰ کہ قیصر روم نے اسے ایک شاہی ضیافت میں مدعو کر لیا جہاں کھانے سے فراغت کے بعد شراب کا دَور چلا۔ سابور اپنی اس کامیابی پر اس قدر مطمئن اور خوش تھا کہ باوجود ذہنی صلاحیتوں کے اسے کسی طرف کا ہوش نہ رہا۔ شراب اس زمانے کے رومی اور فارسی شاہی دستور کے مطابق سونے کے منقش پیالوں میں پیش کی جا رہی تھی۔ روم اور فارس کی مصالحت کے زمانے میں یہ پیالے شاہانہ تحائف کے طور پر روم سے فارس اور فارس سے روم آتے جاتے رہے تھے جن پر اس آخری دَور میں بھی حسب سابق سابور اور قیصر روم کے شکاری اور محافل کے نقوش بھی کندہ ہوتے تھے اور ظاہر ہے کہ اُن میں ان دونوں کے خط و خال صاف پہچانے جاتے تھے۔ مذکورہ ضیافت میں جب شراب کا دَور چل رہا تھا تو قیصر روم کے ایک خادم خاص کی نظر اچانک ایک ایسے پیالے پر پڑی جس پر سابور کی تصویر کندہ تھی تو اس خادم کی نظر اس پر گڑی کی گڑی رہ گئی۔ پھر اس نے قیصر کے مہمان خصوصی سابور کے چہرے کو غور سے دیکھا اور سمجھ لیا کہ ہو نہ ہو یہی وہ شخص ہے جس کی تصویر پیالے پر کندہ ہے، اس نے قیصر سے اس بارے میں سرگوشی کی۔ قیصر چند لمحے تذبذب میں رہا لیکن جب اسے خادم کی بات کا یقین آگیا تو اس نے میان سے تلوار کھینچ کر سابور سے دریافت کیا: "اب سچ سچ بتا دو، تم کون ہو؟ مجھے تمہاری اصلیت کا پہلے ہی پتہ چل گیا تھا لیکن میں اب تک طرح دیتا رہا، اگر تم نے اس فریب کاری کا مقصد صاف صاف نہ بتایا تو نتیجہ تم جانتے ہو۔"

سابور نے مجبوراً اپنی سازش کا اعتراف کرتے ہوئے قہقہہ لگا کر بات ٹالنا چاہی لیکن قیصر کا دُور رس دماغ بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔ اس کے علاوہ اسے شام میں سابور کی آمد اور وہاں اس کے حکم پر بے گناہ لوگوں کے کشت و خون کی بھنک اس کے کانوں میں پڑ چکی تھی اور اس نے دریافت حال کے لیے اپنے آدمی وہاں پر روانہ کر دیے تھے لیکن اسے سابور کے روم میں اس طرح بے باکانہ داخل ہونے

اور اس کی اس شاہی ضیافت میں اس دیدہ دلیری کے ساتھ شرکت کا دھیان تک نہ تھا۔ اس نے فوراً ایک فیصلہ کیا، ساپور کے ساتھیوں کو گرفتار کرایا اور خود اسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر ایک گائے کی کھال میں سلوا دیا حالانکہ روم میں جانوروں تک کے پاؤں بندھوانے کا دستور نہ تھا۔

اس کام سے فارغ ہو کر قیصر شام کے راستے ساپور کے مفتوحہ علاقوں پر حملہ آور ہوا اور انہیں روندتا ہوا فارس میں ساپور کے دارالحکومت تک جا پہنچا جہاں اس نے شام کے بے گناہ لوگوں کے کشت و خون کا پورا پورا انتقام لیا۔

ایک روز فارس کے کسی منچلے نے قیصر کی لشکر گاہ کے اس فوجی بگل کے دہانے میں جو خطرات سے آگاہی کے علاوہ ہر صبح فوجی پریڈ کے لیے بجایا جاتا تھا رات کے وقت کسی طرح چھپ چھپا کر گھاس بھر دی۔ جب قیصر نے یہ سنا تو اس شخص کی تلاش کے بعد اسے پکڑوا بلوایا اور اس سے پوچھا۔

"تو نے یہ حرکت کس مقصد سے کی تھی؟ اگر تو نے یہ حرکت کسی سازش کے تحت کی ہے تو سچ سچ بتا کہ تیرے ساتھ اس سازش میں اور کتنے لوگ شریک ہیں؟"

اس شخص نے سادگی سے جواب دیا: "حضور! یہ کوئی سازش نہیں تھی جو اس میں میرے ساتھ کوئی شریک ہوتا۔"

قیصر نے پوچھا: "پھر تو نے یہ حرکت کیوں کی؟"

وہ آدمی بولا: "آپ سے انتقام لینے کے لیے۔"

قیصر چونک کر بولا: "مجھ سے انتقام؟ وہ کس بات کا؟"

وہ شخص بولا: "آپ نے میرے ماں باپ اور بیوی بچوں کو قتل جو کر دیا ہے۔"

قیصر نے پوچھا: "میں بھلا تیرے ماں باپ اور بیوی بچوں کو کیوں قتل کرتا؟"

اس شخص نے جواب دیا: "جہاں پناہ! انھیں آپ کے فوجی سپاہیوں نے قتل کیا مگر آپ کے حکم ہی پر تو کیا ہوگا۔"

قیصر نے اس شخص کی جذباتی اور ہیجانی کیفیت کا اندازہ اور اس کی سادہ لوحی کا خیال کرتے ہوئے اسے چھوڑ دیا لیکن وہ اس سے پہلے ہی ساپور کے ہاتھوں شام میں رومیوں کے کشت و خون اور خود روم میں اس کی مذکورہ بالا حرکت کا عراق اور فارس کے بے گناہ عوام پورا پورا انتقام لے چکا تھا۔

یعنی تواریخ میں اور فارس و عرب کے شعری لٹریچر میں بھی ان واقعات کا ذکر آیا ہے اور بعض جگہ

یہ بھی ہے کہ یہ سب کچھ سلوک سابور نے قیصر کے ساتھ کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سابور اس کے بعد جزیرہ آمد اور رومی علاقوں میں گیا تھا اور ان مقامات سے وہاں کے اصلی باشندوں کو سوس، تستر اور اہواز کے سرحدی علاقوں میں منتقل کر دیا تھا جہاں اس جبری ترک وطن کے بعد ان کی اور ان کی آئندہ نسلوں کی مستقل سکونت وہیں کی ہو گئی۔ تستر کا دیبا اور حریر اور سوس کے ریشمی و اونی کپڑے آج تک مشہور ہیں اور یہ صنعتیں جن کا تعلق کبھی پہلے خاص فارس سے تھا اب وہیں کی سمجھی جاتی ہیں اور وہیں جاری ہیں یعنی یہ نادر چیزیں جنہیں ملوک ساسانیہ اور ان کے اسلاف نے جنہوں نے فارس کے دورِ اوّل میں حکومت کی تھی بطیسون[1] میں آباد ہو کر ایجاد کیا تھا اب تستر اور سوس والوں کی خوش قسمتی سے ان کے نام سے منسوب ہو گئی ہیں۔ بطیسون ارض عراق میں مدائن کے غربی علاقے میں ہے۔ سابور نے مدائن کے مشرقی علاقے میں سکونت اختیار کی تھی اور وہاں ایک محل تعمیر کیا تھا جو آج تک ایوان کسریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ اس ایوان کے بعض حصوں کو ہرمز بن ہرمز نے مکمل کیا تھا۔ بعض اہل فارس کہتے ہیں کہ اس ایوان کی بنیاد فارس کے فلاں ابن فلاں بادشاہ نے اس لیے ڈالی تھی کہ وہ اس کی بالائی منزل کی چھت سے جب چاہے آسمان تک جا سکے۔

کہتے ہیں جب عباسی خلیفہ ہارون الرشید ایک روز دریائے دجلہ کے کنارے مذکورہ بالا ایوان کے نزدیک ٹھہرا تو وہاں کے ایک خادم نے اس کے روبرو یہی من گھڑت روایت بیان کی۔ ہارون الرشید نے اپنے خدام کو سب کے سامنے اسی وقت اس خادم کے سو کوڑے لگنے کا حکم دیا اور کہا کہ ایسی غلط سلط روایات کو بادشاہوں سے منسوب کرنا ان کی بے ادبی ہے۔ ہم بھی بادشاہ ہیں اس لیے فارس کے کسی بادشاہ کے بارے میں بے ادبی گوارا نہیں کر سکتے کیونکہ بادشاہ بادشاہ سب ایک ہوتے ہیں اور ان کے حفظ مراتب کا لحاظ پاس بہرحال ضروری ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہارون الرشید نے ایران میں خاندان برامکہ کے حد سے تجاوز کرتے ہوئے اثرات کے سدباب نیز مسلمانوں میں مذکورہ بالا من گھڑت روایت کی اشاعت کو روکنے کے لیے اپنے وزیر سلطنت یحییٰ برمکی کو ایوان کسریٰ کے انہدام کا حکم دے دیا تھا اور اس حکم کی تعمیل کے لیے اسے مدائن بھیج دیا تھا لیکن اس کے دربار کے حاضرین نے جن میں مجوسی بھی شامل تھے اسے اس کے خلاف یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ اس سے دنیا میں مسلمانوں کی تخریب کاری کی اشاعت کو بطور مثال مدد ملے گی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے بعض مشیروں نے یہ بھی کہا تھا کہ آنے والی نسلیں یہ بھی کہہ سکتی ہیں کہ فارس کے ایک بادشاہ نے جو ایسا عظیم الشان محل تعمیر

---

[1] ایک نسخے میں "بطیسیون" لکھا ہے (مترجم عربی)

کرایا تھا اسے ایک مسلمان حکمران مذکورہ بالا ملحدانہ روایت کی مزید اشاعت کو روکنے کے لیے اسے منہدم بھی نہ کرا سکا۔ چنانچہ ہارون رشید نے اس مشورے کو صائب سمجھتے ہوئے اپنے مذکورہ بالا حکم کو برقرار رکھا تھا لیکن جب اس پہ اخراجات کا تخمینہ لگایا گیا تو وہ اندازے سے کہیں زیادہ نکلا، اس لیے اس نے یحییٰ برمکی کو لکھ بھیجا کہ ایوان مذکورہ کے انہدام پہ اس وقت تک جو اخراجات ہو چکے تھے اس کے حسابات کی فرد (گوشوارہ) اسے ارسال کرے اور باقی کام فوراً رکوا دے لیکن اس وقت تک ایوان کسریٰ کے کچھ حصے منہدم کرائے جا چکے تھے۔

سابور کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ نیشا پور کا شہر اسی نے آباد کیا تھا۔ اس کے علاوہ خراسان اور ایران کے دوسرے علاقوں نیز عراق میں بہت سی دوسری قابل ذکر عمارات کی بنیاد رکھی تھی۔

سابور بن سابور

سابور بن ہرمز کے بعد اس کا بھائی اردشیر ابن ہرمز فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کی مدت حکومت چالیس سال بتائی جاتی ہے۔ اس کے بعد سابور کی حکومت پانچ سال اور بعض مؤرخین کے مطابق پانچ سال چار مہینے رہی اور اسی دوران میں ایاد بن نزار کے علاوہ کچھ دوسرے عرب حکمرانوں سے اس کی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ اس کے بارے میں ایک دورِ ایاد کا شاعر کہتا ہے :-

"میں نے سابور بن سابور کے بجائے ایاد کی معیت اختیار کی جس کے پاس خدم وحشم ونعم کی کمی نہ تھی۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب سابور شام وروم کی مہمات سے فارغ ہو کر لوٹا اور فارس میں سابور نے حکمران ہو کر عراق میں قتل وغارت کا سلسلہ شروع کیا اور بکر بن وائل کی اولاد میں سے ربیعہ ایادی نے اس پر غلبہ حاصل کیا اس وقت اس کے کسی درباری شاعر نے مندرجہ بالا شعر کہا تھا کیونکہ ربیعہ ایاد بن نزار ہی میں سے تھا۔ بعض لوگ اس بارے میں کچھ اور کہتے ہیں لیکن کیا صحیح ہے اور کیا غلط یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

بہرام

سابور بن سابور کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن سابور بادشاہ ہوا جس نے کچھ مؤرخین کے مطابق اور بعض کے نزدیک گیارہ سال حکومت کی۔

یزدگرد

بہرام کے بعد یزدگرد بن سابور بادشاہ ہوا جس کی حکومت اس کی ہلاکت کے وقت اکیس سال، پانچ مہینے، اٹھارہ دن ہو چکی تھی، بعض لوگوں کے نزدیک اس کی حکومت کا دور پورے بائیس سال ہوتا ہے۔

بہرام گور یزدگرد کے بعد اس کا بیٹا بہرام بن یزدگرد بادشاہ ہوا۔یہ وہی بہرام تھا جو تاریخ میں بہرام گور کے نام سے مشہور ہے۔اس کی حکومت کا دور کچھ لوگوں نے تیرہ سال اور بعض نے انیس سال بتایا ہے۔لیکن اس سلسلے میں دلچسپ بلکہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس کی عمر کل بیس سال بتائی جاتی ہے۔بہرکیف وہ ایک اولوالعزم بادشاہ ہوا ہے جو شکار کے دوران میں گھوڑے سے گر کر ہلاک ہوگیا تھا اور جس کے پرُامن دورِ حکومت میں رعایا اس کے بے شمار احسانات اور اس کے مساویانہ عدل و انصاف کو یاد کر کے اہل ایران اب تک روتے ہیں۔اسی کے دورِ حکومت میں ترک حکمران خاقان نے صُغد تک بلکہ بعض لوگوں کے مطابق رے تک لشکرکشی کر کے ان علاقوں کو تباہ و برباد کر دیا تھا لیکن جب بہرام گور ایک عظیم لشکر لے کر اس کے مقابل آیا تو خاقان کو مجبوراً "پسپا" ہونا پڑا تھا اور اس کی ہیبت واقعی دنیا کے دوسرے بادشاہوں پر بھی چھا گئی تھی۔یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قیصر روم نے اسے کثیر تعداد میں تحائف بھیجے تھے اور ان کے ساتھ کافی بڑی مقدار میں زرومال بھی ارسال کیا تھا۔یہ وہی بہرام تھا جو ارض ہند تک جا پہنچا تھا اور جب اس کی وہاں کے ایک سرکردہ حکمران "شبرمہ" سے ملاقات ہوئی تھی تو مؤخرالذکر نے اس سے مرعوب اور اس کی شان و شوکت سے متاثر ہو کر اپنی ایک بیٹی کو اس کی زوجیت میں دے دیا تھا۔یہی وہ بہرام تھا جس نے اپنے دور میں وقائع نگاری کو صحیح شکل دے کر استحکام بخشا تھا، اسی نے تیراندازی اور کمان سازی میں نت نئے طریقے ایجاد کیے تھے۔ان تمام باتوں کی تفصیلات اور ایک شکار کے دوران میں اس کی افسوسناک ہلاکت کے واقعے کو ہم نے اپنی پچھلی دو کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" میں خاصی وضاحت کے ساتھ درج کر دیا ہے جن میں اس کے تیر چلا کر ایک گورخر کے سُم کو اس کی پیشانی میں بیندھ دینے کی تفصیلات بھی شامل ہیں نیز یہ کہ اہل فارس اور ترکوں نے اس کے ایک نئی کمان ایجاد کرنے کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے اور یہ کہ خاقان اس کے ہاتھوں کس طرح قتل ہوا۔ہم نے اپنی مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں بہرام گور کی شاعری پر اظہار خیال کے علاوہ اس کے چیدہ چیدہ اشعار بھی پیش کیے ہیں۔اس نے فارسی و عربی میں بے شمار اشعار کہے ہیں جنہیں ہم نے یہاں بخوف طوالت و بخیال اختصار پیش نہیں کیا۔

یزدگرد بن بہرام بہرام گور کے بعد یزدگرد بن بہرام بادشاہ ہوا اس کی مدت حکومت انیس سال اور بعض اقوال کے مطابق اٹھارہ سال چار مہینے اٹھارہ دن ہوتی ہے۔

اس نے اپنے دورِ حکومت میں باب والابواب کے قرب و جوار میں مٹی کو دودھ میں گندھوا کر ایک فصیل بنوائی تھی جس کا ذکر ہم اس کتاب میں جبل قبخ کے ضمن میں پہلے کر چکے ہیں اس نے اپنی مملکت کے

ایک دانشور کو جو اخلاقِ حمیدہ و اوصافِ ستودہ میں شہرت رکھنے کے علاوہ اس سے واقف تھا کہ نظامِ مملکت اور رعایا کے لیے انضباط قوانین کے کیا طریقے ہیں، بلا کر پوچھا تھا: "اے فاضل حکیم! کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟" اس دانشور نے جواب دیا تھا:

"بادشاہ کو چاہیے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی و ملاطفت سے پیش آئے۔ اسے چاہیے کہ رعایا کے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لے اور اس سے اپنے حقوق یعنی حقوقِ مملکت کے حصول میں جبر و تشدد سے کام نہ لے اور ظالم سے مظلوم کو اس کا کماحقہٗ حق دلوائے نیز راستوں کو پُرامن اور خطرات سے خالی رکھے کیونکہ کسی سلطنت کے استحکام کی بنیادی باتیں یہی ہیں۔"

یزدگرد نے دوسرا سوال اس دانشور سے یہ کیا:۔

"اور نظامِ مملکت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟"

دانشور نے جواب دیا: "بادشاہ کے وزرا اور مشیروں کی نیکوکاری سے نظامِ مملکت درست رہے گا اور ان کی بدعنوانیوں اور فتنہ انگیزی سے نظامِ مملکت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔"

آخر میں یزدگرد نے اس سے کہا: "رعایا عموماً فتنہ و فساد میں مبتلا رہتی ہے۔ اس سے نمٹنے کے کیا طریقے ہونا چاہئیں؟"

دانشور نے کہا: "بادشاہ کو اس پر خصوصی نظر رکھنا چاہیے کہ اس کی رعایا عیش کوش نہ بن جائے اور لذائذِ دنیوی کے حصول میں جائز حدود سے تجاوز نہ کرے۔ فساد برپا ہو یا اس کا اندیشہ ہو تو متعلقہ افراد کو پہلے نرمی سے فہمائش کی جائے اور اس کے بعد حالات کو قابو رکھنے کے لیے ضروری حد تک رعب داب اور سختی سے کام لیا جائے لیکن بادشاہ کو غیض و غضب یا مسرت کسی حالت میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

یزدگرد کے بعد اس کا بیٹا ہرمز بادشاہ ہوا لیکن اس کے بھائی فیروز نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی جس کے بعد ھیاطلہ اخشنوانہ[1] نے خراسان میں رود مرو عبور کر کے اس پر فوج کشی کی اور اس سے حکومت چھین کر اسے قتل کر دیا۔ ھیاطلہ وہ اہلِ صُغد ہیں جو بخارا اور سمرقند کے درمیانی علاقے میں رہتے ہیں۔

بہرکیف فیروز کے بعد اس کے بیٹے بلاس بن فیروز نے حکومت فارس پر پھر قبضہ کر لیا لیکن

---

[1] بعض نسخوں میں "باسران" لکھا ہے (مترجم عربی)

اس نے صرف چار سال حکومت کی۔

قباذ بلاس بن فیروز کے بعد اس کا بھائی قباذ بن فیروز فارس کے تخت حکومت پر بیٹھا۔ اسی کے زمانے میں زندیق مزدک کا ظہور ہوا جس نے فرقہ مزدکیہ کی بنیاد رکھی۔ مزدک اور قباذ کے مابین بہت سے (مذہبی) جھگڑے چلے۔ نوشیرواں نے اپنے زمانے میں مزدک کو قتل کرا دیا لیکن اس سے قبل قباذ قتل کیا جا چکا تھا۔ قباذ کی مدت حکومت ۴۳ سال رہی۔

نوشیرواں قباذ بن فیروز کے بعد اس کا بیٹا نوشیرواں فارس کے تخت سلطنت پر بیٹھا اور اس نے اڑتالیس سال حکومت کی، بعض تواریخ کے مطابق اس کی مدت حکومت سینتالیس سال آٹھ مہینے ٹھہرتی ہے۔ مشہور دانشور بزرجمہر ابن سرخو[1] نوشیرواں ہی کے زمانے میں گزرا ہے۔ مزدک اور فرقہ مزدکیہ سے شب و روز جھگڑے رہنے اور ملک میں افراتفری پھیل جانے کے بعد قباذ کے ملک سے فرار، واپسی اور قتل تک اس کے بھائی جاماسپ[2] نے قریباً دو سال تک عارضی طور پر حکومت سنبھالی تھی جس کے بعد حکومت قباذ کے جائز وارث نوشیرواں کو ملی۔ اسی نے مزدک اور اس کے اسی ہزار متبعین کو موت کے گھاٹ اتارا اور ارض عراق کے اس علاقے میں جو حاذر[3] اور نہروان کے درمیان واقع ہے ان کا مکمل خاتمہ کر دیا اور اس کے بعد ہی وہ نوشیرواں کے نام سے مشہور ہوا جس کا مطلب جدید الملک[4] ہوتا ہے۔ اس نے جملہ اہل فارس کو دین مجوسی پر مجتمع کیا اور انھیں دینی نظریات میں باہم اختلاف رکھنے سے اور ان کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے سے قطعاً ممانعت کر دی۔ وہ جبل رتیخ[5] تک گیا جس طرف سے بیرونی حکمرانوں نے اس کے ملک پر دھاوا بولا تھا اور وہاں ان بحری راستوں پر جہاں جہاں سے سواحل پر اترنا ممکن تھا موانعات قائم کر دیے۔ ان موانعات کے لیے اس نے ہر ایسے ساحل پر تھوڑے تھوڑے فاصلے سے ستون بنوائے اور ان کے فصل کو گائے کے چمڑے کی ایسی مشکوں سے بند کیا جن میں پتھر، لوہا اور سیسہ ملا کر ایسا مسالہ بھر اگیا کہ اگر کوئی ان مشکوں کو خنجروں یا چھریوں سے کاٹ کر ساحل پر آنا چاہے تو وہ مشکیں پھٹ کر نہ صرف کشتی والوں کے بلکہ ان کی کشتیوں کے بھی پرخچے اڑا دے۔ نوشیرواں نے ایسے موانعات نہ صرف سواحل سمندر پر قائم کیے

---

[1] بعض نسخوں میں "بن سوجری" بھی ہے (مترجم عربی) [2] بعض نسخوں میں جاماست لکھا ہے (مترجم عربی)
[3] بعض نسخوں میں جاذر لکھا ہے (مترجم عربی) [4] بعض نسخوں میں جدید الملک لکھا ہے (مترجم عربی) [5] بعض نسخوں میں جبل فتح لکھا ہے (مترجم عربی)

تھے بلکہ اپنے ملک میں داخلے کے بری راستوں میں بھی بنوائے تھے جن میں جبل قبخ کا علاقہ بھی شامل تھا جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ ان مواقعات کے آثار تا حال پائے جاتے ہیں۔ یہ موانعات ملوک خزر کے لیے تھے جو اس سے قبل ان راستوں سے فارس پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

جب نوشیرواں عراق کی طرف بڑھا تو ملوک عالم میں سے متعدد بادشاہوں نے اس کی خدمت میں بے شمار تحائف بھیجے اور اپنے سفیروں کے ذریعے اس سے اظہار ملاطفت کیا۔ ان بادشاہوں میں قیصر روم بھی شامل تھا۔ قیصر روم کے سفیر نے جب ایوان کسریٰ اور اس کے ہاتھی دانت سے تیار شدہ طویل و عریض صحن کو دیکھا تو اس کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہا: اسے مربع کیوں رکھا گیا ہے؟ کیا اس صحن کو عرض میں اور بڑھا کر مستطیل نہیں بنایا جا سکتا تھا؟" اسے جواب دیا گیا: بادشاہ معظم کا ارادہ تو یہی تھا لیکن اس کے ایک پہلو میں ایک بوڑھی عورت کا مکان تھا۔ بادشاہ نے اسے خریدنا چاہا اور وافر قیمت پیش کی لیکن اس ضعیف عورت نے انکار کر دیا، اس لیے اسے مستطیل رکھنے کے بجائے مربع رکھا گیا ہے کیونکہ بادشاہ نے اس ضعیفہ سے زبردستی مکان لے کر اس کا دل توڑنا پسند نہیں کیا" سفیر کو صحن کے ایک گوشے میں پڑے ہوئے ہاتھی دانت دکھا کر کہا گیا: "یہ وہ باقی ہاتھی دانت ہیں جن سے یہ صحن مستطیل بنانے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔" سفیر نے نوشیرواں کے عدل و احسان کی تعریف کرتے ہوئے کہا: "تاہم اب بھی یہ صحن خط استوا سے چمک دمک میں کم نہیں ہے۔"

نوشیرواں نے اپنے دار الحکومت کو مضبوط اور اپنی مملکت کے تمام شہروں میں شاندار عمارتیں اور ناقابل تسخیر قلعے اور شہر پناہیں بنانے کے بعد لوگوں کو حسب مراتب سلطنت کے مختلف عہدوں پر مامور کیا، پھر "جزیرہ" کی طرف رخ کیا اور وہاں کے تمام شہر فتح کرتا ہوا دریائے فرات تک جا پہنچا اور شام کے متعدد شہر فتح کر ڈالے۔ اس کے مفتوحہ شہروں میں حلب، قنسرین، حمص اور فامیہ شامل تھے جو انطاکیہ اور حمص کے درمیان واقع ہیں، پھر اس نے آگے بڑھ کر انطاکیہ کا محاصرہ کر لیا جو قیصر کے ساتھ صلح نامے کے بموجب خلاف معاہدہ تھا۔ انطاکیہ میں قیصر کی بہن مقیم تھی لیکن نوشیرواں نے انطاکیہ کے علاوہ اس کے دوسرے ساحلی شہر بھی فتح کر ڈالے جہاں وہ حد درجہ کشت و خون اور قتل و غارت کا مرتکب ہوا۔ اس نے ڈھیروں مال غنیمت اور زر و جواہر حاصل کیا۔ یہ دیکھ کر قیصر نے اسے بھر قیمتی تحائف کے علاوہ بطور خراج زر نقد بھی بھیجا۔ نوشیرواں نے جن شہروں کو فتح کیا تھا اور ان میں شہر سلوقیہ بھی شامل تھا وہاں اب تک ان شہروں کے آثار پائے جاتے ہیں نوشیرواں نے شام سے سنگ مرمر، رخام اور فسیفسا کی مختلف انواع عراق بھجوائیں، فسیفسا ایک

قسم کا حجری مرکب ہے جو شیشے اور پتھر کے امتزاج سے تیار کیا جاتا ہے۔ نوشیرواں نے انہیں چیزوں سے مدائن کے قریب ایک عجوبۂ روزگار ایوان تعمیر کیا جس کا ذکر سطور بالا میں آ چکا ہے۔

ترکی خاقان نے نوشیرواں سے اپنی بیٹی اور اپنی بھتیجی کی شادی کر دی۔ اس کے علاوہ دنیا کے تمام بادشاہوں نے اس کے لاؤ لشکر اور شان و شوکت کے پیش نظر اس کے سامنے تحائف اور زر و جواہر کے انبار لگا دیئے۔ چین کے بادشاہ نے اس کے نام ایک خط کا افتتاح اس طرح کیا۔

"چین کے بادشاہ فغفور کی طرف سے جس کا محل سچے موتیوں اور جواہرات سے تعمیر کیا گیا ہے جس کے قصر میں دو نہریں بہتی ہیں اور عود و کافور کے اس چمنستان کو سیراب کرتی ہیں جس کی خوشبو چاروں طرف دو دو کوس تک جاتی ہے، جس کی خدمت ہزار بادشاہوں کی لڑکیاں کرتی ہیں، جس کے پاس ایک ہزار سفید ہاتھی ہیں، اپنے بھائی کسریٰ نوشیرواں کے نام ان تحائف کے ساتھ جن میں مرصع ساز و براق سے آراستہ خوبصورت گھوڑے یاقوت سرخ زمرد اور دیگر جواہرات سے آراستہ تلوار اور جامہ ہائے حریر جن پر ایسے مناظر منقش ہیں کہ بادشاہ اپنے دربارِ خاص میں مسند نشین ہے، اس کے گردو پیش خدام مؤدب ایستادہ ہیں، جس کے ہاتھوں میں جام و مینا ہیں، بادشاہ کی پشت پر جو پردہ ہے اس کی زمین سنہری ہے اور حاشیہ لاجوردی، اس پردے کو ایک مہ جمال تھامے ہوئے ہے جو اپنے جمالِ جسمانی کے لیے ایڑی تک طویل خوب صورت بالوں کا پردہ کیے ہوئے ہے" وغیرہ وغیرہ۔

جن کا ذکر ہم دربار چین اور وہاں کے قصر شاہی کی آرائش کے سلسلے میں پہلے کر چکے ہیں۔

اس طرح ہندوستان کے بادشاہ نے اس کے نام ایک خط یوں شروع کیا۔

"مشرق کے عظیم رکن رکین شاہِ ہند کی طرف سے جو قصر طلائی اور سچے موتیوں اور یاقوت کے دروازوں کا مالک ہے اپنے بھائی کسریٰ نوشیرواں کے نام بے شمار تحائف کے ساتھ جن میں آگ میں شمع کی طرح جلنے والا ایک ہزار من عود ہندی، سرخ یاقوت کا جام جس پر موتیوں اور جواہرات مرصع کاری کی گئی تھی، دس من شفاف کافور ایک سرخ و سفید رنگت والی کنیز جس کے ہونٹ یاقوت احمریں کی قاشیں، آنکھیں شراب کے جام کی طرح مد بھری، رخسار بجلی کے کوندے ہیں اور خود چھوٹی موئی کی طرح شرمیلی ہے، زریں فرش جن کا تانا بانا شجر کاری کا ہے جو سونے کی طرح چمکتا دمکتا ہے، شجر کاری

ہند وچین کا ایک خاص درخت ہے جس کی چھال سے بنے ہوئے کپڑے پر شاہی مراسلات رقم ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔"

نوشیرواں کو تبت کے بادشاہ نے بھی جس کے ساتھ اس کا کوئی صلح نامہ نہ تھا تحائف بھیجے اور ان کے ساتھ جو خط بھیجا اس کی ابتدا اس طرح کی :-

"سطح ارضی کے مشرقی حصوں کے بادشاہ جن میں چین و ہند شامل ہیں شاہ تبت کی طرف سے اپنے بھائی سات اقلیموں کے متوسط ممالک کے بادشاہ نوشیرواں کے نام جو بلحاظ سیرت وکردار اور قدر و منزلت حد درجہ نیک نام ہے تبت کے مختلف النوع عجیب و غریب تحائف کے ساتھ جن میں ایک سو تبتی جوشن، سو تھان مشجر و مرصع پارچہ جات[1]، سو تبتی ڈھالیں[2] اور غزالان تبت کے نافوں سے برآمد کردہ مشک شامل ہے ......" وغیرہ وغیرہ

وہ نوشیرواں ہی تھا جو ماوراءالنہر میں بلخ بلکہ اس سے آگے ختلانہ تک گیا جہاں اس نے اخشوانہ اور اس کے دادا فیروز کو قتل کر کے ان کی مملکت کو اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ نیز وہ بھی نوشیرواں ہی تھا جس نے (مشہور) کتاب کلیلہ دمنہ کو ہندوستان سے اپنے ہاں منتقل کیا اور وہاں سے مشہور و معروف سیاہ ہندی خضاب بھی کثیر مقدار میں اپنے ساتھ لے گیا۔ کہتے ہیں ہشام بن عبدالملک بن مروان بھی یہی خضاب استعمال کرتا تھا۔

نوشیرواں کے عریض وطویل دسترخوان کا تانا بانا سونے کے تاروں سے تیار کیا گیا تھا اور اس کے حاشیوں پر جو تحریریں تھیں انہیں جواہرات جوڑ کر مرتب کیا گیا تھا، اس دسترخوان پر عموماً اہل حاجت کی کثرت ہوتی تھی۔ کھانوں کی خوبی یہ تھی کہ جتنا کھائے اشتہا بڑھتی جائے، طبیعت سیر ہو جائے لیکن نگاہیں سیر نہ ہوں۔ اس کی شاہی مہروں کی تعداد چار تھی۔ پہلی خراج کے حسابات پر ثبت کرنے کے لیے اس انگوٹھی کا نگ عقیق کا تھا جس پر عدل کا علامتی نقشہ بنا ہوا تھا۔ دوسری مہر اخراجات کی منظوری کے لیے تھی، اس انگشتری کا نگ فیروزے کا تھا جس پر جذبۂ تعمیر کا علامتی نقشہ تھا۔ تیسری مہر امدادی رقوم کے حسابات پر ثبت کرنے کے لیے تھی، اس انگوٹھی کا نگینہ یاقوت کا تھا جس پر اس کا مکمل علامتی نقشہ تھا۔ چوتھی مہر رسل و رسائل کے اخراجات کی منظوری کے لیے تھی اس انگوٹھی کا نگ سرخ یاقوت کا تھا جس پر رجائی علامات کا نقشہ تھا۔

---

[1] بعض نسخوں میں تحائف کی جگہ تصانیف لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] کچھ نسخوں میں ترس کی جگہ برس لکھا ہے (مترجم عربی)

نوشیرواں نے عراق کی تعمیر پر معتدبہ اخراجات کیے لیکن کسانوں سے سرکاری محصولات کی وصولی کے لیے حسب ذیل ترتیب رکھی تھی :-

ایک جریب زمین سے حاصل کردہ گیہوں یا جو کے لیے ایک درہم اتنے ہی چاولوں کے لیے پون درہم، ہر چار فارسی درختوں سے حاصل کردہ فصل پر ایک درہم، چھ درختوں کی معمولی کھجوروں پر ایک درہم، چھ جڑوں سے حاصل کردہ زیتون پر ایک درہم، اتنے ہی انگوروں پر آٹھ درہم اور اتنی ہی پختہ، تازہ اور اعلیٰ قسم کی رسیلی کھجوروں پر سات درہم۔ ان دنوں عراق میں بس یہی سات اقسام کے اناج یا پھل پیدا ہوتے تھے۔ ان کے علاوہ مزارعین زمین سے جو پیدا کر لیتے وہ ان کا اپنا ہوتا تھا یا چوپایوں کے چارے کے طور پر مفت دیا جاتا تھا۔ نوشیرواں کو عموماً نیک نوشیرواں یا نوشیرواں عادل کہا جاتا تھا۔ اس کی مدح میں دوسرے شعراء کے علاوہ عدی بن زیاد العبادی نے بھی بہت سے شعر کہے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں :-

آہ! اب نیک نوشیرواں کہاں! یا اس کا جد امجد سابور کہاں ہے!
اس کے احسانات کی یاد باقی ہے! اگرچہ اس کے قصور و محلات مٹ گئے!
آہ! وہ دن جب اس کے پھریرے ہوا میں بلند ہو کر لہراتے تھے

سیاست ملوکیہ کی اقسام

ایک روز نوشیرواں نے اپنے دربار میں موجود دانشوروں سے کہا :- "مجھے چند ایسی حکیمانہ باتیں بتائیے جو سیاست ملوکیہ کے لحاظ سے میرے اور میری رعایا کے لیے یکساں مفید ہوں۔"

ان دانشوروں میں سے اپنی اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کسی نے کچھ، کسی نے کچھ باتیں بتائیں یہاں تک کہ بات چلتے چلتے بزرجمہر بن بختگان تک پہنچی۔ وہ بولا :-

"ایسی باتیں بارہ ہو سکتی ہیں۔"

نوشیرواں نے حکم دیا "مجھے وہ باتیں بتاؤ"۔

بزرجمہر نے کہا : "پہلی بات یہ ہے کہ ہر بادشاہ کے دل پر خواہشات نفسانی، جلب منفعت، غیض و غضب اور حرص و ہوس کے جملہ مواقع پر خوف خدا غالب رہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ قول و عمل میں صادق ہو اور جو وعدے، معاہدے اور عہد و پیمان کرے ان میں پورا اترے۔ تیسری بات یہ ہے کہ تمام اہم معاملات میں علماء سے مشورہ کرے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ عالموں اور شرفیوں

کا احترام کرے، کاتبوں، حاجبوں، انتظامی امور پہ مامور لوگوں، سرحدی محافظوں اور اپنے ملک کے دیگر عمائدین کا خاص خیال رکھے اور انھیں حسب مراتب نوازتا رہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ جو قاضی یا جج مقرر کیے جائیں بادشاہ ان کا اور دیگر عہدہ داروں کا عدل و انصاف کے ساتھ محاسبہ کرتا رہے اور جن کی کارکردگی حسب توقع پائی جائے انہیں انعام واکرام سے نوازے۔ چھٹی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو قید وبند کی سزا دی جائے وہ ان کے جرائم سے زیادہ ہو نہ میعاد سے بڑھنے پائے۔ ساتویں بات یہ ہے کہ مسافروں کی گزرگاہوں، تاجروں کے بازاروں، ذخیرہ گاہوں اور ان کی تجارت کی دیکھ بھال، حفاظت اور نگرانی کا خاص خیال رکھنا بادشاہ کے لیے ضروری ہے۔ آٹھویں بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا کی تربیت کے ساتھ اس کی تادیب اور اسے حدود معینہ میں رکھنے پر شب و روز توجہ دیتا رہے۔ نویں بات یہ ہے کہ وہ اپنی افواج کو اسلحہ کی فراہمی، اس کے اعداد و شمار اور عساکر کی دیگر ضروریات کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھے۔ دسویں بات یہ ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کی جائز ضروریات پوری کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں تحفے تحائف اور عطیات سے نوازتا رہے لیکن ان کی اصلاح کا بھی خیال رکھے

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بادشاہ کے لیے یاد رکھنے کی گیارھویں ضروری بات یہ ہے کہ وہ اپنی رعایا کے باغوں، چراگاہوں، اور کھیتیوں کے لیے پہاڑی چشموں اور دریاؤں سے اور اہل شہر کی گھریلو ضروریات کے لیے شہر سے گزرنے والی نہروں سے پانی کے جائز حصول کا خیال رکھے لیکن انہیں ان میں سے کسی جگہ غیر ضروری ہجوم، غاصبانہ قبضے اور لڑائی بھڑائی سے باز رکھنے کے لیے سخت ہدایات و احکام جاری کرے۔ بارہویں اور آخری بات یہ ہے کہ بادشاہ اپنے وزراء اور دیگر عہدہ داروں کی حرکات و سکنات اور شب و روز کی مصروفیات پر مسلسل و متواتر توجہ دیتا رہے۔"

یہ باتیں سُن کر نوشیرواں بولا کہ یہ باتیں سیاست ملوکیہ کے جملہ امور کی جامع اور ان سب کا مکمل طور پہ احاطہ کرتی ہیں، انہیں سنہری حروف سے لکھ کر محفوظ رکھا جائے۔

خود نوشیرواں کے حکیمانہ اقوال جو محفوظ رہ گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب اس سے خزائن کی معموری اور ان کے مصارف کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا:

"خزانوں سے ملکی مصارف کے لیے جو کچھ لیا جائے وہ حد اعتدال سے کبھی بڑھنے نہ پائے نہ کوئی انہیں اپنی وراثت یا ذاتی ملکیت سمجھے۔ اگر اس کے خلاف ہو تو پایان کار تباہی و بربادی کا

سامنا ہوگا۔"

نوشیرواں سے ایک بار پوچھا گیا کہ طویل العمر اشخاص کن لوگوں کو سمجھا جائے تو اس نے جواب دیا "طویل العمر اشخاص انہیں سمجھنا چاہیے جو علم کی فراوانی کو اپنے لیے وجہ تادیب سمجھتے رہیں اور شہرت کے بعد ان کی طبعی شرافت و خوش مزاجی میں اضافہ ہوتا رہے۔"

نوشیرواں نے ایک بار کہا: "انعام مادہ منویہ ہے اور شکر اس کی ولادت، منعم وہ ہے جو شاکر کے لیے ادائے شکر کی مزید سبیلیں پیدا کرتا رہے۔"

اس نے ایک موقع پہ کہا: "حریفوں کو پُرامن رہنے والوں سے اور جھوٹوں کو احرار سے فائدے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔

ایک بار نوشیرواں نے بزرجمہر سے پوچھا "تمہارے نزدیک میری اولاد میں ملکی اصلاحات کے سلسلے میں پیش پیش کون ہے؟"

بزرجمہر نے جواب دیا: "مجھے ان کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات تو نہیں ہیں لیکن اگر ان میں سے کوئی ملکی اصلاحات کے سلسلے میں اپنے مراتب و مدارج کے باوجود رعایا کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتا ہے، آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ مہذب و مؤدب ہے، آپ کی رعایا اسے سب سے زیادہ پسند کرتی ہے کیونکہ وہ اس پہ رحم کرنے کا عادی ہے، وہ ان میں یعنی آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ ظلم کے خلاف ہے تو وہ بھی یقیناً آپ کی ان جملہ صفات کا عکاس ہے تو بس اس کے بعد موجودہ بادشاہ یعنی آپ ہی کو قابل تعریف سمجھتا ہوں۔

ہم نے اس سلسلے میں یعنی سیاست ملوکیہ کے بارے میں حکمائے فارس اور ان کے اسلاف نیز حکمائے یونان میں سے افلاطون کی کتاب "سیاست مدینہ" کے متعلقہ اقتباسات اپنی کتاب "الزلف" میں نقل کر دیے ہیں۔

بزرجمہر بیان کرتا ہے: "میں نے نوشیرواں میں دو خصلتیں ایسی پائیں جو ایک دوسری کی متضاد تھیں۔" اس کے بعد وہ ان کی مثال دے کر کہتا ہے: ایک دن نوشیرواں میری موجودگی میں کچھ لوگوں سے خاص امور پہ گفتگو کر رہا تھا کہ اس کے اہل خانہ میں سے اس کا ایک قریب ترین اس مجلس میں داخل ہوا۔ ایک وزیر نے اسے حیرت سے دیکھا لیکن نوشیرواں نے اسی وقت ایک فرمان کے ذریعہ اس قریب ترین شخص کے سرکاری رتبے میں ایک سال کے لیے مستقل کمی کر دی لیکن ایک دوسرے موقع پہ جب کہ میں اور بادشاہ یعنی نوشیرواں بعض خاص ملکی امور پہ رازداری کے ساتھ باہم صلاح و مشورہ

کر رہے تھے کہ پسِ پشت پردے کے دوسری طرف سے خدام شاہی کی گفتگو کی آواز آئی اور جب وہ زور سے بولنے لگے تو بیں نے بادشاہ کو اشارے سے اس طرف متوجہ کیا لیکن انھوں نے مسکرا کر فرمایا: "ان کی بات رہنے دو، ہم اپنی رعایا کے بادشاہ ہیں لیکن یہ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہمارا شمار ان کی رعایا میں ہے کیونکہ ہمیں خلوت تک میں ہمیشہ ان کی امداد کی ضرورت رہتی ہے، لہٰذا ان سے بچاؤ یا احتراز کس طرح ممکن ہے؟"

نوشیرواں کا ایک قول یہ ہے: ملک کی سلامتی و استحکام لشکر سے ہے، لشکر کا استحکام مال سے ہے، مال کی فراہمی خراج پر منحصر ہے، خراج کی بنیاد مملکت کی تعمیر پر ہے، تعمیر مملکت کا انحصار عدل پر ہے، عدل اصلاح عُمّال پر مبنی ہے، عُمّال کی اصلاح وزیروں کی استقامت پر منحصر ہے اور اس سلسلے میں سب سے اہم چیز جو تمام چیزوں کی راس ہے وہ بادشاہ کا اپنی ذات و اقتدار کا احتساب ہے اور اس کی تادیب تاکہ یہ دونوں اس کے قابو میں رہیں نہ یہ کہ وہ ان کے قابو میں آجائے۔" اس نے یہ بھی کہا ہے کہ "بادشاہ کا عدل دنیا بھر کی سرسبزی[۱] سے زیادہ مفید ہے۔"

یہ بھی نوشیرواں ہی کا قول ہے کہ کثرت عساکر (ملکی سلامتی کے علاوہ) رعایا کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی کارآمد ہے اور یہ قول بھی اسی سے منسوب ہے کہ "دورِ مسرت پلک جھپکتے ہی گزر جاتا ہے لیکن مصیبت کے دن مہینوں ٹالے نہیں ٹلتے۔"

نوشیرواں کے اخلاق، عدل و احسان، ملکوں ملکوں اس کے سیر و سفر، شہر شہر محلوں اور قلعوں کی تعمیرات اور اس کی محاربات کی بابت اور بہت کچھ لکھا گیا ہے جو ہم نے اس کے حالات و کوائف کے تحت اپنی پچھلی کتابوں میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

ہرمز بن نوشیرواں

نوشیرواں کے بعد اس کا بیٹا ہرمز بن نوشیرواں بن قباذ فارس کا بادشاہ ہوا۔ اس کی ماں فاقم ترک بادشاہ خاقان کی بیٹی تھی لیکن کچھ لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ملوک خزر میں سے کسی بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کی مدت حکومت بارہ سال رہی۔ وہ خواص کے ساتھ متحمل لیکن عوام کی طرف مائل اور ان کے لیے باعث تقویت تھا۔ اہل ثروت کو دبا کر رکھتا تھا مگر عوام کے ساتھ نرمی برتتا تھا۔ کہتے ہیں اس نے اپنی حکومت کے گیارہ سال کے اندر اندر تیرہ ہزار خاص خاص مرد قتل کیے لیکن بارھویں سال ملک میں اس کی مخالفت شروع ہو گئی، اس کے اور اس کے عُمّال کے

---

[۱] بعض نسخوں میں خصب کی جگہ عدل لکھا ہے (مترجم عربی)

احکام کو نظر انداز کیا جانے لگا جس سے تمام پچھلی قابل قدر روایات مٹتی چلی گئیں۔ اسی سال اس پر شابہ بن شبب[1] نے چار ہزار ترکی سپاہ لے کر حملہ کیا اور ہرات و بدغیس[2] بلکہ سرزمین خراسان میں بوشنج تک بڑھتا چلا آیا اس کے ساتھ سرزمین خزر کے طرخانی بھی ایک عظیم تر لشکر شامل ہو گئے اور وہاں سے درمیانی علاقوں میں قتل و غارت کا طوفان برپا کرتے اور وہاں کے حکمرانوں کو سرنگوں بلکہ اکثر کو تہ تیغ کرتے جبل قبخ کے متصل علاقے تک آپہنچے۔ شابہ بن شبب نے اس طرح اپنا لشکر بڑھاتے بڑھاتے اسی ہزار تک کر لیا اور قیصر کی طرح عرب میں یمنی علاقوں تک چڑھ دوڑا جہاں اس وقت قبائل قحطان و معد کے سردار احول اور عمر الافوہ حکمران تھے۔ وہ ہرمز کو بھی احکام بھیجنے لگا اور اس کے بہت سے علاقائی حاکموں اور دوسرے عہدہ داروں کو اپنے ساتھ ملا کر اس پر رعب جمانے لگا جس سے اس کا اقبال بڑھتا چلا گیا لیکن کچھ دنوں بعد بہرام[3] چوبیں حاکم رے[4] اس کے مقابل آیا۔ یہ بہرام بن چوبیں بن بلا دانوش کی نسل سے تھا، وہی انوش جو عموماً رام کے نام سے مشہور ہے۔ اتفاق سے اس وقت شابہ بن شبب کے ساتھ وہی پہلا چار ہزار کا لشکر تھا جب کہ بہرام بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر اس کے مقابل آیا تھا۔ پہلے تو کچھ دن بہرام کی طرف سے شابہ کے نام تہدید اور ملامت آمیز خطوط اور اپنے لشکر کی بہتر تنظیم میں لگ گئے لیکن اس کے بعد بہرام نے اس پر بھرپور حملہ کر کے اسے شکست دی اور اس کا سر کاٹ کر ہرمز کے پاس بھیج دیا، نیز اس کے لشکر کو تتر بتر کر کے اس کا سارا مال و اسباب اپنے قبضے میں کر لیا شابہ کا بیٹا برموده ہرمز کے حکم سے کسی قلعے میں قید تھا اسے فارس کے دربار میں حاضری کا حکم دیا گیا اور جب وہ وہاں پہنچا تو اس کے باپ کا جو مال و منال اپنے قبضے میں کر لیا تھا وہ ہرمز نے اسے واپس دے دیا۔ تاہم بہرام نے وہ تمام زر و جواہر جو برموده کے باپ شابہ نے سیاوخش سے حاصل کیا تھا یا بلخ میں بہراسف اور لہراسف کے خزانوں اور ان کے اسلاف کے قیمتی خزانوں سے ترکوں نے لوٹا تھا اپنے قبضے میں رکھا۔ اس پر ہرمز کے کسی وزیر نے حسد کرتے ہوئے اسے بہرام کے خلاف بھڑکایا اور اس پر غاصب ہونے کا الزام لگایا لیکن بہرام اس سے زیادہ ہوشیار تھا۔

---

[1] بعض نسخوں میں شیابہ بن شیب لکھا ہے۔

[2] بعض نسخوں میں بلاد ہرات و بلیسی لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] و [4] بعض نسخوں میں "بہرام چوبیں مرزبان رے" کی جگہ بہرام گور بن مرزبان لکھا ہے۔
(مترجم عربی)

اس نے کچھ تاجروں سے ہرمز کے بیٹے کسریٰ پرویز کے نام سے ہزاروں ایسے سکے ڈھلوائے جن پر پرویز کا نام کندہ تھا اور انہیں لا کر ہرمز کے محل کے دروازے پر ڈھیر کر دیا اور ہرمز سے کہا کہ شابہ سے حاصل کردہ مال غنیمت اس سے اس کے بیٹے پرویز نے جبراً لے لیا ہے جب کہ وہ اسے بادشاہ کی نذر کرنا چاہتا تھا۔ بہرام کی اس چال سے اس کی طرف سے ہرمز کے دل میں جو شک تھا وہ جاتا رہا اور وہ اپنے بیٹے پرویز سے بدظن ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ بہرام باوفا ہے لیکن خود اس کا بیٹا اس کے خلاف باغی ہو کر اسے قتل کرنے پر آمادہ اور فارس کا تخت و تاج اس طرح حاصل کرنا چاہتا ہے اس نے پرویز کو قید خانے میں محبوس کر کے اس پر بھاری پہرہ لگا دیا لیکن فارس کے اکثر صاحب ثروت واقتدار خواص جو پہلے ہی اپنے عزیز واقارب کے قتل کی وجہ سے ہرمز کے خلاف تھے، اس کے بیٹے پرویز کی حمایت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے اسے کسی نہ کسی طرح خفیہ طور پر قید سے رہا کرا لیا۔ قید سے چھوٹ کر پرویز نے سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ اس نے اپنے باپ ہرمز کی دونوں آنکھیں نکلوا کر اسے ہمیشہ کے لیے اندھا کر دیا۔ تاہم ہرمز کا وہ بلند و سنگین مجسمہ جس میں فارس کے ماہر سنگتراشوں نے اسے اپنے مشہور گھوڑے شب دار[1] پر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سوار دکھایا ہے اب تک عجائب روزگار میں شمار ہوتا ہے اور دیکھنے والوں کو بلحاظ صنعت سنگ تراشی حیرت میں ڈالتا ہے۔

کسریٰ پرویز کچھ دنوں اپنے باپ کے گھوڑے شب دار پر سواری کرتا رہا، پھر کچھ سوچ کر اس کی لگام کاٹ ڈالی اور جس نے اس کا ساز و براق اور لگام تیار کی تھی اسے بلا کر چاہا کہ اس کی گردن مار دے تاکہ ہرمز کی شان و شوکت سے منسوب ہر علامت ختم ہو جائے لیکن اس نے دست بستہ عرض کیا " بادشاہ سلامت! اب یہ گھوڑا اور میں ہی کیا بلکہ سارے فیل و خدم و حشم حضور کی ملکیت ہیں۔ اگر جہاں پناہ! اس گھوڑے اور مجھے ختم کر دیں گے تو آپ کے نئے گھوڑے کے لیے ایسے بلکہ ان سے بہتر کو لگام اور ساز و براق تیار کرنے والا حضور کو کوئی دوسرا نہ ملے گا" یہ سن کر پرویز نے نے اسے معاف کر دیا اور جانے کی اجازت دے دی۔

کسریٰ پرویز جب اپنے باپ ہرمز اور دادا نوشیرواں کی طرح عراق کی جانب بڑھا تو ایک معرکے میں اس کا سامنا نعمان سے ہوا جو اپنے گھوڑے یحموم پر سوار تھا اور شجاعت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ ادھر پرویز بھی داد شجاعت دے رہا تھا لیکن اسی معرکے میں ایک ایسا موقع آیا کہ نعمان اور اس کے فوجی سپاہی اسے قتل کر دیتے۔ ہرمز

---

[1] بعض نسخوں میں المعروف بہ شب دار کی جگہ المعروف لبشیدار لکھا ہے (مترجم عربی)

اس وقت شب دار پر سوار تھا جو ہر طرف اپنی چال ڈھال میں ہر گھوڑے سے نمایاں تھا۔ اسی وقت حنظلہ بن حبہ طائی اپنا گھوڑا "ضبیب" اس کے برابر لایا اور بولا: "حضور! آپ کی جان جو میری جان سے زیادہ قیمتی ہے اس وقت سخت خطرے میں ہے، بہتر ہے کہ آپ اپنا گھوڑا فوراً میرے گھوڑے سے بدل لیں اور فی الوقت میدانِ جنگ سے چلے جائیں۔ پرویز کا زود فہم ذہن حنظلہ کی بات پا گیا، چنانچہ اس نے وقتی طور پر حنظلہ کی درخواست پر عمل کرنا بہتر سمجھا اور اس کے بعد اس نے ہمیشہ حنظلہ کے ساتھ مراعات سے کام لیا۔

حنظلہ نے اس واقعے کے بارے میں دو شعر بھی کہے تھے جو یہ ہیں:۔

"میں نے کسریٰ کو ضبیب دے دیا — میں اسے دشمنوں میں کیسے چھوڑ دیتا
میں نے اسے اپنا گھوڑا دے کر — ترکوں اور دانٹوں کی یلغار سے بچا لیا"

پرویز نے بھی اس عظیم واقعے کے صلے میں حنظلہ کو مالا مال کر دیا۔ جب وہ مذکورہ بالا معرکے میں ہزیمت کے بعد اپنے باپ ہرمز کے پاس پہنچا تو اس سے کہا: "اب میں قیصر سے کمک مانگوں گا۔" ایسے موقعوں پر پہلے ملوک ایک دوسرے کی مدد کر دیا کرتے تھے۔

اب کے پرویز عراق کی طرف بڑھا تو اس کے ساتھ فارس کے کچھ خواص کے علاوہ اس کے ماموں بسطام اور بندویہ بھی تھے۔ اس نے دریائے دجلہ عبور کرنے کے بعد اس کا پل پشت کی طرف سے بہرام کے حملے کے خوف سے توڑ دیا، حالانکہ اس کے مذکورہ بالا دونوں ماموں اور دوسرے مشیر اس کے خلاف تھے، پرویز نے جب ان سے اس مخالفت کا سبب پوچھا تو وہ بولے: "بہرام نے تو اب تک آپ کے والد کو تخت پر بٹھا کر اس کے سر پر تاج شاہی بھی رکھ دیا ہو گا۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اہل فارس کی اکثریت کے علاوہ شام میں اہل دمشق بھی اسے اب تک شاہی مراتب کے اعتبار سے "ہرمزان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔" اور واقعہ بھی یہی تھا کہ روم و شام کے لوگ سلطنت کے وزیر اعلیٰ کو امیر الامرا اور بادشاہ کو "ہرمزان" کہتے تھے۔

کسریٰ پرویز نے عراق کی طرف بڑھتے ہوئے جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اپنے باپ ہرمز سے کہا تھا کہ اب وہ قیصر سے فوجی امداد طلب کرے گا لیکن ابھی وہ اس پر عمل پیرا ہونے نہ پایا تھا کہ بہرام نے قیصر کو لکھ دیا کہ پرویز نے ہرمز کو قید میں ڈال کر اس کی آنکھیں نکلوا لی ہیں اور خود زبردستی بادشاہ بن بیٹھا ہے۔ اس لیے جب پرویز نے عراق کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے اس سے امداد طلب کی تو اس نے چپ سادھ لی۔ پرویز کو کسی طرح بہرام کی اس سازش کا پتہ چلا تو اس نے پہلے بہرام سے نمٹنے کی ٹھانی۔ بہرام سے اس کے کئی مقابلے بھی ہوئے لیکن بعد میں "کچھ لو اور کچھ دو" پر بات ختم ہو گئی۔

لیکن پرویز بالاہی بالا ہاتھ پاؤں مارتا رہا اور موقع پاکر اس نے ہرمز ہی کو ٹھکانے لگا دیا جس کی آڑ لے کر بہرام اس کے مقابل آیا تھا، چنانچہ اب بہرام بے بس ہو گیا۔ یہ سب خبریں روم پہنچ رہی تھیں جہاں اب قیصر کے بعد موریقس نے عنان حکومت سنبھال رکھی تھی۔ ہرمز کی بے بسی، اس کے انجام اور اس سے قبل نوشیرواں کی شان و شوکت اور جاہ و جلال سے متاثر ہو کر ورقہ بن نوفل نے یہ اشعار کہے تھے:۔

"ہرمز کو اس کے خزائن کچھ نہ دے سکے ۔۔۔ ہر شخص کو دنیاوی مال و متاع کو خیرباد کہنا ہی پڑتا ہے
سلیمان کے حکم سے کبھی ہوا چلتی تھی ۔۔۔ اور جن و انس پرواز کرتے تھے مگر اب؟"

بہرام چوبین بھی دیسے پرویز سے غافل نہ تھا۔ وہ نہروان سے مدائن پہنچا اور وہاں سے ترکی بادشاہ کے پاس امداد طلب کرنے کے لیے چلا گیا، اس کے ساتھ ترکی سلطان کی بہن کردیہ بھی تھی جس نے اب فارسی وضع قطع اختیار کر لی تھی اور پہلے ہی بہت سے معرکوں میں بہرام کے ساتھ رہ چکی تھی۔ ادھر پرویز نے بہرام کے فارس سے دور چلے جانے سے فائدہ اٹھا کر ایک بار پھر شاہِ روم موریقس سے رابطہ قائم کیا اور اسے لکھا کہ بہرام نے ترکی بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کی بیٹی سے شادی رچا لی ہے اور یہ کہ وہ اس سے امداد لے کر فارس و عراق پر حملہ آور ہونے والا ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔ وہ فارس و عراق کو روندتا ہوا آپ کے علاقوں پر بھی چڑھائی کر دے۔ اس شاہی مراسلے کے ساتھ جو اس نے اپنے ماموں بسطام کے ہاتھ بڑے خفیہ طریقے پر موریقس کو بھیجا بے شمار قیمتی تحائف اور زر و جواہر کے علاوہ لاتعداد حسین لڑکیاں بھی اسے بھیجیں جن کی جواہرات سے مرصع پوشاکیں اور زیورات دیکھنے والوں کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کرتی تھیں۔

اور جب موریقس کی طرف سے جوابی تحائف اور فوجی کمک لے کر خود اس کی بیٹی پرویز کے پاس پہنچی اس پیشکش کے ساتھ کہ وہ چاہے تو اسے اپنے حرم میں داخل کر لے تو اس نے موریقس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے لکھا کہ وہ بہادروں کی طرح بہادروں سے امداد طلب کرتے ہیں ان کی بیٹیاں نہیں۔ اس نے موریقس کی بیٹی کو مزید بے شمار تحائف کے ساتھ اور بڑے احترام سے رخصت کیا اور امدادی لشکر کو بھی دولت سے مالا مال کر دیا۔ اس نے موریقس کو یہ بھی لکھا کہ اس کے باپ ہرمز کو اندھا کرنے اور اسے قتل کرنے میں بھی بہرام ہی کا ہاتھ تھا۔ بہرام کا حال ہرمز سے بھی برا ہوا۔ اس کے حسب و نسب اور اس کے مقتل کے بارے میں بہت سی کہانیاں اب تک فارس میں مشہور چلی آتی ہیں۔

پرویز اور بزرجمہر

نوشیرواں کے بعد پرویز کا مشیر سلطنت، اس کا مدبر ترین مصاحب اور حکومت کا وزیر اعلیٰ اگر کوئی ہو سکتا تھا تو وہ بزرجمہر بن بختکان ہی تھا اور وہی اس کم

سے زیادہ اثر انداز رہا لیکن پرویز نے اس کے حکیمانہ مشوروں سے مستفید و مستفیض ہونے کے باوجود اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ عبرت ناک ہے، اس نے اس کو نہ صرف قید میں ڈالا بلکہ اس کی ناک کے ساتھ اس کے ہونٹ بھی کٹوا لیے اور اسے کہلوایا کہ یہ اس کے عقل و ادراک کا ثمرہ ہے۔ پرویز نے بزرجمہر پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ مذہب تبدیل کر کے زندیقوں سے مل گیا ہے اور حکومت کے خلاف بغاوت کرانا چاہتا ہے۔ بزرجمہر نے اسے کہلوایا "میرے عقل و ادراک کے فوائد اور ان کے ثمرات سے تیرا دادا نوشیرواں پوری طرح واقف تھا، اگر آج وہ زندہ ہوتا تو وہ ان کے بارے میں تجھے بتاتا کیونکہ وہ زندگی بھر ان سے مستفید ہوتا رہا بلکہ تو نے بھی ان سے اب تک اکثر فائدہ اٹھایا ہے، تیری طرف سے اس کا یہ جواب حیرت ناک ہونے کے علاوہ تیری فطری خباثت اور بدطینتی کی شہادت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" پرویز یہ سن کر طیش میں آگیا اور اس نے بزرجمہر کی گردن مارنے کا حکم دے دیا مگر جب اس کے دوسرے وزیر ادریس[1] نے بزرجمہر کی عقل و حکمت اور اس سے حکومت فارس کو جو بڑے بڑے فائدے پہنچے تھے پرویز کو تدبر اور نرمی کے ساتھ بتائے تو وہ نادم ہوا اور اظہار افسوس کرنے لگا لیکن اس سے قبل بزرجمہر نے اپنے قتل کے وقت جو اسے برا بھلا کہا تھا اس پر غضب ناک ہو کر وہ اس کی لاش کے ٹکڑے کرا کے دریائے دجلہ میں ڈبوا چکا تھا۔ بزرجمہر کے حکیمانہ اقوال جن میں سے کچھ ہم زیر نظر کتاب میں پہلے نقل کر چکے ہیں اور اس کی بیان کردہ سبق آموز حکایات اب تک بعض اہل فارس کے پاس محفوظ چلی آتی ہیں۔ ان کا ہم نے اپنی کتاب "کتاب الاوسط" میں بھی ذکر کیا ہے۔

حروب ذی قار

حروب ذی قار اُن لڑائیوں کو کہا جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے آپ کی بعثت تک عرب اور فارس کے درمیان چالیس سال تک جاری رہیں بعض مؤرخ ان کی مدت آپ کی ہجرت مدینہ کے بعد تک بتاتے ہیں۔ بہرکیف خود آخر النبیین، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک مشہور ترین لڑائی کے واقعات اور اس کے نتائج و عواقب سے ایک روز لوگوں کو آگاہ فرمایا تھا۔ یہ لڑائیاں عرب کے بکر بن وائل اور فارس کے ایک علاقے کے حکمران ہرمزان کے درمیان ہوئی تھیں اور ان کا آخری زمانہ کسریٰ پرویز ہی کا زمانہ تھا۔ ان لڑائیوں کے تفصیلی حالات ہم اپنی پچھلی کتاب "کتاب الاوسط" میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی لیے ہم نے یہاں

---

[1] بعض نسخوں میں "ارنوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

ان کی تکرار سے گریز کیا ہے۔

فارس میں نبوّت فارس میں کسریٰ پرویز کے دوران حکومت کچھ ایسے حادثات بھی پیش آئے[1] جن کا تعلق نبوت اور اس کے تحت نذرات و بشارت سے تھا۔ کسریٰ ہی نے عبدالمسیح بن بقیلہ غسانی کو سرکاری کاہن مقرر کیا تھا جس نے اسے سدِّ موندان اور ایوان نوشیرواں نیز بحیرۂ ساوت وحدود سماوات کے بارے میں کچھ من گھڑت باتیں بتائی تھیں۔

کسریٰ پرویز کی بھی اپنے دادا نوشیرواں کی طرح نو مہریں تھیں جو اس کے احکام اور امور سلطنت کے دوسرے فیصلوں وغیرہ پر اس کے دستخطوں کے نیچے ثبت کی جاتی تھیں۔ پہلی مہر چاندی کی تھی جس میں سُرخ یاقوت جڑا ہوا تھا جس پر کسریٰ کی تصویر تھی اور اس کے چہار جانب اس کے یعنی کسریٰ کے اوصاف درج تھے۔ اس کا حلقہ ایسے مضبوط مگر پتلے چمڑے کا تھا جس پر شاہی مراسلات اور عہدنامے و معاہدے وغیرہ لکھے جاتے تھے۔ دوسری مہر عقیق تراش کر بنائی گئی تھی، اس پر خراسان کا نقشہ تھا اور چار جانب کچھ تذکرات تحریر تھے۔ تیسری مہر سفید و سیاہ پتھر سے تراشی گئی تھی، اس پر فارس کا مختصر نقشہ تھا، اس کا حلقہ سونے کا تھا اور اس پر ڈاک کے علامتی نقوش کندہ تھے۔ چوتھی اور پانچویں مہر بھی پہلی مہر کی طرح یاقوت کی تھی، اس کا حلقہ سونے کا تھا۔ اس مہر پر ایسی عبارت تحریر تھی جو سزاؤں کی معافی سے متعلق تھی اور یہ مہر اسی کام آتی تھی۔ چھٹی مہر یاقوت بہرمان کی تھی جو سب سے زیادہ قیمتی اور صاف شفاف ہوتا تھا۔ اس کا نقشہ نقشۂ آزادی فارس سے متعلق تھا اور خوشی و خرمی کی علامت تھا اور اس مہر میں موتی جڑے ہوتے تھے۔ یہ مہر خزائن و مالیات سے متعلق امور پر لگائی جاتی تھی چھٹی مہر بھی ایسی ہی تھی اس پر عقاب کی تصویر تھی، اس کا حلقہ سیاہ فولاد کا تھا۔ یہ مہر ان شاہی مراسلات پر لگائی جاتی تھی جو دوسرے ممالک کے بادشاہوں کو لکھے جاتے تھے۔ ساتویں مہر پر جنگلی بیل کی تصویر تھی۔ یہ مہر کھانوں کی سربند قابوں پر لگائی جاتی تھی اور اس بات کی تصدیق تھی کہ یہ کھانے زہر وغیرہ سے محفوظ ہیں۔ آٹھویں مہر لوہے کی تھی اور ان مضروب پر لگائی جاتی جن میں لوگوں کو سزائے قتل کا حکم درج کیا جاتا تھا۔ نویں مہر ان ملبوسات کے لیے تھی جو حمام میں رکھے تھے اور اس بات کی علامت تھی کہ یہ ملبوسات ہر مضر صحت چیز سے مبرا ہیں۔

کسریٰ پرویز کی دولت کسریٰ پرویز کے پاس بے شمار دولت تھی جس میں زر و جواہر کے انبار

---

[1] بعض نسخوں میں "کانت حوادث" کی جگہ حدثت حوادث لکھا ہے (مترجم عربی)

کے علاوہ ایک ہزار ہاتھی، ہزاروں لاکھوں گھوڑے اور اونٹ نیز دوسرے جانور تھے۔ اسے ہاتھیوں کا خاص طور پر شوق تھا۔ ہندی ہاتھی دیکھ کر وہ کہا کرتا تھا کہ کاش ایسے ہاتھی فارس میں پیدا ہوا کرتے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کسریٰ پرویز کا بھی وہی حشر ہوا جو اس نے اپنے باپ ہرمز کا کیا تھا۔ اس کی آنکھیں نکالے جانے اور اس کے قتل کے وقت اس کی حکومت کے اڑتیس سال ہو چکے تھے۔

ملک قباد

پرویز کے بعد اس کا بیٹا قباد اسی طرح حکومت پر قابض ہوا جس طرح اس کا باپ ہوا تھا یعنی اپنے باپ پرویز کی آنکھیں نکلوا کر اور اسے قتل کر کے۔ قباد تواریخ میں شیرویہ کے نام سے مشہور ہے۔ اہل فارس اسے مشئوم[1] بھی کہتے تھے۔ اس کے زمانے میں اس کے مقبوضہ ممالک عراق وغیرہ میں ایسا طاعون پھیلا تھا جس سے ایک لاکھ آدمی مر گئے تھے۔ بعض مؤرخین نے ان مرنے والوں کی تعداد بلحاظ اعداد و شمار ان ممالک کی نصف آبادی اور بعض نے تہائی آبادی بتائی ہے شیرویہ کی حکومت اس کی ہلاکت کے وقت صرف ایک سال اور چھ مہینے ہوئی تھی۔ پرویز اور اس کے بیٹے شیرویہ کے بارے میں مختلف کتابوں میں عجیب و غریب دوسرے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن کا ذکر ہم اپنی پچھلی دو کتابوں میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

ملک اردشیر

شیرویہ کے بعد اس کا بیٹا اور سلطنت کا ولی عہد "اردشیر" بادشاہ ہوا جس کی عمر تاجپوشی کے وقت کل سات سال تھی۔ اس کے فوراً بعد شہریار جو شام کے شہر انطاکیہ کا حاکم تھا اور جس کا ذکر پرویز کے ساتھ پہلے آ چکا ہے دار الحکومت پہنچا اور اردشیر کو قتل کر دیا اردشیر کی حکومت کل پانچ مہینے رہی۔

شہریار

اردشیر کو قتل کر کے شہریار صرف بیس دن حکومت کر سکا کیونکہ اسے پرویز کی بیٹی ارزمی دخت[2] نے قتل کر دیا تھا۔ بعض مؤرخین نے شہریار کی مدت حکومت دو مہینے اور بعض نے کچھ اور بتائی ہے۔

بادشاہ کسریٰ

شہریار کے بعد کسریٰ بن قباد بن پرویز فارس کا بادشاہ ہوا۔ بعض مورخین نے اسے پرویز کا بیٹا بتایا ہے۔ جب اس کی حکومت کا اعلان ہوا وہ اس وقت ترکی علاقے کے نواح میں تھا۔ وہ وہاں سے دار الحکومت کی طرف آ رہا تھا کہ اسے راستے ہی

---

[1] بعض نسخوں میں غشوم لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض نسخوں میں "آزرمی دخت" لکھا ہے (مترجم عربی)

میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی حکومت کے اعلان کو اس وقت صرف تین مہینے ہوئے تھے۔

ملکہ بوران کسریٰ کے بعد پرویز کی بیٹی "بوران" نے فارس کی حکومت سنبھالی مگر اس کی حکومت بھی صرف ایک سال چار ماہ رہی۔ اس کے بعد پرویز کی ایک دوسری بیٹی ارزمی دخت جس کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے تخت پر بیٹھی لیکن اس کی حکومت بھی کل ایک سال چار مہینے چلی پھر سابور کی اولاد میں سے "خشنشدہ" نے دو ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد فرحاد خسرو[1] کی حکومت کا اعلان کیا گیا، وہ ابھی بچہ تھا یعنی اس کا لڑکپن ہی تھا۔ چنانچہ وہ صرف ایک ماہ یا صرف چند مہینے بادشاہ کہلایا۔

یزدگرد فرحاد خسرو کے بعد یزدگرد بن شہریار بن کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں بن قباد بن فیروز بن بہرام بن یزدگرد بن سابور بن ہرمز بن سابور بن اردشیر بن بابک بن ساسان بادشاہ ہوا جو ملوک ساسان کا آخری بادشاہ تھا۔ جب وہ خراسان کے شہر مرو میں قتل ہوا اس وقت اس کی حکومت بیس سال ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو سات سال چھ ماہ گزر چکے تھے اور ہجرت کا اکتیسواں سال تھا۔ یزدگرد کے دورِ حکومت اور اس کے مقتل کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ملوکِ فارس کی کل تعداد اسی بتاتے ہوئے المسعودی لکھتے ہیں:۔

"مورخین کے بیانات اور دوسری تاریخی کتابوں نیز سیر الرجال پر اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ملوک فارس کا زمانہ آغاز سال ہجری اسلامی تک تین ہزار چھ سو نوے سال پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) کیومرث سے لے کر منوچہر تک	۱۹۲۲	سال
(۲) منوچہر سے زرتشت تک	۵۸۳	"
(۳) زرتشت سے سکندر اعظم تک	۲۵۸	"
(۴) سکندر اعظم کی فارس میں حکومت	۵	"
(۵) سکندر سے اردشیر تک	۵۱۷	"
(۶) اردشیر سے آغاز سال ہجری اسلامی تک	۴۰۴	"

اس کے بعد المسعودی رقم طراز ہیں:۔

"ہم آگے چل کر اس کتاب میں حسب موقع ذکر ہجرت، خلافت ابوبکر، اس کے مابعد زمانۂ خلافت

---

[1] بعض نسخوں میں "فرخ زاد خسرو" لکھا ہے (مترجم عربی)

ملوک بنی اُمیہ اور ملوک بنو عباس کے حالات و کوائف علاوہ پوری تاریخ عالم ، حالات انبیاء و ملوک عالم پر کسی قدر اور روشنی ڈالیں گے ، اس کے لیے ہم نے زیر نظر کتاب کے آخر میں ایک الگ باب "ذکر تاریخ الثانی" کے نام سے مختص کر رکھا ہے ۔"

یہاں ملوک فارس کے بعد اب ہم ملوک یونان ، ان کے انساب اور حالات و کوائف قلمبند کریں گے ۔

ملوکِ یونان، ان کے انساب اور حالات و کوائف

یونانیوں کی اصل و بنیاد

یونانیوں کی اصل و بنیاد، ان کے انساب اور اسلاف کے متعلق مورخین میں باہم بڑے اختلافات ہیں۔ ان کا ایک گروہ کہتا ہے کہ وہ اصلاً رومی ہیں اور مزید یہ کہ وہ نسلاً حضرت اسحٰقؑ کی اولاد میں سے ہیں جب کہ ایک دوسرے گروہ کے نزدیک وہ ابن یافث بن نوح کی نسل سے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان کا تعلق آراش بن ناواںؔ[1] کی نسل سے ہے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ ازمنۂ اولیٰ کی کسی قدیم نسل سے ہیں اور ان کا گمان یہ ہے کہ رومی و یونانی بلحاظ نسب ایک ہی ہیں، نیز یہ کہ ان دونوں کے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم تھے۔ یہ لوگ اپنے اس گمان کی بنیاد اس بات کو ٹھہراتے ہیں کہ رومی و یونانی دونوں میں طبائع، عادات و خصائل اور مذہب کا اشتراک ہے۔ وہ انہیں لسانی طور پر بھی ایک ہی بتاتے ہیں حالانکہ یہ سب باتیں صریحاً غلط معلوم ہوتی ہیں، وجہ یہ کہ نہ رومیوں کی طبائع اور عادات و خصائل یونانیوں جیسی ہیں نہ ان کے مذاہب یونانیوں جیسے لسانی اعتبار سے بھی وہ دونوں الگ الگ قومیں ہیں۔ جہاں تک رومیوں کے اظہار خیالات، فلسفۂ مذہب، اسلوب بیان اور زور خطابت کا تعلق ہے وہ ان باتوں میں سے کسی ایک میں بھی یونانیوں سے لگا نہیں کھاتے، کیونکہ رومی ان سب باتوں میں یونانیوں سے کہیں پیچھے ہیں چہ جائیکہ وہ یونانیوں کی تحریر کردہ کتابوں کے اسلوب، ان کے ارفع و اعلیٰ حکیمانہ و فلسفیانہ خیالات اور بلحاظ زبان و بیان ان کی فصاحت و بلاغت کی سطح تک پہنچ سکتے۔

ذو والعنایہ نے "اخبار المتقدمین" میں لکھا ہے کہ اہل یونان قحطان کے بھائی بندوں میں سے اور عامر بن شالغ کی اولاد میں سے ہیں۔ اپنے بھائی کے گھر سے ان کے الگ ہو جانے کا سبب یہ تھا کہ انہیں

---

[1] بعض نسخوں میں "آدران بن یاوان بن یافث" لکھا ہے (مترجم عربی)

باہم ہم نسب ہونے میں شک پیدا ہو گیا تھا چنانچہ ان کا جدّ اعلیٰ اپنے یقینی ہم نسبوں کو لے کر مشرق میں اپنے اصلی وطن سے رخصت ہو کر مغرب میں آبسا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان کے علاوہ وہ اپنی بود و باش تہذیب و ثقافت سے سب بھولتے چلے گئے اور جوں جوں ان کی نسل وہاں پھیلی اور بڑھی انہوں نے رومیوں کا طرزِ بود و باش، لباس، وضع قطع سب کچھ اختیار کر لیا اور وہ یورپی رنگ میں ایسے رنگے کہ یہ بھی قطعًا بھول گئے کہ ان کا اصلی وطن دیارِ یمن تھا لیکن وہ عرب میں اب تک یونانی اس لیے کہلاتے ہیں کہ وہ پہلا خاندان جو عرب سے انتہائے مغرب کی طرف منتقل ہوا اس کے سربراہ کا نام یونان تھا۔ یونان بڑا حسین و جمیل جسیم و فہیم، عقل و حکمت میں کامل اور ابتدا ًہی صاحب الرائے، ذہین، ذکی، کثیر الہمت اور عظیم القدر تھا۔ چنانچہ اس کی نسل بھی ان جملہ خصوصیات میں دنیا بھر میں اکمل نکلی۔

یعقوب بن اسحٰق الکندی نے یونان کے نسب کے بارے میں وہی لکھا ہے جو ہم نے ابھی بتایا یعنی وہ قحطان کے بھائیوں میں سے تھا۔ الکندی نے جو کچھ لکھا ہے اس کا ماخذ انساب عالم پر یا تو قابلِ وثوق قدیم کتابیں ہیں یا کچھ قدیم ثقہ اشخاص کے اقوال ہیں۔ اس نے عوام سے سُنی سنائی کسی بات کو مستند نہیں سمجھا۔

ابو العباس عبد اللہ بن محمد الناشی نے بھی اپنے ایک طویل عربی قصیدے میں جس میں اس نے یونانیوں کی عقل و حکمت کی حد درجہ مدح کی ہے یونان کو قحطان کا ہم نسب بتایا ہے۔

مساکنِ یونان

جب یونان کی اولاد بڑھنے لگی تو اس نے انتہائے مغرب میں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے ایک خاص خطۂ زمین منتخب کیا اور شہر اثینا میں جا ٹھہرا اس شہر اور اس کے اطراف میں اس نے اور اس کی اولاد نے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں۔ یونان نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کو مرتے وقت یہ پند و نصیحت اور وصیّت کی :۔

"میرے بیٹے! میری موت کا وقت قریب آپہنچا ہے، موت ہر انسان کو آتی ہے، اب میں تم سے تمہارے بھائیوں اور سب گھر والوں سے رخصت اور جُدا ہو رہا ہوں، میں نے ہر کڑے وقت میں عمر بھر تمہارا ساتھ دیا ہے اور ہر مصیبت میں تمہارے کام آیا ہوں ہر نشیب و فراز سے تمہیں آگاہ کیا ہے۔ اب تم میرے بعد میری طرح ہمیشہ جود و سخا سے کام لینا کیونکہ یہی ملک کی مرکزی میخ، سیاست کی کنجی بلکہ اس کا دروازہ ہے۔ لوگوں کا دل جیتنے کے لیے ہمیشہ نرمی، اخلاق اور انعام و اکرام سے کام لینا اور اسی راستے پر چلنا جس پر اہلِ عقل و حکمت چلا کرتے ہیں، میری انہیں خصوصیات کی بناء پر اب تک

تمہارا انتظام خانہ اور نظام ملکی درست اور قائم رہا ہے، یہ خصوصیات عقل و حکمت کی پیروی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور عقل و حکمت سے روگردانی کرنے والا آدمی تباہی و بربادی کا شکار ہو کر قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔"

حربوس یونان کے بعد اس کا دسب سے بڑا) بیٹا حربوس اس کا جانشین ہوا، اس کے جملہ اہل خانہ اور عزیز و اقارب اس کے ساتھ شیر و شکر اور اس کے تابع فرمان رہے۔ اسی وجہ سے یونان کی اولاد بڑھتی، پھیلتی اور پھلتی پھولتی چلی گئی یہاں تک کہ اس نے نہ صرف مقامی خطہ ارض بلکہ تمام یورپ اور قرب جوار کے ممالک نیز صقلیہ وغیرہ کے لوگوں پر تسلط حاصل کر لیا۔

فیلقوس ان کا سب سے پہلا بادشاہ جیسا کہ بطلیموس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "فیلبس" تھا جسے گھوڑے پالنے کا بہت شوق بلکہ وہ ان کا عاشق تھا۔ بعض مؤرخین نے اس کا نام "بالیس" اور بعض نے فیلقوس بتایا ہے جو سب سے زیادہ مشہور ہے۔ اس کی مدت حکومت سات سال رہی۔

بیان کیا گیا ہے کہ مشرق میں بابل سے اٹھ کر بخت نصر کے مصر، شام، عراق اور فلسطین کے علاوہ انتہائے مغرب پر فوجی حملوں اور وہاں اس کی تاراجی اور ناقابل بیان کشت و خون سے قبل یونانی فارس کو سالانہ خراج ادا کیا کرتے تھے جس میں بے شمار قیمتی تحائف کے علاوہ مرغی کے انڈوں کی شکل میں ڈھلے ہوئے اتنے ہی وزنی مہر شدہ سونے کے سکے بھی ہوتے تھے اور اس خراج کے ساتھ اظہار اطاعت کا مراسلہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن فیلقوس کے بیٹے سکندر کے دورِ حکومت میں جس کی ہمت و شجاعت اور فتوحات عالم کا ذکر بطلیموس نے اپنی کتاب میں کیا ہے جب دارا ابن دارا نے جو اس زمانے میں فارس کا عظیم الشان بادشاہ تھا پچھلی رسم کے اجرا کا تقاضا کیا تو سکندر نے اسے لکھ بھیجا کہ وہ مرغی جو پہلے ہمارے ہاں سونے کے انڈے دیا کرتی تھی آپ نے مار ڈالی ہے اور جب دارا نے اس کے ملک پر فوج کشی کی دھمکی دی تو سکندر نے ایک لشکر جرار لے کر فا[illegible] پر حملہ کر دیا اور خراسان سمیت سارے فارس کو روند ڈالا۔ اس نے فارس کو فتح کرنے کے بعد دارا ابن دارا کو قتل کر دیا اور اس کی بیٹی روشنک سے شادی کر لی۔

سکندر کی لڑائیاں اور فتوحات سکندر فارس کو فتح کرنے کے بعد ہرات کے راستے افغانستان میں داخل ہوا اور اسے تاراج و پامال کرتا ہوا ہندوستان جا پہنچا جہاں فور[illegible] دلپورس) جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور طاقتور حکمران تھا

اس کے مقابل آیا لیکن سکندر نے اس کے لاتعداد لشکر اور جنگی ہاتھیوں کے باوجود اسے بھی شکست فاش دی جس کے بعد وہ نہ صرف چین بلکہ تبت کے بلند و بالا پہاڑوں میں قائم شدہ قدیم و مضبوط حکومت تک پر بھی دھاوا بولتا چلا گیا۔ اس نے ان فتوحات کے ذریعہ مال و دولت اور زر و جواہر کے انبار لگا لیے لیکن جب وہ مذکورہ بالا ممالک کی فتوحات کے بعد فارس کے راستے اپنے دار الحکومت کی طرف واپس آرہا تھا تو چند روزہ شدید علالت کے بعد راستے ہی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر چھتیس سال تھی۔

سکندر کی لاش یونان لا کر حنوط کی گئی اور اس کے لیے سونے کا جواہرات سے مرصع تابوت تیار کیا گیا۔ اس کی تدفین کے بعد اس کی قبر پہ کہنی تک سونے میں ڈھلا ہوا ایک ہاتھ رکھا گیا جو آسمان کی طرف اُٹھا ہوا تھا۔ اس کی لاش پہ یونان کے بہترین حکما جمع تھے۔ ان میں سے کم سے کم تیس بتیس حکماء نے اس کی ہمت و شجاعت، بہادری و دلیری، جسمانی توانائی شہ زوری و شہسواری اور زر و جواہر کے ذخائر پہ اپنے اپنے الفاظ میں بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ یکے بعد دیگرے اظہار خیال کیا لیکن اس کے حسرت ناک انجام پہ جو کچھ آخر میں انھوں نے کہا اس کا لب لباب یہ تھا کہ دنیا فانی اور بے ثبات ہے اور ہر انسان خواہ زندگی میں کتنا ہی کرّ و فر، جاہ و حشم اور مال و دولت رکھتا ہو موت کے آگے بے بس ہے اور دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔

سکندر کی ماں جب بیٹے کی لاش پہ آئی تو اس نے حکماء کی پُر مغز باتیں سُن کر کہا:۔

آپ لوگوں کی باتوں میں حقائق سے زیادہ طعن و تشنیع کی آمیزش ہے" اس نے سکندر کی قبر سے سونے کا ہاتھ بھی ہٹوا دیا اور اس کا سونے کا مرصع کٹہرا ہٹوا کر بیٹے کی قبر سنگ مرمر اور سنگ رخام سے از سر نو تعمیر کرائی۔ اس کی بیوی روشنک نے بھی اپنی خوشدامن کے خیالات سے اتفاق کیا۔ تاہم سکندر کی موت پہ اس کی بے نظیر فتوحات اور یونان میں اس کے حاصل کردہ خزانوں اور زر و جواہر کے انبار کے پیش نظر رنج و ملال سے زیادہ اظہار مسرت دیکھنے میں آیا تھا۔ اس کی قبر اسکندریہ میں ہے جہاں سے آج تک یعنی ۳۳۳ھ تک بعض لوگوں کے مطابق سنگ مرمر اور سنگ رخام بیرونی دنیا کو برآمد کیے جاتے ہیں لیکن اس کی قبر کے لیے مصر سے لائے گئے تھے۔ اس لیے وہاں سے ان کی برآمد غلط معلوم ہوتی ہے، تاہم سکندر کی قبر کے آس پاس بلکہ دُور دُور تک ان کی موجودگی وہاں کسی زمانے میں ان کی کثرت کا پتہ دیتی ہے کیونکہ اس نے اپنے مفتوحہ شہروں میں ہر جگہ انہیں پتھروں سے عالیشان عمارتیں بنوائی تھیں۔

سکندر ذو القرنین کچھ لوگ اسی یونانی سکندر کو ذو القرنین بھی کہتے ہیں۔ ایسا کہنے والوں نے شاید اس کے بارہ سالہ دورِ حکومت کو دو زمانوں میں تقسیم کر رکھا ہو یعنی چھ سال قتلِ دارا سے قبل اور چھ سال اس کے بعد لیکن درحقیقت یہ یونانی سکندر وہ سکندر نہیں تھا جس کے بارے میں کچھ لوگوں نے پہلے حضرت عمر اور پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانۂ خلافت میں ان کے روبرو اظہارِ خیال کیا تھا۔ اور دوسرے سکندر کو کچھ لوگوں نے انسانی شکل میں فرشتہ بھی بتایا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

ہم اسکندریہ، مصر، دریائے نیل اور وہاں کے حالات و کوائف اور عجائبات کا ذکر انشاء اللہ زیرِ نظر کتاب میں حسب موقع آگے چل کر کریں گے۔

سکندر کی ہندوستان میں لڑائیاں اور دیگر کوائف

سکندر کو خراسان وہرات کے راستے افغانستان سے گزر کر ہندوستان میں داخلے اور جہلم تک پہنچنے میں چھوٹی موٹی کچھ لڑائیاں لڑنا پڑیں لیکن یہ اس کے لیے معمولی سرحدی جھڑپوں سے زیادہ نہ تھیں اس کی سب سے بڑی پہلی اور آخری لڑائی پورس کے ساتھ ہوئی جس کے بعد وہاں اس کے لیے ادھر سے اُدھر تک میدان صاف تھا کیونکہ اس کے مقابلے میں پورس کی شکست فاش کے بعد جو اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا اور طاقت ور حکمران تھا کسی دوسرے راجہ کو اس کے مقابل آنے ، دو دو ہاتھ کرنے یا فیصلہ کن جنگ کرنے کی ہمت نہ تھی ، انہوں نے اس کے سامنے نہ صرف بغیر لڑے بھڑے چپ چاپ ہتھیار ڈال دیے بلکہ اظہار اطاعت کے علاوہ اس کی خدمت میں بیش قیمت تحائف کے علاوہ زر و جواہر کے انبار لگا دیے ۔ ان تحائف میں ایسی بے شمار نوخیز و نوجوان حسین وجمیل راجکماریاں اور کنیزیں تھیں جن کے سامنے آفتاب و ماہتاب شرمائیں ۔ ان کے حسن وجمال ، ان کے زرتار ملبوسات اور ان کے مرصع زیورات کی تعریف و توصیف کے لیے الگ الگ ایک ایک دفتر چاہیے ۔ ان کے حسن وجمال کو دیکھ کر نہ صرف سکندر کے مقربین بلکہ خود اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں ۔

سکندر کو ان حسیناؤں کی خوب صورتی ، ان کے حور شمائل اور پری تمثال چہروں کی چمک دمک سے زیادہ شاہی آداب میں ان کے کمالات اور ان کی سمجھ بوجھ نے متاثر کیا ۔ ان میں سب سے زیادہ خوب صورت لڑکی کی تہذیب دیکھ کر اور اس کی پر از عقل و شعور باتیں سُن کر سکندر ہندوستان کے ثقافتی و تمدنی عروج پر حیران رہ گیا ۔

ان پری جمالوں اور عقل و شعور کی پتلیوں کے علاوہ جب اس کے سامنے ہندوستان کے دانشور علماء و حکماء اور فلسفہ دان پیش ہوئے تو ان کی حکیمانہ باتوں اور ذخیرۂ معلومات نے سکندر کو بالکل ہی دریائے استعجاب وحیرت میں غرق کر دیا ۔ اس نے ہندوستان کے ایک بزرگ فلسفی سے فلسفۂ کائنات

کے بارے میں مشکل ترین سوالات کیے اور اسے ہر سوال کا معقول اور تسلی بخش جواب ملا۔ سکندر نے اس سے آئینے کی جلا و جوہر کے بارے میں جب سوال کیا تو اس نے جوہری اجزا کی بڑی خوبی سے تفصیل بیان کی، پانی کے اجزا پر سکندر کے سوال پر اس نے جو تفصیلی گفتگو کی اور شراب کا پیالہ دیکھ کر اس کے جوش و سرور کے بعد اس کی تلچھٹ پر جو حکیمانہ جوابات دیے ان سب نے سکندر کو متعجب کر دیا۔ اس نے سکندر کو مٹی دکھائی اور انجام حیات پر اس سے گفتگو کی۔ اس نے کہا: "حضور عالی! آپ فتوحات پر فتوحات کرتے چلے جائیں، دنیا کی ساری دولت جمع کر کے اپنے ملکی خزانے بھر لیں لیکن یہ مٹی بتاتی ہے کہ انسان کو ایک روز اور بہت جلد اس مٹی میں مل جانا ہے۔ موت ہر وقت اس کے دروازے پر موجود رہتی ہے، اسے معلوم نہیں کہ کب اور کس وقت اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جائے، اس لیے انسان کو ہمیشہ دنیا اور اس کے امور سے زیادہ اپنی عاقبت پر نظر رکھنی چاہیے۔

ہندوستانی اطبا کے طبی کمالات نے بھی سکندر کو خاصا حیران کیا۔ اس نے ان سے جڑی بوٹیوں کے اجزا اور ان سے تیار کردہ ادویات کے خواص پر بھی ان سے گفتگو کی تو ان کے تسلی بخش جوابات سن کر وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ان سے نباتات، حیوانات، جمادات، کیمیا اور طبیعات ہر موضوع پر گفتگو کی اور ان کی معلومات سے بہت متاثر ہوا۔ خصوصاً ہندوستان کے ایک فیلسوف کی طبیعات، مابعد الطبیعات، نفسیات اور مابعد النفسیات پر پُرمغز گفتگو نے اسے حد سے زیادہ متاثر کیا۔

مذکورہ بالا موضوعات پر سکندر کے ہر سوال اور ہندوستانی حکماء، اطبا اور فلسفیوں کے ان کے بارے میں الگ الگ جوابات کو ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت اور بخیال اختصار عمداً نظر انداز کر دیا ہے، ویسے بھی ہم انہیں اپنی پچھلی کتابوں "اخبار الزمان" اور "کتاب الاوسط" وغیرہ میں الگ الگ تفصیل سے بیان کر چکے ہیں نیز اس کے عالمی سیر و سفر اور وفات کے کوائف پر اسی کتاب میں پہلے بھی گفتگو کر چکے ہیں۔

سکندر کے بعد ملوک یونان

بطلیموس ارسطو اور سکندر کے بعد بطلیموس یونان میں سب سے بڑا مدبر، فلسفی، سائنسدان اور دانشور گزرا ہے، سکندر کے بعد یونان میں وہی اس کا جانشین ہوا اور اس نے امور مملکت کو بڑی کامیابی سے سرانجام دیا، بنی اسرائیل اور ملوکِ شام کے ساتھ اس کی کئی لڑائیاں بھی ہوئیں۔ اس کی مدتِ حکومت چالیس سال بتائی جاتی ہے، تاہم بعض مورخین نے اسے بیس سال بلکہ اس سے بھی کم لکھا ہے، واللہ اعلم۔

بطلیموس کو شکار کا بھی شوق تھا، اس کے لیے اس نے باز، عقاب اور شاہین پال رکھے تھے لیکن ان کی خونخواری اور غیض و غضب کو دیکھ کر وہ ان کے ذریعہ شکار سے مجتنب ہوگیا تھا، اس کا کہنا تھا کہ ان طائروں کی خونخواری اور جبر و تشدد کو دیکھ کر بادشاہوں میں خونخواری اور جبر و تشدد کے جذبات اُبھرتے ہیں جب کہ انہیں صلاحِ مملکت اور رعایا کی فلاح و بہبود کے پیشِ نظر ان سے اجتناب لازم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونان کی طربیات اور فنون لطیفہ کے رواج و فروغ میں بھی اس کا کافی حصہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ بازوں، عقابوں اور شاہینوں کے ذریعہ شکار ملوک اندلس کی ایجاد ہے، اس موضوع پر ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیلاً اور کسی قدر اس کتاب کے پچھلے صفحات میں بھی روشنی ڈالی ہے۔ بہرحال عرب اور روم کے بادشاہوں میں شاہین و عقاب کے ذریعہ شکار کا رواج یونان کے بعد ہی پڑا، ہر چند کہ رومیوں کو اس کا موجد بتایا جاتا ہے۔

ہیفلوس بطلیموس کے بعد ہیفلوس یونان کا بادشاہ ہوا۔ وہ بڑا جابر اور تشدد پسند حکمران تھا۔ یونان میں اصنام پرستی کی ابتدا اسی کے زمانے میں ہوئی۔ ویسے کہا یہ جاتا تھا کہ بُت صرف تماثیل ہیں جن کے ذریعہ خالق کائنات کا تقرب مقصود ہے۔ ہیفلوس کی مدتِ حکومت چالیس سال بتائی گئی ہے۔

اسے کچھ لوگوں نے بطلیموس ثانی بھی لکھا ہے اور اسے صرف اپنے بھائی بندوں کا متوالا بتایا ہے اس کی فلسطین میں بنی اسرائیل اور شام میں ایلیا سے لڑائیاں ہوئیں، اس نے انہیں قتل بھی کیا لیکن ان سے علوم و فنون بھی حاصل کیے اسی نے بنی اسرائیل کو فلسطین واپس کیا، انہیں کافی دولت بھی دی اور بیت المقدس کی ہیکل کے لیے بہت سے طلائی آلات وظروف بھی بھیجے۔ شام کا بادشاہ ابطنجنس اسی کے زمانے میں تھا جس نے شہر انطاکیہ بسا کر اسے اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اس نے پہاڑی اور میدانی علاقوں میں میلوں دُور دُور تک سرائیں اور مسافر خانے تعمیر کیے تھے جو اپنی وضع قطع، برجوں اور طرزِ تعمیر میں عجائبات وطلسمات کا نظارہ پیش کرتے تھے۔ ان سراؤں اور مسافر خانوں کے متعدد منزلہ ۱۳۶ مینار اور برج تھے جن میں داخلے اور اوپر چڑھنے کے لیے سب سے نچلی زمینی منزل پر لوہے کے مضبوط دروازے نصب کیے گئے تھے۔ المسعودی لکھتا ہے :-

"میں نے ان پہاڑی چشموں کو دیکھا ہے جن سے نہریں نکال کر اس زمانے میں انطاکیہ اور اس کے اطراف کے لیے پینے کا پانی حاصل کیا جاتا تھا لیکن نہروں میں ان چشموں کے پانی کے ساتھ بہہ کر ایسے سنگریزے بھی آجاتے تھے جن میں سمیاتی اثرات ہوتے تھے جن کا پانی پی کر لوگ امتلا اور دوسرے امراض میں مبتلا ہو جاتے تھے، اسی لیے بعد میں لوگوں کو پینے کے لیے اس پانی کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔"

ہیفلوس کے بعد "بطلیموس الصانع" نے یونان پر ۲۶ سال حکومت کی اور اس کے بعد ایک اور بطلیموس نامی بادشاہ نے وہاں حکومت کی۔ یہ بادشاہ "محب الاب" کے نام سے مشہور تھا، اس کا دورِ حکومت انیس سال[1] رہا۔ اس کی ملوک شام اور انطاکیہ کے حکمران اسکندروس سے لڑائیاں بھی ہوئیں۔ حمص اور انطاکیہ کے درمیان فامیہ نام کا شہر اسی نے تعمیر اور آباد کیا تھا۔ اس کے بعد بطلیموس نام ہی کا ایک اور شخص یونان کا حکمران ہوا جس نے فلکیات ونجوم اور ان کے تغیرات کے اسباب وعلل پر تحقیقات کی بنیاد ڈالی تھی۔

اس بطلیموس کے بعد یونان میں جو بادشاہ ہوئے ان کی ترتیب وار فہرست مع مدت حکومت درج ذیل ہے :-

(۱) بطلیموس المعروف "محب الام"	۳۵ سال
(۲) بطلیموس الصانع ثانی	۲۷ "

---

[1] بعض نسخوں میں ۱۷ سال لکھا ہے [2] بعض نسخوں میں الحدید لکھا ہے [3] بعض نسخوں میں الحوال لکھا ہے۔
[4] " " " ۸۰ " " " [5] " " " الحدید " " (مترجم عربی)

(۳) بطلیموس المخلص	۱۷ سال	
(۴) بطلیموس الاسکندرانی	۱۲ "	
(۵) بطلیموس الجدید۔	۸ "	
(۶) بطلیموس الجوال	۶۸ "	(اس کے زمانے میں بے شمار لڑائیاں ہوئیں)
(۷) بطلیموس الحریث	۳۰ "	

قلوپطرہ مندرجہ بالا آخری بطلیموس شاہِ یونان کے بعد اس کی بیٹی قلوپطرہ اس کی جانشین ہوئی اور اس نے بائیس سال حکومت کی۔ یہ ملکہ اعلیٰ درجے کی حکیمہ اور فلسفی تھی اور اس کے مقربین میں بڑے بڑے علماء و حکماء شامل تھے۔ وہ طب، سحر[1] اور دوسرے متعدد علوم پر کئی کتابوں کی مصنفہ بھی تھی۔ اس کے نام سے طب کی بہت سی مشہور کتابیں منسوب ہیں۔ یہ ملوک یونان میں آخری خاتون حکمران تھی جس کے بعد نہ صرف ان کی حکومت ختم ہوئی اور ان کے علوم مٹتے چلے گئے بلکہ ان کے آثار تک کا خاتمہ ہوگیا ماسوا حکمت و فلسفہ اور طب پر ان چند باقی کتابوں کے جو ہم تک پہنچی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اس کی موت کے بارے میں عجیب پُرلطف و مضحک کہانیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے شوہر کا نام انطونیوس[2] (انتونیو) بیان کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مقدونیہ میں جو مصر میں اسکندریہ کے قریب قلوپطرہ کا دار الحکومت تھا اس کا شریک حکومت رہا تھا۔

انھیں کے زمانے میں روم کے دوسرے بادشاہ اُقسطس (آگسٹس) نے یونان پر حملہ کیا تھا اس نے پہلے قلوپطرہ سے اس کی اور دوسرے حکمائے یونان کی تصنیف کردہ کتابیں اور وہ علوم حاصل کیے جو اس کے خاندان میں سینہ بہ سینہ چلے آتے تھے اور پھر اسے[3] اور اس کے شوہر کو قتل کرکے مصر اور حجاز و شام کے درمیان ان کے جملہ مقبوضات پر قبضہ کر لیا۔

قلوپطرہ کے حسن و جمال، غسل میں خوشبوؤں کے استعمال اور آرائش جمال، اس نے کن ذرائع سے خودکشی کی کہ وہ بظاہر زندہ معلوم ہوتی تھی اور ریشمی ملبوسات میں ملبوس تاج زریں سر پہ رکھے تخت نشین نظر آتی تھی نیز ان حیلوں حوالوں کے بارے میں جن کے ذریعہ آگسٹس نے اس سے مخفی

---

[1] بعض نسخوں میں رُقیۃ کی جگہ زینت (آرائش جمال) لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " افطنیوس لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] " " " "یقتلھا" سے پہلے "یعذبھا" (تکلیفات دے کر) بھی لکھا ہے (مترجم عربی)

علوم حاصل کیے اور پھر اسے کن تدابیر سے قتل کیا متعدد روایات اب تک لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔

ملوک یونان کی تعداد

ملوک یونان کی تعداد جس پر جملہ مؤرخین کو اتفاق ہے چوبیس بیان کی گئی ہے جن میں سب سے آخری حکمران ملکہ قلوپطرہ تھی اور ان کی حکومت کی مجموعی مدت تین سو ایک سال لکھی گئی ہے۔ ان بادشاہوں میں "بطلیموس" نام کا رواج اکثر ایسا ہی تھا جیسے فارس میں "کسریٰ" کا یا رومی بادشاہوں میں "قیصر" کا، یمن میں "تبع" کا، حبشہ میں "نجاشی" کا اور یورپ میں "فلیمن" یا "ہیلمن" کا۔ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں کے علاوہ اس کتاب میں بھی اکثر ان کے یہی رواجی نام لکھے ہیں۔ ہم ان کا نام بنام تذکرہ زیر نظر کتاب کے کسی اگلے باب میں "ملوک و ممالک" کے تحت کریں گے۔

ملوکِ روم اور ان کے انساب کے متعلق لوگوں کے اقوال

انساب روم میں اختلاف آراء رومیوں کی صحیح نسل اور ان کے انساب کے متعلق مؤرخین اور دوسرے واقعہ نگاروں میں کثرت سے اختلاف آرا پایا جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ روم کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی ان میں باہم اختلاف موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ روم کا ماٰخذ رومیہ ہے جو ایک شہر کا نام جسے عربی میں روما کہا جاتا ہے لیکن روم کو اہل روم یا اہل روما اپنی زبان میں "رومانیس"[1] کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ لفظ یعنی روم رومیوں کے پہلے نسلی بزرگ روم بن سماحلین بن ہرباق بن عقلا بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام سے ماخوذ ہے جب کہ کچھ دوسرے لوگوں[2] کے خیال میں یہ نام رومیوں کے جدِ اعلیٰ یعنی رومی بن لیطن بن یونان بن یافث بن بزتیہ بن سرحون بن رومیہ بن مربط بن روین بن اصفر بن لیغز بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام سے لیا گیا ہے تاہم انہیں میں سے کچھ لوگوں نے اس نام کی وجہ تسمیہ مذکورہ بالا وجوہ کے علاوہ کچھ اور بھی بتائی ہیں جن کا ذکر ہم یونانیوں اور سکندر کے اجداد و انساب کے سلسلے میں اپنی پچھلی کتابوں کے علاوہ زیرِ نظر کتاب کے گزشتہ باب میں بھی کر چکے ہیں۔

عیص کے درحقیقت تیس بیٹے تھے جن میں روم نام کا آخری فرد تو اصفر بن نصر بن عیص بن اسحٰق کے نسبی سلسلے کا آخری شخص تھا۔ اس بات کو ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بھی بیان کر چکے ہیں اور زمانہ قبل اسلام کے بعض قدیم عرب شعراء نے بھی اپنے اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے، مثلاً عدی بن زید العبادی

---

[1] بعض نسخوں میں "ربیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " رومی بن لیطن کی جگہ روم بن سماحلین بن ہریان بن علقا بن عیص الخ لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

اسی سلسلے میں کہتا ہے:۔

"ملوک روم بنو اصفر میں سے ہیں (مگر) ان کا ذکر اب کہیں نہیں ملتا۔"

روم کا "عیصو" دراصل عیص بن اسحاق ہی تھا جس نے کنعانیوں میں شادی کر لی تھی اور اس کی اکثر اولاد انہیں میں سے تھی۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ عرب کے بادیہ نشین عمالیق جو بعد میں شام میں جا بسے تھے نفاز[1] بن عیصو کی اولاد میں سے تھے (مثلاً رعوئیل بن عیصو[2])

عرب کے علماء نے اس سلسلے میں کچھ تنقید یا تبصرہ نہیں کیا لیکن رومی تذکروں میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں عمالیق کا ذکر موجود ہے۔ بہرحال روم کی وجہ تسمیہ اور رومیوں کے مذکورہ بالا انساب کے سلسلے میں ہم نے اکثر و بیشتر توریت اور دوسری عبرانی زبان کی کتابوں سے رجوع کیا ہے۔

ساطوخاس

وہ تاریخی مواد جس کی رُو سے ملوک یونان پر ملوک روم کے غلبے اور یونان پر ان کے قبضے کی نشاندہی ہوتی ہے اس کی تشریحات و تفصیلات سے ہم نے اس کتاب میں بخوف طوالت و بہ خیال اختصار گریز کیا ہے۔ تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ رومیوں کا پہلا بادشاہ ساطوخاس[3] تھا جو درحقیقت جالیوس الاصغر بن روم بن سماحلیق[4] کا رومی نام ہے۔ اس کا دورِ حکومت بائیس سال رہا۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ روم کا پہلا بادشاہ جسے قیصر کہا گیا ہے وہ فالوس ابن کولیوس[5] تھا جس کا دورِ حکومت اٹھائیس سال رہا۔ ایک اور کتاب میں جو تاریخ روم سے متعلق ہے یہ لکھا ہے کہ روم پر یونانیوں کا غلبہ ختم ہونے کے بعد وہاں جو پہلا بادشاہ ہوا اس کا نام تولیس[6] تھا اور اس نے صرف سات سال چھ ماہ حکومت کی۔ اسی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ شہر رومیہ روم کے بادشاہ "روم" سے پہلے ہی چوتھی صدی قبل مسیح میں تعمیر ہو چکا تھا۔

افسطس[7] قیصر

ساطوخاس کے بعد روم کا دوسرا بادشاہ افسطس قیصر[8] ہوا۔ اس نے ۵۶ سال حکومت

---

[1] بعض نسخوں میں "یلفز" لکھا ہے (مترجم عربی) [2] بعض نسخوں میں یہ توسیعی جملہ قلم زد کر دیا گیا ہے (مترجم عربی)

[3] بعض نسخوں میں "ساطوحاس یعنی جابنوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[4] بعض نسخوں میں "سماحلین" لکھا ہے (مترجم عربی)

[5] " " " ہالوس بن افلیوس لکھا ہے (مترجم عربی)

[6] اس کتاب کے بعض نسخوں میں "بولیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[7] اطالوی تلفظ آگسٹس (شاد آنی) [8] بعض نسخوں میں "افسطس بن قیصر" لکھا ہے (مترجم عربی)

کی یہی وہ روم کا پہلا بادشاہ تھا جسے قیصر کہا جاتا ہے۔ اسے قیصر کہے جانے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس پر ایک سانڈ نے حملہ کر دیا تھا جسے اس نے اس کا پیٹ تلوار سے چاک کر کے ہلاک کر دیا تھا۔ قیصر کا مطلب اطالوی زبان میں "شق کرنے والا" ہے۔ یہ بادشاہ اپنے زمانے میں اس بات پر فخر کیا کرتا تھا کہ اس کی اولاد میں کوئی لڑکی نہیں ہے یعنی سب لڑکے ہی لڑکے ہیں۔ اس کے بعد بھی روم کے اکثر بادشاہ اس لا یعنی بات پر فخر کرتے رہے کہ ان کی ماؤں نے کسی لڑکی کو جنم نہیں دیا۔ یہی بادشاہ شام، مصر اور اسکندریہ پر حملہ آور ہوا تھا اور اس نے مقدونیہ کی ساری دولت روم منتقل کر دی تھی۔ یہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ قیصر کی طرح یونان کے اکثر بادشاہ بطلیموس کہلاتے تھے۔ اس قیصر کی لڑائیوں کے حالات ہم اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بادشاہ بھی اصنام و تماثیل کی پرستش کرتا تھا۔ اسی نے روم کے بیشتر علاقوں میں وہ شہر اور قلعے تعمیر کیے جو اب تک اس کے نام سے منسوب چلے آتے ہیں جن میں سے ارض روم کا قیساریہ اور شام میں ساحل فلسطین کا قیساریہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کا مولد ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یعنی یسوع ناصری کی ولادت باسعادت اس شہر میں مذکورہ بالا قیصر کی ابتدائے حکومت کے بیالیس سال بعد ہوئی تھی جب کہ بعض مورخین کے مطابق سکندر کی حکومت کو اس وقت ۳۶۹ سال گزر چکے تھے، لیکن میں نے رومی تواریخ کے ان بعض نسخوں میں جو انطاکیہ کے کنیسۂ قسیان کی ملکیت ہیں سکندر کی حکومت اور ولادت عیسیٰ علیہ السلام کا درمیانی فصل ۳۰۹ سال لکھا دیکھا ہے۔ انہیں نسخوں کی رُو سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت بنی اسرائیل کے حکمران ہیرودس (ہوریڈس) کے خاتمہ حکومت کے اکیس سال بعد ہوئی تھی۔ ارض فلسطین کے خطہ اور شلیم (یوروشلم) یعنی عبرانیہ میں ایلیا کی حکومت کا بھی وہی زمانہ تھا جو ارض شام میں ہیرودس کی حکومت کا تھا۔ انہیں نسخوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہبوط آدمؑ سے ولادت عیسیٰ علیہ السلام تک پانچ ہزار پانچ سو پچاس[1] سال گزر چکے تھے۔ اس کی تصدیق اہل کتاب کے اصحاب شریعت کی تحریروں سے بھی ہوتی ہے۔ اغطس قیصر نے ولادت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے چودہ سال بعد تک حکومت کی اور جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے اس کی مجموعی مدت حکومت ۵۶ سال رہی قلوپطرہ ملکہ یونان و مصر کا واقعہ جو پہلے بیان کیا جا چکا ہے اسی اغسطس قیصر کے ساتھ گزرا تھا۔

---

[1] بعض نسخوں میں یہ اضافی لفظ (پچاس) نہیں پایا جاتا (مترجم عربی)

طیبار یوس

اغسطس قیصر کے بعد طیبار یوس[1] روم کا بادشاہ ہوا۔ اس کی مدت حکومت بارہ سال رہی۔ اس کے دورِ حکومت کے اختتام کو ابھی تین سال باقی تھے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب سے زندہ آسمان پر اُٹھایا۔ شہر رومیہ میں اس بادشاہ کی ہلاکت کے بعد رومی امراء، وزراء اور عمائدین سلطنت میں کثرت سے باہمی اختلافات پیدا ہو گئے اور ان اختلافات نے اتنا طول پکڑا کہ روم آئندہ دو سو سال تک انتشار اور فتنہ و فساد کا شکار رہا۔ اس انتشار کی کیفیت کے دو سو سال بعد طبار یس[2] غانس کی حکومت قائم ہوئی لیکن وہ بھی صرف چار سال حکومت کر سکا اور اس دوران میں بھی رومی اصنام پرستی کے سوا کسی اور مذہب کی طرف راغب نہ ہو سکے۔

قلودیس

طبار یس یا بطار یس کے بعد قلودیس نے شہر رومیہ میں حکومت سنبھالی اور اس کا دورِ حکومت چودہ سال رہا۔ وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین نصرانیوں کے قتل کا مرتکب ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی کے دورِ حکومت میں پطرس کو رومیہ میں قتل کیا گیا جسے یونانی شمعون کے نام سے یاد کرتے ہیں اور عرب میں اسے سمعان کہا جاتا ہے۔ اسی پطرس، شمعون یا سمعان کو رومیہ میں اس کے ایک ساتھی بولس کے ساتھ بڑے دردناک انداز میں سولی پر چڑھایا گیا۔ انہیں دونوں کے ساتھ سیما[3] ساحر کے حالات و واقعات بھی تواریخ میں درج کیے گئے ہیں۔ شمعون اور بولس کے پیرو انطاکیہ میں کثرت سے جمع ہو گئے تھے۔ انہیں دونوں کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے سورہ یٰسین میں ارشاد فرمایا ہے۔ انہیں کے نام پر روم میں نصرانیت پھیل جانے کے بعد شہر رومیہ میں بڑے عظیم الشان گرجا تعمیر کیے گئے۔ ان گرجاؤں کی اندرونی محرابوں اور دیواروں پر خوب صورت بلوری نقش و نگار اور پچہ کاریاں تاحال دیکھنے کے لائق ہیں۔ روم میں بلور کی اس صنعت کا اجمالی ذکر برسبیل تذکرہ ہم زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں اور اس کا کسی قدر تفصیلی ذکر اپنی پہلی کتابوں میں کر چکے ہیں نیز اخبار عالم، سیر ملوک اور ان کے حالات و کوائف و کارہائے نمایاں کے تحت روم کی اس گراں قدر صنعت کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا دو قابل ذکر نصرانی اشخاص کے دردناک قتل کا واقعہ اسی پانچویں رومی بادشاہ قلودیس کے دورِ حکومت میں پیش آیا جس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شاگرد بلا

---

[1] بعض نسخوں میں "طبار یس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " "بطار یس" لکھا ہے (" ")

[3] " " " "سیمن ساحر" " " (" ")

اور حواریوں میں تفرقے پیدا ہوگئے۔ ان میں سے "ماری[۵۱]" عراق کے نشیبی علاقے کی طرف چلا گیا اور اس نے صافیہ کے دیر قنّی میں جو دریائے دجلہ کے کنارے بغداد اور واسط کے درمیان ہے وفات پائی۔ اس جگہ کا ذکر بلدہ علی بن عیسیٰ بن داؤد بن جراح اور بلدہ محمد بن داؤد بن جراح کے نام سے اہل کتاب وغیرہم کی متعدد کتابوں میں آیا ہے۔ ماری یا مارا کی قبر تا حال یعنی ۳۲۲ھ تک مذکورہ بالا کنیسہ میں موجود ہے اور نصرانیوں کی نظر میں اس کی بڑی عظمت ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ خاص شاگردوں میں سے "توما" دین مسیحی کی اشاعت کے لیے بلاد ہند کی طرف چلا گیا تھا کہتے ہیں وہ اپنی آخری عمر میں خراسان میں تھا اور اس نے وہیں وفات پائی۔ اس کی قبر بھی اعلیٰ پیمانے پر تعمیر کی گئی ہے اور نصرانیوں کی نظر میں اس کی بھی بڑی عظمت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا انتقال بلاد دقوقا و خانیجار یا کرخ حدان میں ہوا جو نواح عراق میں ہے لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ وہ "توما" نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا خاص شاگردوں میں سے "آرد[۵۲]" نامی شخص تھا جس نے موخر الذکر جگہ میں وفات پائی اور اس جگہ کی شہرت اس کی جائے وفات اور وہاں اس کے مدفن کی وجہ سے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ شاگردوں میں سے مارقس (مرقس) بھی تھا جو مصر کے شہر اسکندریہ چلا گیا تھا جہاں اس کے مقتل کے بارے میں عجیب مضحکہ خیز کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ کہانیاں مصر سے نکل کر مغرب تک جا پہنچی تھیں جو اب تک زبان زد خاص عام ہیں۔ مصریوں کے ساتھ اسے جو واقعات پیش آئے انہیں بھی حیرت انگیز کہا جا سکتا ہے۔ مغرب میں آج تک یہ بات مشہور ہے کہ اس نے مصر سے وہاں کہلا بھیجا تھا کہ اگر میری شکل کا کوئی شخص آئے تو اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد وہ خود اتفاق سے وہاں جا پہنچا تو لوگ اس کے قتل پر آمادہ ہوگئے۔ اس نے ہر چند کہا کہ میں ہی مارقس (مرقس) ہوں لیکن لوگوں نے اس کی ایک نہ سُنی اور اس سے کہا: اگر تم ہی مارقس ہو تو کچھ معجزات دکھاؤ مثلاً آسمان تک اُڑ کر جاؤ اور پھر واپس آؤ۔" ظاہر ہے کہ وہ یہ تو کیا کوئی معجزہ بھی دکھانے سے قاصر رہا، لہٰذا لوگوں نے اسے قتل کر دیا۔

مارقس (مرقس) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان چار خاص شاگردوں میں سے ایک تھا جنہوں نے انجیل کے چار الگ الگ نسخے تالیف کیے لیکن چونکہ ان چاروں میں تضادات کی اس قدر بھرمار ہے

---

۵۱ بعض نسخوں میں "ماری" کی جگہ "مارا" لکھا ہے (مترجم عربی)

۵۲ بعض نسخوں کے مطابق "توما" کی جگہ "آرد" پڑھنا چاہیے (مترجم عربی)

کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی بلحاظ صحت قابل اعتبار نہیں سمجھا جا سکتا۔ حضرت عیسیٰ کے مذکورہ بالا شاگردوں کے علاوہ بہتر شاگرد د حواری اور بتائے جاتے ہیں۔ جن بارہ شاگردوں میں سے چار نے انجیل کے چار مختلف نسخے تالیف کیے ان کے نام لوقا، مارقس (مرقس)، یوحنا اور متی بتائے جاتے ہیں اور یہ چاروں نسخے اب تک الگ الگ انہیں کے نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔ لوقا اور متی کو بہتر شاگردوں میں بھی شمار کیا جاتا ہے اور بارہ میں بھی، میں اب تک نہ سمجھ سکا کہ اس سے ان کہنے والوں کا کیا مطلب ہے۔ بہرکیف مذکورہ بالا بارہ شاگردوں میں یوحنا بن زبدی اور مارقس صاحب الاسکندریہ یقیناً شامل ہیں۔ تیسرا شاگرد جو انطاکیہ گیا تھا اور جس سے پہلے اس کے دو ساتھی پطرس اور توما وہاں گئے تھے وہ بولس تھا۔ ان میں تیسرا شخص یقیناً وہی بولس تھا جس کے متعلق اللہ تعالےٰ نے قرآن میں فرمایا ہے "فعززنا بثالث" ہم نے (انہیں تیسرے شخص) سے معزز کیا" (ترجمہ از شادانی) اسی نے کہا تھا کہ "تمام نصرانی راہبوں میں سوائے مصری راہبوں کے کوئی گوشت نہیں کھاتا کیونکہ مصری راہبوں کے لیے مارقس (مرقس) نے گوشت کھانا مباح (حلال) کر دیا تھا۔

تیبزون

مذکورہ بالا پانچویں بادشاہ کے بعد روم کا چھٹا بادشاہ "تیبزون" ہوا جس کے زمانے میں ملک کو استحکام حاصل ہوا۔ تاہم وہ بھی اصنام پرستی کی طرف مائل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب روم میں نصرانیت پھیلنے لگی تو اس نے پہلے شہر رومیہ میں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں پطرس اور بولس کو قتل کیا اور اس کے بعد لاتعداد مسیحی قتل کرا ڈالے۔ اس کی مدت حکومت چودہ سال اور کچھ مہینے رہی۔

طیطش واسباسیانوس

تیبزون کے بعد روم میں طیطش اور اسباسیانوس[1] بادشاہ ہوئے۔ انہوں نے مشترکہ طور پر تیرہ سال حکومت کی، انھیں کے زمانے میں رومی زبان شام تک جا پہنچی اور اس کے ساتھ ان کی حکومت بھی۔ بنی اسرائیل کے ساتھ ان کی بارہا لڑائیاں ہوئیں۔ آخری لڑائی میں انہوں نے بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی، بنی اسرائیل کے تین لاکھ آدمی قتل کر ڈالے، ہیکل سلیمانی کو نذر آتش کر دیا اور وہاں ہزاروں گائیں مار کر ان کے گوشت کے لوتھڑے بکھیر دیے۔ یہ دونوں بادشاہ بھی مذہباً اصنام پرست تھے۔

میں نے تاریخ کی بعض کتابوں میں لکھا دیکھا ہے کہ اسی روز سے جب انہوں نے بیت المقدس

---

[1] بعض نسخوں میں "مطس اور اسقیاقوس" لکھا ہے (مترجم عربی)

کو سمار اور اس کی تقدیس کو پامال کیا سارا روم عذاب الٰہی میں مبتلا ہو گیا، ان میں برائیاں بڑھتی چلی گئیں اور آج تک وہ دینی و دنیاوی لحاظ سے کم و بیش برائیوں ہی میں ملوث چلے آتے ہیں بلکہ روز بروز ان میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔"

دوبطیاس

مذکورہ بالا دو بادشاہوں کے بعد دوبطیاس روم کا بادشاہ ہوا۔ اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ وہ اصنام پرستی کے لحاظ سے اپنے پیشرو رومی بادشاہوں میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اس نے روم کے سمندری جزیرہ تک میں یوحنا کے داخلے کی ممانعت کر دی تھی اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یوحنا انجیل کے چار مختلف نسخے تالیف کرنے والے چار افراد میں سے ایک تھا۔ اس کے لیے یہ ممانعت مسلسل نو سال تک برقرار رہی تاہم کہا جاتا ہے کہ دوبطیاس[1] نے نو سال کے بعد یہ حکم واپس لے لیا تھا۔

دوبطیاس یا ذونسطاس کے بعد "بیرنوس" نے صرف ایک سال حکومت کی۔

روم کے چند دوسرے حکمران

(۱) طریانوس۔ اس کی حکومت سترہ[2] سال رہی۔ اس کی حکومت کے نو سال بعد یوحنا نے وفات پائی۔ یہ رومی حکمران بھی اصنام پرست تھا۔

(۲) ادریانس:۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ وہ بھی اصنام پرست تھا اور اسی نے شام میں بنی اسرائیل کی تعمیر کردہ ساری عمارتیں مسمار کرا دی تھیں۔

(۳) البطولیس۔ اس نے تیرہ سال حکومت کی، اس کا دارالحکومت بھی شہر رومیہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو از سر نو تعمیر کرایا اور اس کا نام ایلیا رکھا۔ یہ وہی رومی بادشاہ تھا جس نے بیت المقدس کا نام پہلی بار ایلیا رکھا۔

(۴) "مرلس" دورِ حکومت سترہ سال، یہ بھی اصنام پرست تھا۔

(۵) "فرمودش" یہ تماثیل پرست تھا، دورِ حکومت تیرہ سال۔

(۶) "سویرس" دورِ حکومت اٹھارہ سال۔

(۷) سویرس کے بعد اس کا بیٹا جس کا نام "ابطونیس" بتایا جاتا ہے، بادشاہ ہوا اور اس نے سات

---

[1] ایک نسخے میں "ذونسطاس" درج ہے (مترجم عربی)

[2] بعض نسخوں میں انیس سال لکھا ہے (" ")

سال حکومت کی لیکن تاریخ روم کے بعض نسخوں میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

(۸) ابطونیس ثانی - وہ بھی تماثیل پرست تھا، اس نے چار سال حکومت کی، اس کے آخری زمانے میں حکیم جالینوس نے وفات پائی۔

(۹) "الاسکندر ماماس" کتب تواریخ میں ماماس کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ تحقیق سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ بھی اصنام پرست تھا اور اس نے تیرہ سال حکومت کی۔

(۱۰) "مقسمس" وہ بھی اصنام پرست تھا اور اس نے صرف تین سال حکومت کی۔

(۱۱) "غرنادس" یہ بھی اصنام پرست تھا، اس کی حکومت سات سال رہی۔

دقیوس و اصحاب کہف: "غرنادس" کے بعد "دقیوس" روم کا بادشاہ ہوا، یہ بادشاہ ستارہ پرست تھا اس نے ساٹھ سال حکومت کی۔ نصرانیوں کے قتل کی معاونت میں وہ بھی شریک رہا، اس نے اصحاب کہف سے لڑائیاں لڑیں - اصحاب کہف ورقیم کے بارے میں مورخین میں اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف ہی اصحاب رقیم تھے، بعض کہتے ہیں کہ اصحاب رقیم تھے تو اصحاب کہف ہی میں سے لیکن انہوں نے چونکہ اس غار کے باہر جس میں وہ مقیم تھے ایک پتھر پر سب کے نام لکھ دیے تھے اس لیے وہ "اصحاب رقیم" کے نام سے مشہور ہو گئے، بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دو الگ الگ جماعتیں تھیں۔ ہم نے ارض روم کے جملہ مقامات کا ذکر الگ کیا ہے۔ یعقوب بن اسحٰق الکندی کے شاگرد احمد بن طیب بن مروان السرخی[۱] نے محمد بن موسیٰ المنجم کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب آخر الذکر کو واثق باللہ نے بلادِ روم کی طرف بھیجا تھا تو وہ وہاں کے موضع بحارمی[۲] میں اصحاب رقیم کی زیارت سے مشرف ہوا تھا۔ ہم نے اصحاب کہف اور اصحاب رقیم اور ان کی جائے قیام کی تفصیلات "کتاب الاوسط" میں بیان کی ہیں اور اس کتاب میں یہ بھی بتا چکے ہیں کہ وہاں محمد موسیٰ المنجم کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے تھے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ جب وہ اصحاب رقیم کو دیکھنے والوں کی اولاد میں سے باقی ماندہ لوگوں سے ملاقات کے لیے وہاں ایک رہنما کی معیت میں گیا تھا تو اس رہنما نے اس کے سارے مسلمان ساتھیوں کو سازش سے قتل کرا دیا تھا اور اسے بھی زہر دے کر مار ڈالنے کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں اس دیوار کے بارے میں بھی تفصیلات بیان کر

---

[۱] بعض نسخوں میں "احمد بن طیب نے مروان کے حوالے سے" لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

[۲] " " " بحارمی کی جگہ "بحاری" درج کیا گیا ہے (مترجم عربی)

دی ہیں جسے ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج سے تحفظ دینے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ ہم نے اس دیوار کے طول و عرض اور اس کی بلندی کے بارے میں بھی جو کچھ کتبِ تواریخ سے معلوم ہوا اور اس سلسلے میں محمد بن طیب فرغانی المنجم نے، جسے معتضد باللہ نے قتل کر دیا تھا، جو کچھ لکھا ہے اور جو ہمیں تحقیق سے مزید پتہ چلا اپنی کتاب کتاب الاوسط ہی میں بیان کر دیا ہے۔

ہم نے اس سے قبل ابھی اصحاب کہف و رقیم کے ساتھ روم کے ایک بادشاہ دقیوس، اس کے مذہبی عقائد اور اس کی مدتِ حکومت کے بارے میں لکھا ہے۔ دقیوس کے بعد روم میں "جالینوس" بادشاہ ہوا، اور اس نے تین سال حکومت کی لیکن کتبِ تواریخ کے بعض نسخوں میں اس کا بالکل ذکر نہیں ہے۔ جالنوس کے بعد بدلوس نے بیس سال حکومت کی۔ بعض مؤرخین نے اس کی مدت حکومت پچیس سال لکھی ہے۔

بدلوس کے بعد مندرجہ ذیل چار بادشاہ ہوئے:۔

(۱) فورس، مدت حکومت بیس سال

(۲) فارس ابن فورس، مدت حکومت تقریباً دو سال۔

(۳) قلیطالنس " " " " دس سال

(۴) قسطنطین

ملوک روم کی تعداد

جہاں تک کتبِ تواریخ سے معلوم ہوا، ان رومی بادشاہوں کی تعداد جن کا ہم اس کتاب کے زیر نظر باب میں اب تک ذکر کر چکے ہیں (متفق علیہ) انچاس۴۹ ہے۔ قسطنطین بھی انہیں میں شامل ہے۔ ہم نے پچھلے صفحات میں جن بادشاہوں کا نام بنام ذکر کیا ہے اور ان کے ساتھ ان کی مدت حکومت بھی بتائی ہے ان سب کا دارالحکومت رومیہ تھا، ہمارے بیانات اور بعض دیگر کتبِ تواریخ میں پائے جانے والے بیانات میں تھوڑا بہت اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ہم نے اپنی حاصل کردہ معلومات اور مزید تحقیق کے بعد جو کچھ لکھا ہے اس سے ہم اپنی جگہ مطمئن ہیں تاہم ان بادشاہوں کی مدتِ حکومت، ان کی تعمیرات اور سیر و سفر کے بارے میں ہماری معلومات کا مآخذ دیگر ذرائع کے علاوہ وہی کتابیں تھیں جو نصرانیوں کی ملکیت ہیں۔

قسطنطنیہ کے رومی بادشاہ اور ان کا کچھ تذکرہ

قسطنطین

شہر رومیہ میں فلیطانس کی ہلاکت کے بعد قسطنطین تخت حکومت پر بیٹھا، وہ بھی ستارہ پرست تھا وہ پہلا رومی بادشاہ تھا جو رومیہ سے بوزنطیا منتقل ہوا، قسطنطنیہ کا شہر جو پہلے بوزنطیا کہلاتا تھا اسی کا تعمیر کردہ ہے اور آج تک اس شہر کا یہی نام چلا آتا ہے۔ اس شہر کی تعمیر کے سلسلے میں بعض بڑی دلچسپ باتیں بیان کی جاتی ہیں کہتے ہیں اس نے اس شہر کی فصیل یا شہر پناہ اور اس پر دو مضبوط سنگین بُرج دُور دُور تک گرد و پیش دیکھنے کے لیے بنوائے تھے تاکہ اس شہر پر کوئی ساسانی بادشاہ اچانک حملہ آور نہ ہوسکے یہ فصیل اور برج ملوک برجان کی معاونت سے تعمیر کیے گئے تھے۔ اس نے شہر رومیہ سے بوزنطیا یا قسطنطنیہ منتقل ہونے کے بعد اپنی حکومت کے آخری سال میں عیسوی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس کی حکومت کا دور تخت نشینی کے آغاز سے آخر حکومت تک نو سال رہا جس کے بعد اس کی ماں "ہلانی" شام کی طرف چلی گئی جہاں اس نے بہت سے گرجا تعمیر کرائے، وہ پھر وہاں سے بیت المقدس گئی اور لوگوں سے وہ لکڑی منگوائی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو (بظاہر) سولی دی گئی تھی۔ اس نے اس لکڑی کو سونے چاندی سے مڑھوایا جس کے بعد اس نے اس تقریب پر عید منائی جسے "عید صلیب" کہا جاتا ہے۔ اس کے پیرو اس کے ساتھ ایلول سے نکل کر مصر کی طرف گئے اور انہوں نے وہاں بہت سے مرکزی اور مضافاتی مقامات پر قبضہ کر لیا۔ یہ حالات و واقعات ہم نے "اخبار مصر" کے عنوان سے زیرنظر کتاب میں درج کیے ہیں۔ وہ "ہلانی" ہی تھی جس نے حمص میں ایک چوگوشیہ گرجا تعمیر کرایا تھا جو بلحاظ تعمیر عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے۔ اس نے مصر اور شام کے مدفون خزانے نکال کر ان سے مصر، شام اور روم میں متعدد کلیسا تعمیر کرائے جو "ہلانی ام قسطنطین" کے نام سے منسوب ہیں اور وہاں جو صلیبیں بنوا کر رکھی گئیں انہیں بھی اسی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ رومی زبان کے کسی لفظ میں حرف "ھا" نہیں آتا لیکن "ہلانی" کے نام میں یہ حرف موجود ہے "ہلانی" از اول تا آخر چھ حروف

پر مشتمل ہے۔ نصرانی اس نام کے کل اعداد بحساب عمل (ابجد) نکالتے ہیں یعنی "ہ" کے پانچ جو امالہ ہے، دوسرے حرف "ل" کے تیس، اس کے بعد "الف" کے بصورت امالہ پانچ "ن" کے پچاس اور آخری حرف "ی" کے دس۔ اس طرح "ہلانی" کے چھ حروف کی بلحاظ ابجد مجموعی تعداد سو ہوتی ہے۔ شہر رومیہ میں قسطنطین کے نو سالہ دورِ حکومت کے آخری سال تک اس کی ماں "ہلانی" کے نام کی یہ بلحاظ ابجد تعداد بہت مشہور رہی اور متبرک سمجھی جاتی رہی۔ جب قسطنطنیہ میں قسطنطین کی حکومت کے اختتام پر دین عیسوی قائم ہو کر مستحکم ہو گیا تو وہاں اس کی ابتدائی یاد منانے کے لیے ۳۱۸ نصرانی اسقفوں نے اپنی پہلی مجلس منعقد کی۔ اس مجلس کی یکے بعد دیگرے آگے چل کر مجموعی تعداد بھی چھ ہو گئی اور دین نصاریٰ کے مذہبی قوانین کی مجموعی تعداد جو اس کے دستور کی حیثیت سے اب تک رائج چلے آتے ہیں "ہلانی" کے نام کے چھ حروف کی ابجدی تعداد کے لحاظ سے متبرک سمجھ کر سو ہی رکھی گئی۔ اہل نصاریٰ کے بزرگوں اور عوام کی پہچان کے لیے انہیں علی الترتیب ملکیہ اور مشارقہ یا نسطوریہ نام دیا گیا۔ مذکورہ بالا مجالس کی جنہیں رومی زبان میں سنودسات کہا جاتا ہے اور اس کی ایک مجلس کو بطور واحد سنودس، پہلی مجلس نیقیہ میں منعقد ہوئی تھی اور اس میں ملکیہ اور نسطوریہ سب شریک تھے اور اس کی تمام کارروائی اتفاق آراء سے منظور ہوئی تھی۔ ان مجالس کی دوسری مجلس "سنودس" قسطنطنیہ کے مقام مقدونس میں منعقد ہوئی جس میں ایک سو پچاس اسقف شریک ہوئے۔ تیسری مجلس افسوس میں ہوئی جس میں سو افراد نے شریک ہو کر اس کی کارروائی کو بالاتفاق منظور کیا لیکن چوتھی مجلس میں جو خلدونیہ میں منعقد ہوئی ۶۶۰ افراد شریک ہوئے۔ ان مجالس کی پانچویں مجلس بھی قسطنطنیہ میں ہوئی اور اس میں اسقفوں اور نسطوریوں کی مجموعی تعداد ایک سو چھیالیس تھی۔ ان سنودسات یا مجالس کی آخری اور چھٹی مجلس یا سنودس مملکت مدائن میں منعقد ہوئی جس میں شرکاء کی مجموعی تعداد دو سو نواسی تھی۔ ہم آگے چل کر ان سنودسات یا مجالس کی تشکیل میں رومی بادشاہوں کی شرکت، نصرانیت کی طرف ان کے میلان اور ترک اصنام پرستی کے بارے میں تذکرہ کریں گے۔

قسطنطین کی نصرانیت کے اسباب

نصرانیت کی طرف قسطنطین بن ہلانی کی رغبت اور اس کے میلان کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا کہ جب وہ ملوک برجان اور دوسری اقوام کے خلاف جنگ کے لیے نکلا (یہ لڑائیاں بڑے زور شور سے قریباً ایک سال تک جاری رہیں) تو ان دنوں اس کے لشکر کی اس میں ایک کثیر تعداد کام آ گئی اور اس پر شکست کا خوف غالب آنے لگا لیکن انہیں دنوں جیسا کہ کہا جاتا ہے اس نے ایک رات یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے

ایک نیزہ اُٹھ کر اس کی طرف آ رہا ہے جس کے سرے پر سونے چاندی لوہے اور سیسے میں مڑھی ہوئی صلیبیں لگی ہوئی ہیں جن پر جواہرات بھی جگمگا رہے ہیں اور اس سے کہا جا رہا ہے کہ ملے اس نیزے سے اپنے دشمن کو مار ڈال اور نصرانی ہو جا۔" اسی خواب میں اس نے دیکھا کہ وہ یہ نیزہ لے کر جب دشمن کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو وہ میدان چھوڑ بھاگا اور اس نے اس کا دُور تک تعاقب کر کے ہزاروں کو تہ تیغ کر دیا یہ خواب دیکھنے کے بعد اس نے اگلی صبح جب دشمنوں کے لشکر کے سامنے صف بندی کی اور اپنے لشکریوں سے کہا کہ نیزوں سے اس پر حملہ کرو تو اس کے خواب کی حرف بحرف تصدیق ہو گئی اور وہ دشمنوں کو شکست فاش دے کر شہر نیقیہ کی طرف پلٹ آیا۔ اس نے کچھ باخبر لوگوں سے خواب میں دیکھے ہوئے نیزے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے اسے بتایا کہ وہ صلیب کی وہ لکڑی تھی جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی، ان اہل خبر نے اسے یہ بھی بتایا کہ " اس خواب کے ذریعہ آپ کو معنوی طور پر مسیح علیہ السلام کا پیرو ہونے کی دعوت دی گئی ہے۔" چونکہ قسطنطین کے سامنے اس خواب کی تعبیر کھل کر آ چکی تھی اس لیے اس نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ مسیح علیہ السلام کے پیرو کہاں کہاں ہیں تو انہوں نے بیت المقدس میں ان کی کثرت کی نشاندہی کی۔ چنانچہ وہ شام سے ہوتا ہوا فلسطین میں بیت المقدس پہنچا تو اس کی ۳۱۸ نصرانی اسقفوں سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اسے بتایا کہ چونکہ اس کے اور اس کے اسلاف کے ہاتھوں بہت سے نصرانی قتل ہو چکے تھے اس لیے دشمنوں کی شکل میں اس پر عذاب الٰہی نازل ہوا لیکن مذکورہ خواب کے ذریعہ اسے اس عذاب سے نجات کا طریقہ بتا کر اسے دین عیسوی اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ انہیں مذکورہ بالا اسقفوں نے اس پہلی مجلس میں شرکت کی تھی جس کا سطور بالا میں ذکر آ چکا ہے اور اسی پہلی مجلس یا سنودس میں قسطنطین نے اپنے دین عیسوی قبول کرنے کا اعلان کیا۔ واضح رہے کہ اس کی ماں ہلانی اپنے بیٹے کے مذکورہ بالا خواب دیکھنے سے پہلے ہی خفیہ طور پر یہ مذہب اختیار کر چکی تھی۔

قسطنطین اپنی ہلاکت کے وقت تک اکتیس سال حکمران رہ چکا تھا۔ بعض کتب تواریخ میں اس کی مدت حکومت پچیس سال بتائی گئی ہے۔ ہم نے اس کے تفصیلی حالات و کوائف، اس کے شہر رومیہ سے نکلنے، قسطنطنیہ آمد اور اس کی لڑائیوں کے حالات اپنی پہلی دو کتابوں " اخبار الزماں " اور " کتاب الاوسط " میں پہلے ہی قلمبند کر دیے ہیں اور یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ خلیج قسطنطنیہ تک کب پہنچا تھا نیز یہ کہ خلیج بحر مایطس و نیطس سے نکل کر ۳۵۰ میل بہتی ہوئی بحر شام میں جا ملی ہے۔ بحر مایطس سے قسطنطنیہ تک اس خلیج کا فاصلہ دس میل ہے اور آج کل یہی خلیج قسطنطنیہ اور اندلس کے

درمیان آمدورفت کا ذریعہ ہے لیکن وہ بھی یہی خلیج ہے جو قسطنطنیہ میں روس کے داخلے کے لیے سدراہ ہے جہاں اس کا پاٹ بہت کم ہو گیا ہے، تاہم اس کے دونوں کناروں پر اب بہت سی عمارتیں تعمیر ہو چکی ہیں۔ مشرقی جانب سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے کے لیے اس کا پاٹ صرف چار میل ہے مگر اندلس کی طرف سے یہاں تک پہنچنے میں بڑا طویل پہاڑی راستہ اور متعدد تنگ درّے حائل ہیں۔ خلیج قسطنطنیہ کا یہ حصہ اس وقت سے جب مسلمہ بن عبدالملک نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا اور مسلمانوں کی کشتیاں اس خلیج میں داخل ہوئی تھیں اندلس کے اسی حکمران کے نام سے منسوب ہے اور نہر مسلمہ کہلاتا ہے اور مسلمانوں کے عہدِ حکومت میں بھی روس کے بحری مراکب کے داخلے کی روک تھام یہیں سے ہوتی ہے ان اذکار کا راوی ابوعبیر عدی بن احمد بن عبدالباقی الازدی ہے جو یہاں مسلمانوں کی طرف سے سرکاری محصولات کی وصولی کا ذمہ دار رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خلیج میں رات اور دن کے اوقات میں مدوجزر کی کیفیت رہتی ہے۔ قسطنطنیہ کی طرف سے اس کے کنارے پر دیگر پختہ عمارتوں کے علاوہ ایک قلعہ بھی ہے جس کے لاتعداد بُرج اور دروازے ہیں ان دروازوں کی تعداد بعض لوگوں نے تیس اور بعض نے چھوٹے بڑے سب دروازے ملا کر سو بتائی ہے۔

روم میں علم و حکمت اور فلسفے کے ساتھ موسیقی وغیرہ اور حد سے زیادہ محافل طرب کا رواج یونان سے آیا تھا جس کی وضاحت ہم اپنی پچھلی مذکورہ بالا کتابوں میں کر چکے ہیں۔

قسطنطین قسطنطین بن ہلانی کے بعد روم میں جو نصرانی بادشاہ ہوا وہ "قسطنطین بن قسطنطین" تھا۔ اس نے چوبیس سال حکومت کی، بہت سے گرجا تعمیر کرائے اور دینِ مسیحی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

للیانس قسطنطین بن قسطنطین کے بعد قسطنطین اوّل کا بھائی "للیانس"[1] روم کا حکمران ہوا۔ یہ قسطنطین اوّل کے بعد روم کا تیسرا نصرانی بادشاہ تھا لیکن اس نے بہت جلد نصرانیت سے روگردانی کر کے اصنام پرستی شروع کر دی جس کی وجہ سے روم کے لوگ اس کے سخت مخالف ہو گئے اور اسے "للیانس بزطاط"[2] کہنے لگے۔ اس نے سابور بن اردشیر بن بابک کے عراقی علاقوں پر کثیر لشکر لے کر چڑھائی کی۔ لیکن اسی کے کچھ مغربی ساتھیوں نے جو اس کی نصرانیت سے روگردانی کی وجہ سے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے تھے اسے قتل کر دیا۔ اس نے صرف ایک سال اور بعض

ؔ1 بعض نسخوں میں اس کا نام "بولیانس" لکھا ہے (مترجم عربی)

ؔ2 بعض نسخوں میں "بر باط" لکھا ہے (مترجم)

مؤرخین کے مطابق اس سے کسی قدر زیادہ حکومت کی۔

یونیاس

للیالنس کے قتل پر اس کے ہمدرد حکمرانوں کو بہت افسوس ہوا لیکن چونکہ روم کے عوام مقتول بادشاہ کے سخت مخالف تھے اس لیے اس کے زیر دست حکمرانوں نے نصرانی بطریق سے رجوع کیا اور اس کے مشورے کے علاوہ رومی عوام کی کثرت رائے سے یونیاس[1] کو بادشاہ بنایا لیکن اس کی بادشاہت کا اعلان اس وقت کیا گیا جب اس نے دین مسیحی کے عقائد میں پختگی کا اقرار کیا۔ للیالنس کا لشکر اور اس کے عمائدین سلطنت ابھی عراق ہی میں تھے جہاں سابور نے ان کا محاصرہ کر کے انہیں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا ـــــ جس کے بعد یونیاس نے اسے بہت سے بیش قیمت تحائف اور زر نقد بھیج کر اس سے پیچھا چھڑایا۔ ان تحائف میں روم کی بہت سی نادر و نایاب اشیاء بھی شامل تھیں۔ سابور سے اس کی مراسلت اور دوبدو گفتگو بھی ہوئی جس کے دوران میں متعدد باہمی اختلافات کا بحسن و خوبی تصفیہ ہو گیا۔ یونیاس نے بھی بہت سے نئے گرجا تعمیر کرائے، اس نے پرانے کلیساؤں کے زر نقد کے علاوہ وہ چیزیں بھی واپس کر دیں جو اس کے پیشرو للیاس نے ضبط کر لی تھیں، اس نے بہت سے اصنام پرستوں کو قتل بھی کرایا مگر وہ صرف ایک سال ہی حکومت کر سکا۔

اوالس

یونیاس کے بعد اوالس[2] روم کا بادشاہ ہوا۔ وہ کچھ عرصہ دین مسیحی پر چلا لیکن بعد میں اس سے منکر ہو گیا۔ وہ کسی لڑائی میں مارا گیا۔ اس نے بھی صرف ایک سال حکومت کی۔

اہل کہف کا قضیہ

اوالس یا اوانیس ہی کے زمانے میں اہل کہف کا قضیہ پیدا ہوا جن کا ہم گزشتہ صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ ان کا ذکر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ ان سے آفتاب کے طلوع و غروب کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا۔ ان کا قیام روم کے شہر افیسس[3] میں تھا۔

غراطیاس

اوالس کے بعد کچھ دن غراطیاس نامی بادشاہ کی حکومت رہی۔ کہتے ہیں اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ اسی کے زمانے میں اہل نصاریٰ کا وہ پہلا اجتماع ہوا جس میں روح القدس پر بحث کی گئی۔ اسی کے دورِ حکومت میں وہ دوسری مجلس یا سندوس منعقد ہوئی جس میں

---

[1] بعض نسخوں میں اسے "یناس" لکھا گیا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " " "اوانیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[3] " " " " "آفسس" " " (" ")

قسطنطنیہ کے بطرلق کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔

تدوسیس

غراطیاس کے بعد "تدوسیس" الاکبر (اعظم) روم کا حکمران ہوا۔ اس کے حالات و کوائف کی تفصیلات میں بتایا گیا ہے کہ رومی اقوال کے مطابق اس کا یہ نام خدا داد تھا۔ ان تفصیلات میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ دین مسیحی پر قائم رہا اور اس سلسلے میں اس نے بڑا نام پیدا کیا تاہم وہ رومی بادشاہوں کی نسل سے تھا نہ روم کا اصلی باشندہ تھا۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ وہ اصلاً اشبان کی اولاد میں سے تھا جو قدیم اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ کہتے ہیں وہ شام و مصر کے باشندے تھے جو آگے چل کر مغرب اور روم و اندلس میں آباد ہو گئے تھے لیکن اس کے متعلق مورخین میں باہم اختلاف ہے۔ واقدی نے اپنی کتاب فتوح الامصار میں لکھا ہے کہ وہ اصفہانی تھے اور وہاں سے براہِ راست روم منتقل ہوئے اور وہاں آبسے تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فارس کے اولین بادشاہوں کی نسل سے تھے۔ عبید اللہ[1] بن خردا ذبہ نے بھی قریب قریب یہی لکھا ہے نیز دوسرے اہل سیر نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اسی لیے ہمارا یہ کہنا درست ہے کہ وہ یافث ابن نوح کی اولاد میں سے تھے جو اندلس کے قدیم حکمرانوں میں شمار ہوتے ہیں اور لزارقہ[2] کہلاتے ہیں، ان کے لزارقہ کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ اندلس میں ان کے پہلے شخص کا نام لزریق تھا۔ ان کے مذہبی عقائد کے بارے میں کچھ اختلافات ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مجوسی تھے، کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ صابی تھے، اور بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اصنام پرست تھے)، تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ یافث بن نوح کی نسل سے تھے۔ بہر حال جب تدوسیس ہلاک ہوا اس وقت اس کی حکومت کو دس[3] سال ہوئے تھے۔

روم کے بعض باقی حکمران

تدوسیس کے بعد "ارقادیس" نامی شخص نے چودہ سال حکومت کی جس کے بعد "تدوسیس" الاصغر حکمران ہوا۔ اس کا دار الحکومت افسیس تھا۔ اہل نصاریٰ کی تیسری مجلس یا سندوس اسی کے زمانے میں منعقد ہوئی جس میں سو پادریوں نے شرکت کی۔ اس مجلس کا ذکر ہم مسیحیوں کی جملہ مجالس کے ضمن میں پہلے کر چکے ہیں۔ اس مجلس میں بھی قسطنطنیہ کے اس بطرلق پر لعنت ملامت کی گئی جو اس سے قبل اسکندریہ میں عیسائیوں کا مذہبی پیشوا

---

[1] بعض نسخوں میں "عبداللہ" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " انہیں ازذافہ اور ان کے پہلے شخص کا نام ازذیلق لکھا ہے۔

[3] " " " "سترہ" سال لکھا ہے۔ (مترجم عربی)

تھا۔ وہاں مصر کے نسطوریوں نے اس کے گرد جمع ہو کر اس کے مذہبی پیشوا ہونے پر بیعت کر لی تھی لیکن جب وہ قسطنطنیہ کا بطریق مقرر ہوا تو اس نے یوحنا راہب کے شاگرد عیسیٰؑ ہونے سے انکار کر دیا تھا اسی لیے اسے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نصرانیوں کے دوسرے اجتماع میں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ جیرہ کے مشارقی عیسائیوں کو اپنے نسطوری ہونے کا اعتراف ہے۔ لیکن مشرق کے دوسرے نصرانی نہ صرف اس سے انکار کرتے ہیں بلکہ اس نام سے نسبت پر کراہیت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اقانیم ثلاثہ یعنی رُوح، مادّہ اور جوہر میں تثلیث کے بجائے جوہر واحد کو تسلیم کرنے کے مدعی ہیں۔ تدوسیس اصغر نے اپنی ہلاکت کے وقت بیالیس سال حکومت کی۔

تدوسیس اصغر کے بعد "مرقیانوس" روم کا بادشاہ ہوا اور اس کے فوت ہو جانے پر روم کی مکمل حکومت اس کی بیوی "بلخاریہ" کے ہاتھ آئی۔ ویسے وہ اپنے شوہر کی زندگی میں بھی حکومت میں شریک رہی تھی۔ اسی کے زمانے میں نصرانیوں کے فرقۂ یعاقبہ کا ظہور ہوا۔ اس فرقے اور دوسرے نصرانیوں کے درمیان مسئلہ تثلیث کے متعلق اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ یعاقبہ عراق کے تکریت، موصل وغیرہ کے علاقوں میں اور جزیرہ میں کثرت سے آباد ہیں لیکن مصر کے قبطی ان میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ ملکیہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا ایک ہی سربراہ تھا جو مصر ہی میں انتقال کر گیا تھا۔ پہلے یعاقبہ کی مذہبی رسوم حلب کے قریب قنسرین میں ادا ہوتی تھیں، پھر انہوں نے انطاکیہ کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ ان کا ایک مرکز مصر میں بھی تھا۔ ان دو مراکز کے علاوہ ہمیں ان کے کسی تیسرے مرکز کا علم نہیں ہے مرقیانوس کی بیوی "بلخاریہ" نے روم میں سات سال حکومت کی۔

مرقیانوس اور اس کی بیوی بلخاریا کی حکومت کے بعد روم میں "الیون"[1] اصغر کی حکومت کا دور آیا اس نے سولہ سال حکومت کی۔ اسی کے دورِ حکومت میں اسکندریہ کے بطریق کی، جس کے گرد کم سے کم ۶۳۰ اسقف اس کی حمایت میں جمع ہو گئے تھے، روم میں داخلے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ روم کی تاریخ میں اسکندریہ کے بطریق یعقوبی کی حمایت کرنے والے اسقفوں اور دوسرے لوگوں کی تعداد ۶۶۰ بتائی گئی ہے۔ یعقوبی کی حمایت کا اعلان جس مجلس میں ہوا وہ خلدونیہ میں منعقد ہوئی تھی اور فرقۂ ملکیہ کے مطابق نصرانیوں کے مذکورہ بالا اجتماعات کی چوتھی مجلس تھی لیکن فرقۂ یعاقبہ نے اس مجلس کا کہیں نمبر شمار بتایا ہے نہ یہ بتایا ہے کہ اس میں شرکاء کی تعداد کیا تھی تاہم ان کے بیانات میں مذکورہ بطریق کی سواری کا دلچسپ قصہ ضرور پایا جاتا ہے اور یہ بھی کہ اس کے احکام کیا تھے لیکن اسی قصے سے فرقہ سواریہ کی بنیاد پڑنے کا تعلق ہے۔ یعاقبہ بھی اسی موخر الذکر فرقے میں شامل ہو کر یعقوبی کے

---

[1] بعض نسخوں میں اسے "الیون" اکبر لکھا ہے (مترجم عربی)

شاگرد یعقوب برازعی کے حلقۂ اثر میں آگئے تھے۔ انطاکیہ میں اس فرقے کے جو لوگ آباد ہیں وہ ابھی تک برازعی کہلاتے ہیں۔

الیون اکبر کے بعد اس کا بیٹا الیون اصغر بن الیون تخت حکومت پہ بیٹھا اور اس نے ایک سال حکومت کی۔ اس کا تعلق بھی گروہ ملکیہ سے تھا۔

اس الیون کے بعد روم کی حکومت "زینو" کے ہاتھ آئی۔ وہ اہل آرمینیا میں سے تھا اور مذہبی عقائد میں بطریق یعقوبی کا پیرو تھا۔ اس نے سترہ سال حکومت کی۔ اس کے ساتھ اس کے مخالفین کی لڑائیاں بھی ہوئیں لیکن آخری لڑائی میں جب ان باغیوں نے اس کے دارالحکومت پر دھاوا بول دیا تھا اسے مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس کے بعد "نسطاس" نے روم کی حکومت سنبھالی اور اس کے ہاتھ روم کے بہت سے پوشیدہ خزانے اور دفینے آئے۔ اس نے اپنی ہلاکت کے وقت تک اٹھائیس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "یوسطاناس" نے نو سال حکومت کی۔ یوسطاناس کے بعد "یوسطانیاس" نے اقتدار حکومت سنبھالا اور انتالیس سال حکومت کی۔ اس کی حکومت کا زمانہ بعض مؤرخین نے چالیس سال لکھا ہے۔ اس نے بے شمار گرجے تعمیر کیے تھے جن میں "کنیسۃ الرہا" مشہور ترین اور بلحاظ تعمیر عجائبات عالم میں شمار ہوتا ہے وہ عقائد یعقوبیہ کا پیرو تھا تاہم اس نے دین مسیحی کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا تھا۔ "کنیسۃ الرہا" کا فانوس بڑی شہرت رکھتا ہے کہتے ہیں یسوع ناصری نے معمودیہ کے پانی سے برآمد ہو کر اس گرجا میں اسے روشن کیا تھا اور اس سے قبل یہیں بپتسمہ لیا تھا۔ اسی لیے نصرانیوں کے دل میں اس فانوس کی بڑی عزت و عظمت ہے۔ جب مسلمانوں نے سال رواں یعنی ۳۳۲ ہجری میں شہر رہا کا محاصرہ کیا اور پھر اسے فتح کر کے اس پر قابض ہوئے تو انہوں نے یہ فانوس روم ہی کو دے دیا تھا جس پہ اہل روم نے بڑی مسرت کا اظہار کیا اور اسے ہدیہ لے گئے۔

یوسطاناس کے بعد اس کی جانشینی اس کے بھتیجے "نوسطیس"[۱] کے حصّے میں آئی اور اس نے گروہ ملکیہ کا تیرہ سال تک اقتدار سنبھالے رکھا۔

نوسطیس یا فرسطیس کے بعد جیسا بعض مؤرخین نے لکھا ہے "طیباریس" نے حکومت سنبھالی اور چار سال حکمران رہا۔ اسی کے زمانے میں بادشاہ اور اس کے خاندان میں استعمال کے لیے بہت سے آلات طرب اور سونے چاندی کے ظروف تیار کیے گئے۔

---

[۱] بعض نسخوں میں "فرسطیس" لکھا ہے (مترجم عربی)

طیباریس کے بعد "موریقیس" روم کا حکمران ہوا۔ اسی کے زمانے میں کسریٰ پرویز نے کسی نہ کسی طرح بہرام چوبین[1] کو قتل کیا تھا۔ چونکہ موریقس نے بہرام کی مدد کی تھی اس لیے کسریٰ پرویز نے بہرام پر فتح پانے اور اسے قتل کرنے کے بعد کثیر لشکر لے کر روم پر چڑھائی کر دی تھی جس کا حال ہم زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

موریقیس کے بعد "فوقاس[2]" روم کا بادشاہ ہوا۔ اس نے آٹھ سال حکومت کی جس کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

فوقاس کے بعد روم کی حکومت "ہرقل" کو ملی۔ وہ اس سے قبل کئی رومی جزائر میں بطریق رہ چکا تھا۔ اس کا دورِ حکومت رسولِ عربی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کے وقت سات سال ہو چکا تھا۔ ہرقل ہی نے بیت المقدس کو از سرِ نو آباد کیا تھا اور اسی نے فارسیوں کے شام سے چلے جانے کے بعد وہاں متعدد گرجے تعمیر کرائے تھے۔

---

[1] بعض نسخوں میں "بہرام گور" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " "توماس" " " (")

ظہورِ اسلام کے بعد رومی بادشاہ

کتب تواریخ میں اس بارے میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کہاں ہوئی اور اس وقت روم کا بادشاہ کون تھا کافی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض کتابوں کے مصنفین ہمارے ان بیانات سے متفق ہیں جو ہم نے زیرِ نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں آپ کی ولادت باسعادت اور ہجرت کے بارے میں تحریر کیے ہیں لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ آپ کی ولادت روم کے بادشاہ یوسطینوس[1] اول کے زمانے میں ہوئی تھی جس نے وہاں انتیس[۲۹] سال حکومت کی۔

یوسطینوس اول کے بعد "یوسطینوس" ثانی روم کا بادشاہ ہوا اور اس نے دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "ہرقل" بن یوسطینوس حکمران ہوا۔ دینار و درہم کے سکے اسی کے زمانے میں ڈھالے گئے اس نے پندرہ سال حکومت کی۔ اس کے بعد مورق بن ہرقل بادشاہ ہوا[2]۔

علم نجوم کی کتب زیجات میں جن پر اہل ریاضی یقین کر کے حساب لگاتے ہیں اور روم کی کتب تواریخ میں بھی یہی لکھا ہے کہ ظہور اسلام سے لے کر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے ادوارِ خلافت تک روم میں ہرقل کی حکومت رہی لیکن تاریخ کی دوسری کتابوں میں یہ ترتیب نہیں پائی جاتی بلکہ اہل اخبار و سیر بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت روم میں قیصر بن مورق[3] کی حکومت تھی۔

خلفائے اسلام کے عہد میں

اہل اخبار و سیر کے مطابق جن کا ہم نے سطور بالا میں حوالہ دیا ہے۔ قیصر بن مورق کے بعد روم کا بادشاہ "قیصر" بن قیصر ہوا تھا اور یہ زمانہ

---

[1] بعض نسخوں میں "یوسطورس" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] بعض کتابوں میں یہ جملہ درج نہیں ہے (")

[3] " " "نوق" لکھا ہے (")

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔

قیصر بن قیصر کے بعد "ہرقل" بن قیصر روم کا حکمران ہوا اور یہ زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا۔ وہ ہرقل ہی تھا جس سے شام کی کئی لڑائیوں میں خالد ابن ولید، ابو عبیدہ بن جراح اور یزید بن ابی سفیان وغیرہ کا مقابلہ ہوا تھا اور انہوں نے شام کو فتح کر کے اسے وہاں سے نکال دیا تھا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان کے زمانۂ خلافت میں "مورق" بن ہرقل روم کا حکمران تھا۔

"مورق" بن ہرقل کے بعد "مورق" بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ یہ زمانہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی خلافت اور معاویہ بن ابوسفیان کی حکومت کا تھا۔

مورق بن مورق کے بعد "قلفط" بن مورق روم کا حکمران ہوا۔ اس وقت معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت کا آخری زمانہ تھا۔ قلفط اور معاویہ کے درمیان بنائے اختلاف قلفط کا بیٹا فناق[1] رومی تھا، جسے معاویہ نے ایک لڑائی میں گرفتار کر کے غلام بنا لیا تھا لیکن جب معاویہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ ہو رہی تھی تو معاویہ نے قلفط سے مراسلات اور صلحناموں کے ذریعہ جھوٹ موٹ صلح کر لی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے معاویہ کی جنگ کی وجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی جس کا ذمہ دار وہ حضرت علیؓ کو ٹھہراتا تھا اسے یقین تھا کہ عامۃ المسلمین اس کے اس دعوے کو برحق سمجھ رہے ہیں اور یہ کہ حضرت عثمانؓ کے بعد جن کی طرف سے وہ اس وقت شام کا گورنر تھا مرکزی حکومت اسی کو ملے گی۔ ان حالات و کوائف کی تفصیلات ہم اپنی پچھلی تالیف "کتاب الاوسط" میں بیان کر چکے ہیں۔ ہم نے وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ روم میں اسلاف تا اخلاف علی الترتیب کون کون حکمران رہا تھا۔ بہر حال جس زمانے کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں اس وقت روم میں قلفط بن مورق کی حکومت تھی جو شام اور عرب کے دیگر علاقوں میں حکومت معاویہ کے آخری ایام سے لے کر یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید، مروان بن حکم اور عبد الملک بن مروان کے زمانے تک قائم رہی۔

عہد مروانیہ میں رومی حکمران

ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں کہ روم میں قلفط بن مورق کی حکومت عبد الملک بن مروان کے زمانے تک قائم تھی لیکن اسی کے زمانے میں قلفط کے بعد اس کا بیٹا "لاون" روم کا حکمران ہو گیا تھا۔ لاون کے بعد "جیرون" بن لاون روم کا بادشاہ ہوا جب کہ ادھر ولید بن عبد الملک اور سلیمان بن عبد الملک کی حکومت اور عمر بن

---

[1] بعض نسخوں میں "بناق رومی" لکھا ہے (مترجم عربی)۔

عبدالعزیز کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں رومی بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ مذکورہ بالا مروانی مسلمان حکمرانوں کے دورِ حکومت وخلافت کے بعد بھی وہ مسلمہ بن عبدالملک کے زیر اثر کیوں رہے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں سے ہر جگہ بحری وبری جنگ شروع کر دی۔ اس وقت روم کا حکمران وہاں کے شاہی خاندان سے نہیں تھا بلکہ اس کا تعلق اہل مرعش سے تھا اور اس کا نام "جرجیس" تھا۔ اس نے روم میں انیس سال حکومت کی۔

عہد عباسیہ میں رومی حکمران

روم کے حکمرانوں میں مسلمانوں کے زیر اثر رہنے کی وجہ سے جو اضطرابی کیفیت پائی جاتی تھی وہ قسطنطین بن الیون کے وقت تک قائم رہی۔ یہ زمانہ عہد عباسیہ میں ابی العباس السفّاح اور اس کے بھائی جعفر المنصور کی حکومت کا تھا۔ روم میں جب الیون بن قسطنطین کا زمانہ آیا تو اُدھر عباسیوں میں مہدی اور ہادی کا دورِ حکومت تھا۔ اس کے بعد ہارون رشید کے عہد حکومت کے دوران میں ادھر "قسطنطین" بن الیون روم کا بادشاہ ہوا۔ اس کی ماں کا نام اریش تھا اور وہ شروع ہی سے اپنے بیٹے کی حکومت میں شریک رہی کیونکہ وہ ابھی کمسن تھا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کی ماں بھی اپنی دونوں آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی جس کا یہاں ذکر طوالت سے خالی نہ ہوگا۔

قسطنطین بن الیون کے بعد "یعفور" بن اسرداق روم کا حکمران ہوا۔ اس نے ہارون الرشید اور مملکت عباسیہ کے زیر انتداب رہنے کی مخالفت کی تھی۔ اس سلسلے میں ہارون رشید سے اس کی مراسلت بھی ہوئی جس کے بعد ہارون الرشید نے روم پر چڑھائی کر دی تھی لیکن یعفور نے اس کے نام اپنی مراسلت کے الفاظ کی معذرت کے ساتھ جو توجیہ پیش کی اس کی وجہ سے عباسی خلیفہ ہارون رشید اس سے اور اس کے ملک سے دست کش ہوگیا تھا۔ یعفور نے ہارون الرشید کی خدمت میں بہت سے بیش قیمت تحائف بھی پیش کیے تھے۔ اس کے بارے میں ابوالعتاہیہ بہت سے اشعار بھی کہتے ہیں جب ہارون رشید نے یعفور کی معذرت اور جان لیوا بیماری کے پیش نظر اسے معاف کر دیا۔ تو اکثر لوگوں نے اسے یعفور کے باغیانہ خیالات کی خبر دی اور بعض شعرا کو بھی کچھ لوگوں نے اکسایا تو انہوں نے اپنے اشعار میں بڑے اثر انگیز انداز سے یعفور کی بغاوت پر اظہار خیال کیا لیکن ہارون الرشید یعفور کو معاف کر چکا تھا اس لیے وہ کچھ دن تو خاموش رہا، تاہم جب اس کی طرف سے مسلسل بغاوت کی خبریں آنے لگیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لیے شب وروز تیاریوں میں مصروف ہے تو ہارون الرشید نے مجبوراً حفظ ماتقدم کے طور پر

دوبارہ روم پر لشکر کشی کی جس میں مسلم عساکر کی کمان خود عباسی حکمران ہارون الرشید کے ہاتھ میں تھی۔

ہارون الرشید کی طرف سے ہرقلہ کا محاصرہ

ابوعمیر عدی بن احمد بن عبدالباقی ازدی کے بیان کے مطابق جب ہارون الرشید نے ہرقلہ کے محاصرے کا ارادہ کیا تو اس وقت اس کے ہمراہ پہاڑی اور سرحدی علاقوں کے بھی بہت سے (تجربہ کار) لوگ تھے۔ انہیں میں شام کے (دشوار گزار) پہاڑی علاقے کا ایک سن رسیدہ شخص مخلد بن حسین نامی بھی تھا۔ ہارون الرشید نے اسے تخلیہ میں بلا کر پوچھا: "آپ کا اس قلعے کے محاصرے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" مخلد بن حسین نے مودبانہ جواب دیا: "یہ قلعہ نہ صرف سرحدی علاقے بلکہ سارے روم میں سب سے زیادہ مضبوط اور بظاہر ناقابل تسخیر قلعہ ہے۔ اگر آپ نے اس قلعہ کو فتح کر لیا تو اس کے بعد روم کے ہر قلعے کی تسخیر آسان ہو جائے گی۔" ہارون الرشید کے ہمراہیوں میں ابواسحاق الفزاری مصنف "کتاب السیر" بھی تھا۔ جب ہارون الرشید نے اس سے علیحدگی میں یہی بات دریافت کی تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو مخلد بن حسین نے دیا تھا لیکن جب اس قلعہ کا محاصرہ کیا گیا تو انیس دن تک اس پر بار بار تابڑ توڑ حملوں کے باوجود مسلمانوں کا لشکر اسے فتح نہ کر سکا بلکہ اس کی حالت تھکاوٹ سے غیر ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر ہارون الرشید نے مخلد بن حسین اور ابواسحاق الفزاری کو مشورے کے لیے پھر طلب کیا اور ان سے کہا: "آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان کس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ آخر اس قلعے کو فتح کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟" ان دونوں تجربہ کار لوگوں نے اپنا اپنا پہلا مشورہ دہرا کر عرض کیا: امیرالمومنین جناب کو معلوم ہے کہ جنگ درحقیقت تلوار سے نہیں جنگی تدابیر سے لڑی جاتی ہے۔"

ہارون الرشید نے ان کا قطع کلام کرتے ہوئے کہا: "میں جانتا ہوں اور جیسا آپ لوگ پہلے کہہ چکے ہیں کہ اگر مسلمان یہاں جی چھوڑ بیٹھے تو پھر اندرون ملک کوئی قلعہ تو کیا شہر تک تسخیر نہ کر سکیں گے لیکن میں نے آپ لوگوں کو یہی دریافت کرنے کے لیے بلایا کہ اس قلعے کو فتح کرنے کی کیا تدبیر کی جائے؟"

مخلد بن حسین اور ابواسحٰق نے ہارون الرشید کے اس سوال کے جواب میں یک زبان ہو کر کہا:

"امیرالمومنین! جنگ میں مصائب کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے اور یہاں تو صرف ملک ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے دین کی عزت کا بھی سوال ہے لیکن حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے (غالباً) ایسے ہی مواقع کے لیے فرمایا ہے کہ "الحرب خدعة" یعنی جنگ دھوکے کا دوسرا نام ہے، مطلب یہ کہ جنگ میں فتح و نصرت کے لیے ضروری ہے کہ بطور تدبیر جنگ دشمن کو دھوکے میں رکھا جائے۔"

ہارون الرشید نے پوچھا: "پھر آپ لوگوں کا اس سلسلے میں کیا مشورہ ہے۔"

وہ بولے :" امیرالمومنین ! ایسا کیجیے کہ صبح ہوتے ہی اسلامی لشکر کو قلعے کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے کا حکم دیجیے اور عین دروازے پر پہنچ کر یہ منادی کرا دیجیے کہ اس قلعے کی فتح تک لشکر کا کوئی سپاہی اس کے سامنے سے نہیں ہٹے گا۔ اس کے بعد یہ منادی کرا دیجیے کہ اس قلعے کے سامنے پہاڑ پر ایک دوسرا قلعہ تعمیر کیا جائے گا جس میں اسلامی لشکر کے ہر سپاہی کے لیے حصہ لینا ضروری ہے ۔"

اور پھر دوسرے ہی دن اس ناقابل تسخیر سرحدی پہاڑوں میں تعمیر کردہ قلعے کے سامنے اس سے زیادہ بلند پہاڑ پر ایک نیا قلعہ تعمیر ہونا شروع ہو گیا ، لشکر کے جس سپاہی کو دیکھو وہ یا تو پتھر جمع کر کے لا رہا ہے یا قریب کی جھاڑیاں صاف کرنے اور بڑے بڑے درختوں کی لکڑیاں کاٹنے میں مصروف ہے۔

یہ دیکھ کر قلعے میں محصور لوگ بولے :" اگرچہ روم کا یہ پہاڑی قلعہ فتح کرنا تو ہی سے قوی دشمن کے بس کی بات نہیں ہے اور ہم سمجھے تھے کہ مسلمانوں کا یہ لشکر بھی اور کچھ روز تک اس کی سنگی دیواروں سے سر ٹکرا کر واپس چلا جائے گا لیکن یہ تو کچھ عجیب لوگ ہیں ، انہوں نے تو واقعی سامنے کے پہاڑ پر قلعہ تعمیر کرنا شروع کر دیا ہے جسے یہ یقیناً مکمل کر کے ہی دم لیں گے ، ان کی پھرتی اور دوڑ دھوپ سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے ۔"

قلعے میں محصور فوجی دستے کا ایک افسر بولا :" اگر انہوں نے یہاں یہ قلعہ واقعی تعمیر کر لیا جس کے آثار یہی نظر آتے ہیں تو پھر یہ لوگ تمام ارضی و سماوی آفتوں سے محفوظ ہو کر جب تک چاہیں گے ہم سے نبرد آزما ہوتے رہیں ۔"

ایک اور فوجی سردار بولا :" اور دارالحکومت یا کسی دوسری چھاؤنی سے فوراً تو کیا مہینوں بلکہ برسوں تک کمک پہنچنا ناممکن ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہر پہاڑی درے پر پہرے بٹھا رکھے ہیں ۔"

اسی گفتگو میں صبح سے شام اور پھر رات ہو گئی اور دوسرے دن مسلمانوں نے دیکھا کہ قلعے کا صدر دروازہ کھلا اور وہاں محصور لوگ صلح اور طلب امن کے علامتی سفید پھریرے اڑاتے ہوئے باہر آنے لگے ۔

اس جنگ میں ہارون الرشید اور اس کے لشکر کو بے شمار و بے اندازہ مال غنیمت ہاتھ آیا ۔ اس کے سامنے جب ایک حسین دوشیزہ بطور مال غنیمت پیش کی گئی تو ہارون الرشید جیسا صاحب جاہ و جلال مسلمان بادشاہ بھی اس کا حسن و جمال دیکھ کر حیران رہ گیا اس لڑکی کا نام ہرقلہ تھا ۔ یہ لڑکی بعد میں اس کا دل موہ لینے والی سب سے مقرب کنیز بنی ۔ ہارون الرشید نے اس کے نام پر شام کے ایک پہاڑی علاقے میں مذکورہ قلعے سے ملتا جلتا اور اسی کی طرز پر ایک سرحدی قلعہ تعمیر کر لیا تھا لیکن وہ قلعہ

خرابے میں تبدیل ہو جانے کے باوجود اب تک اس پیکرِ حسن و جمال کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر ہم نے "کتاب الاوسط" میں کیا ہے۔ جہاں یہ قلعہ تعمیر کیا گیا تھا اس جگہ کو اب تک لوگ "ہرقلہ" ہی کہتے ہیں۔ یہ سب معلومات دیگر معلومات کے علاوہ ہمیں ابی عمیر بن عبدالباقی زیادات کی کتاب سے ملی ہیں۔

ابوبکر محمد بن حسین بن درید نے ابوعلینا کے حوالے سے اور اس نے شبل ترجمان کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ موخر الذکر کے بقول وہ روم کے خلاف ہارون الرشید کی جنگ میں اس کے ساتھ تھا اور اس نے قلعہ ہرقلہ کا محاصرہ اور اس کی فتح دونوں کو بچشم خود دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

"جب مسلمانوں کے محاصرے کے بعد قلعہ ہرقلہ فتح ہو گیا تو میں نے اس کے دروازے پر ایک پتھر نصب دیکھا جس پر یونانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا، میں اسے پڑھنے لگا، اس وقت ہارون الرشید بھی میری طرف غور سے دیکھ رہے تھے لیکن مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ اس پتھر پر لکھا تھا:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اے ابن آدم! جہاں تک فرصت ملے اسے غنیمت جان، ہر کام وقت پر کر، تیرے سرور کی افراط تجھے آنے والے غم سے کہیں غافل نہ کر دے، اپنے نفس پر ذمہ داریوں کا بوجھ زیادہ نہ ڈال کیونکہ خبر نہیں کل کیا ہو، اللہ نے تلاش رزق تجھ پر واجب کی ہے وقت اجل تک اس میں مصروف رہ، غرور کرنے والوں میں سے نہ بن کر جمع کی ہوئی دولت کو قرار نہیں، دوسروں کے مال و دولت کو رشک کی نظر سے نہ دیکھ کہ وہ کسی کے پاس دائماً رہنے والی چیز نہیں۔"

اس کے بعد شبل ترجمان کہتا ہے:۔

"اس پتھر پر جو کچھ لکھا تھا اس کی تاریخ تحریر ایک ہزار سال سے بھی پہلے کی تھی۔"

ایک اور راوی لکھتا ہے:۔

"قلعہ ہرقلہ پہاڑی وادی کے سارے طول و عرض پر محیط تھا اور اس کے چہار جانب بڑی گہری خندق تھی۔ جب اہل ہرقلہ کو اسلامی لشکر کا محاصرہ گراں گزرنے لگا اور ان پتھروں، تیروں اور آگ کے گولوں کی بارش کسی طرح ختم ہونے میں نہ آئی تو ایک دن انہوں نے قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ دروازے سے جو شخص باہر آیا وہ بہت خوبصورت، توانا اور دراز قد تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور پوری طرح مسلح تھا۔ اس نے باہر

آتے ہی ایک نعرہ لگایا، پھر بولا "اے اہلِ عرب! تم چاہو تو ایک سے لے کر دس تک بلکہ بیس تک علیحدہ علیحدہ آکر مجھ سے مقابلہ کر سکتے ہو۔ میں فارسی النسل ہوں اور میرے مقابلے میں تم میں سے کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔"

"ادھر سے کوئی شخص اس کے مقابلے کے لیے اس لیے آگے نہ بڑھا کیونکہ انہیں امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کی اجازت درکار تھی اور وہ اس وقت سو رہے تھے۔ وہ شخص تھوڑی دیر انتظار کرتا رہا، پھر لوٹ کر قلعے میں واپس ہو گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔ انہیں یعنی امیر المومنین کو اس واقعے کا علم ہوا تو اس کے بعد انہیں رات کاٹنا مشکل ہو گئی" لوگوں نے عرض کیا:۔

"امیر المومنین! اگر وہ کل پھر آیا تو ہم میں سے ہر شخص اس کے مقابلے کے لیے تیار ہے صرف حضور والا کی اجازت درکار ہو گی۔"

اگلے دن واقعی وہ شخص پھر اسی طرح باب ہرقلہ سے نکل کر اسلامی لشکر سے مبارز طلب ہوا۔ ادھر کئی شخص مستعد ہو کر امیر المومنین ہارون الرشید کی اجازت کے منتظر تھے لیکن اس سے قبل کہ وہ اس شخص سے مقابلے کے لیے کسی کا انتخاب فرمائیں مخلد و ابراہیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا:۔

"یا امیر المومنین! حضور کے جری و بہادر لشکر میں ایک سے ایک بڑھ کر دلیر شہسوار، فنونِ حرب سے بخوبی واقف، تجربہ کار اور جہاں دیدہ و جنگ آزمودہ شخص موجود ہے جو اس لاف زن کو دم بھر میں جہنم رسید کر دے گا لیکن ہماری مؤدبانہ گزارش یہ ہے کہ ایسے کسی جاں نثار کو اس شخص کے مقابلے کے لیے نہ بھیجا جائے بلکہ ہم میں سے کسی عام آدمی کو اس سے مقابلہ کرنے کی اجازت دی جائے کیونکہ اگر اس شخص نے کسی ایک آزمودہ کار کو بھی قتل کر دیا تو اس سے حضور عالی کے علاوہ ہم سب مسلمانوں کی سُبکی ہو گی، لیکن اس کے مقابلے کے لیے کسی عام غیر معروف شخص کے جانے میں یہ اندیشہ نہیں ہے بلکہ اگر کسی ایسے شخص نے اسے زیر کر لیا جس کی ہمیں قوی اُمید ہے تو سارے روم میں ہماری بہادری کے ڈنکے بج جائیں گے۔" (ترجمہ مفہومی)

خلیفہ ہارون الرشید نے فرمایا:۔

"مخلد ابن حسین اور ابو اسحٰق ابراہیم! تم نے سچ کہا، ہم اپنے لشکر کے کسی عام سپاہی کو

اس کے مقابلے کے لیے بھیجیں گے ۔"

"امیر المومنین کی زبان مبارک سے اتنا سنتے ہی اسلامی لشکر کا ایک سپاہی جو ابن جزری کے نام سے مشہور تھا آگے بڑھا اور اس شخص سے مقابلے کی اجازت مانگی جو مل گئی ۔"

جب الجزری نے اس کے سامنے پہنچ کر اسے مقابلے کے لیے للکارا تو اس نے پوچھا۔

"اے ننکا بہ اجل! تیرا نام کیا ہے؟"

الجزری نے جواب دیا :-

"میرا نام ابن جزری ہے ، ویسے تو میں اس اسلامی لشکر کا ایک معمولی سپاہی ہوں لیکن تیرے لیے ملک الموت سے کسی طرح کم نہیں ۔"

اس شخص نے جو اپنے خوب صورت گھوڑے پہ بڑے غرور سے تنا بیٹھا تھا الجزری پہ حقارت کے ساتھ اچٹتی سی نظر ڈالی ، پھر بولا :-

"میں تیرے سارے اسلامی لشکر کے لیے تن تنہا کافی ہوں ، کسی لشکر کے سینکڑوں ہزاروں آزمودہ کار سپاہیوں کو بھی میرے مقابل آنے کی آج تک جرأت نہیں ہوئی ، میں تجھ جیسے معمولی سپاہی پہ ہاتھ اٹھانا اپنی توہین سمجھتا ہوں لیکن اگر تو اپنی موت کا خواہاں ہے تو لے سنبھل !"

"اتنا کہہ کر اس نے ابن جزری پہ نیزہ تول کر بھرپور وار کیا لیکن ابن جزری نے کاوا کاٹ کر اس کا وار خالی دیا اور چشم زدن میں اس کے نیزے کو اپنے نیزے سے کاٹا تو اس کا نیزہ ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا ۔ یہ دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے حیران ہوا لیکن پھر فوراً ہی میان سے تلوار نکال کر ابن جزری پہ نیا تلا وار کیا لیکن اس اثنا میں ابن جزری بجلی کی سی سرعت سے اپنا نیزہ ٹیک کر گھوڑے سے زمین پہ آیا اور آناً فاناً تلوار نکال کر پہلے اس کے گھوڑے کے پچھلے پاؤں کاٹے اور جب وہ ڈگمگا کر زمین کی طرف جھکا تو اس وقت تک ابن جزری کی تلوار کے دوسرے ہی وار سے اس کا ٹھوس بھاری جسم دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو چکا تھا ۔"

ابن جزری جب اپنی بہادری اور جنگ میں اپنی آزمودہ کاری کا یہ تماشا دکھا کر اپنے لشکر کی طرف پلٹا تو پرجوش نعروں سے اس کا استقبال کیا گیا ، سارے لشکر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی ، ہر شخص فنون حرب میں اس کی مہارت پہ حیران تھا ۔ عباسی خلیفہ امیر المومنین ہارون الرشید نے بھی اسے بہ نگاہ

تحسین دیکھا، اس کی شجاعت کی کھلے دل سے داد دی اور اسے اتنا انعام دیا کہ وہ عمر بھر کے لیے دولت کی طرف سے بے نیاز ہو گیا۔"

آخر میں شبلی ترجمان کہتا ہے :-

وہ شخص یقیناً فارسی الاصل تھا، اس کا نام "علج" تھا اور وہ اپنے زمانے کا درحقیقت ہزاروں میں ایک جنگجو سپاہی تھا لیکن ابن جزری کا کمال سپہ گری بھی مدتوں لوگوں کو یاد رہے گا۔"

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد قلعہ ہرقلہ کے محصورین کے دل ٹوٹ گئے اور انہوں نے اسلامی لشکر کے لیے دروازے کھول دیے۔ کچھ مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسلامی لشکر کے کچھ نڈر سپاہیوں نے جان پر کھیل کر فصیل قلعہ کے اس حصے پر کمندیں ڈالی تھیں جہاں سے ان کے ذریعہ فصیل کو عبور کر کے اندر پہنچنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا لیکن انہوں نے ایسا ہی کیا اور فصیل کے پہرہ داروں سے نمٹ کر قلعے کے اندر پہنچے اور وہاں فوجیوں کی ایک کثیر تعداد سے دست بدست لڑائی کے بعد خود اندر سے صدر دروازہ کھولا تھا لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ روم کے مضبوط ترین سرحدی پہاڑی قلعے یا باب "ہرقلہ" کی فتح کا سب سے بڑا سبب وہ مشورہ تھا جو مخلد بن حسین اور ابو اسحٰق ابراہیم نے ہارون الرشید کو ارشاد نبوی کے حوالے سے دیا تھا۔

بہرکیف واقعہ کچھ بھی ہو مسلمانوں کے ہاتھوں مذکورہ بالا قلعہ کی فتح کے بعد یعفور نے ہارون رشید کی خدمت میں خود حاضر ہو کر معذرت طلب کی تھی اور اسے بیش بہا تحائف کے علاوہ بہت سی حسین رومی کنیزیں پیش کی تھیں نیز مستقل صلح نامے پر دستخط کر کے ہمیشہ کے لیے انقیاد مملکت اسلامی کا وعدہ کیا تھا۔

یعفور اور ہارون الرشید کے درمیان مصالحت کے بارے میں مؤرخین اور وقائع نگاروں نے اور بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ ان دونوں کے درمیان مصالحت کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ یعفور ہارون الرشید کو چشمۂ عشیرہ کا پانی ہمیشہ بھیجتا رہے گا۔ اس پانی کے حد سے زیادہ مصفا ہونے کے علاوہ اس میں اور بہت سی خوبیاں تھیں جن کی تفصیل ہم اپنی پچھلی کتابوں میں پیش کر چکے ہیں۔ روم کے لوگ اس چشمے کو چشمۂ بربدون[1] بھی کہتے ہیں۔

---

[1] بعض نسخوں میں "یدبدون" لکھا ہے (مترجم عربی)

یعفور کے بعد "استراق بن یعفور بن استراق"[1] نے روم کی حکومت سنبھالی - یہ زمانہ عباسی خلیفہ محمد الامین کی حکومت کا تھا - اس کے ہاتھ سے جب حکومت نکلی اس وقت وہ قسطنطین بن قلفط[2] پر فتح حاصل کر چکا تھا - قسطنطین کا باقی ماندہ دورِ حکومت خلیفہ المامون کے زمانے میں گزرا -

قسطنطین کے بعد روم کی حکومت توفیل[3] کے ہاتھ آئی - یہ زمانہ بغداد میں عباسی خلیفہ المعتصم کا تھا، اسی نے "زبطرہ" فتح کیا تھا اور اسی نے توفیل کے ساتھ ایک لڑائی میں "عموریہ" بھی فتح کر لیا تھا - معتصم کی خلافت کے حالات و واقعات ہم زیر نظر کتاب میں آگے چل کر حسب موقع بیان کریں گے -

توفیل کا دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد اس کی جانشینی کے بارے میں روم میں تنازعات پیدا ہو گئے جن سے موقع پا کر توفیل بن میخائیل بن توفیل حکومت پر قبضہ جما بیٹھا لیکن کچھ عرصے بعد اس پر بسیل صقلبی نے غلبہ حاصل کر لیا - اس کا تعلق روم کے شاہی خاندان سے نہیں تھا - اس کا دورِ حکومت عباسی خلفاء معتز، مہتدی اور کچھ معتمد کے دورِ خلافت میں گزرا -

روم میں بسیل کے بعد اس کے بیٹے الیون بن بسیل نے حکومت سنبھالی - اس نے کچھ عرصے معتمد کے دورِ خلافت کے آخری ایام میں حکومت کی لیکن اس کی حکومت کی زیادہ تر مدت خلیفہ معتضد کے زمانے میں گزری -

جب الیون بن بسیل ہلاک ہو گیا تو روم کی حکومت اس کے بیٹے کو ملی جو اسکندروس کے نام سے مشہور ہے لیکن عوام اس کی حکومت سے خوش نہیں تھے، اس لیے انہوں نے اسے معزول کر کے حکومت اس کے بھائی لاوی بن الیون بن بسیل صقلبی کے سپرد کر دی - لاوی کا دورِ حکومت کچھ عباسی خلفاء معتضد و مکتفی کے زمانے میں اور زیادہ تر عباسی خلیفہ مقتدر کے زمانے میں گزرا -

لاوی کی ہلاکت کے بعد اس کا کمسن بیٹا روم میں تخت حکومت پر بیٹھا جسے قسطنطین کہا جاتا ہے لیکن چونکہ وہ ابھی بچہ تھا اس لیے اس کی شرکت میں نظام حکومت بطریق بحر "ارمنوس" نے سنبھالا اور لڑائیوں کے موقع پر رومی افواج کی کمان بھی اپنے ہاتھ میں لی - اس نے قسطنطین کی شادی اس کے

---

[1] بعض نسخوں میں "اسنبراق بن نقفور بن اسنبراق" لکھا ہے (مترجم عربی)
[2] " " " "بن فلفط" لکھا ہے (مترجم عربی)
[3] " " " "نطر توفیل" " (")

لڑکپن ہی میں اپنی بیٹی سے کر دی - یہ تمام واقعات خلفائے عباسی المقتدر، القاہر، الراضی اور المتقی کی حکومت کے آخری ایام میں گزرے اور آج کل ہمارے وقت میں کہ ۳۳۲ ہجری ہے روم میں قسطنطین ہی کی حکومت ہے جب کہ ادھر مدینۃ العلم بغداد میں ابی اسحٰق المتقی بن المقتدر مسند خلافت پر متمکن ہیں۔

آج کل ہمارے زمانے میں روم کے اقتدار حکومت میں تین اشخاص شامل ہیں - پہلا شخص ارمنوس ہے جس کے ہاتھ میں جملہ امور سلطنت ہیں، دوسرا شخص قسطنطین بن لاوی بن الیون بن بسیل ہے اور تیسرا ارمنوس کا بیٹا اسطفنوس[1] ہے - اسے بھی شاہی اختیارات حاصل ہیں کیونکہ وہ قسطنطنیہ کا بطریق اعظم ہے اور جملہ اہل مذہبی معاملات میں اسی سے رجوع کرتے ہیں، لہٰذا روم کا کاروبارِ حکومت انہیں تینوں کے ہاتھ میں ہے۔

روم کے ملکی، سیاسی اور مذہبی حالات و کوائف اب تک تو وہی ہیں جو ہم نے ابھی بیان کیے۔ یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ کل (یعنی آئندہ) کیا ہوگا۔

ملوک روم کی مجموعی مدت حکومت

روم کے نصرانی حکمرانوں کی مجموعی مدت حکومت قسطنطین بن ہلانی کے زمانۂ حال تک پانچ سو سات سال ہوتی ہے اور وہاں کے حکمرانوں کی مجموعی تعداد جس میں ارمنوس شامل ہے آج تک اکتالیس ہوتی ہے۔ اگر اس میں ارمنوس کے بیٹے اسطفنوس کو بھی جسے شاہی اختیارات حاصل ہیں شامل کر لیا جائے تو روم کے نصرانی حکمرانوں کی مجموعی تعداد ہمارے زمانے تک بیالیس ہو جائے گی۔

مورخین نے اخبار عالم کے تحت ہبوط آدم سے لے کر اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک ایام عالم کی مدت چھ ہزار دو سو انسٹھ (۶۲۵۹) سال بتائی ہے - ہم زیر نظر کتاب کے ایک اگلے باب میں انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

---

[1] بعض نسخوں میں "اسطفانس" لکھا ہے (مترجم عربی)

مصر، ملوکِ مصر، نیل اور اس کے عجائبات

قرآن میں ذکر مصر اللہ جل شانہ، نے مصر کا اپنے کلام پاک میں کئی جگہ ذکر فرمایا ہے۔ ایک جگہ فرمایا: وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ الخ (۱۲ : ۱۲ : ۲۱ سلہ) ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:۔ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ الخ (۱۳ : ۱۲ : ۹۹ سٹہ) ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا الخ (۱۱ : ۱۰ : ۸۷ سٹہ) ایک جگہ ارشاد فرمایا:۔ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ الخ (۱ : ۲ : ۶۱ سکہ) اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ہوا:۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِى الْمَدِيْنَةِ شہ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ الخ (۱۲ : ۱۲ : ۳۰ سٹہ)

مصر کی تعریف و توصیف بعض حکماء نے بھی مصر کی تعریف و توصیف کی ہے۔ ان میں سے ایک نے یہ کہا: "مصر کے تین مہینے سفید موتی ہیں، تین مہینے مشک جیسے سیاہ، تین مہینے زمرد جیسے اور تین مہینے سونے کی طرح چمکنے والے۔ اس دانشور نے مصر کی جو تعریف و توصیف کی ہے کہ مصر کا محل وقوع ایسا ہے کہ اسے شہر ابیب کہیے یعنی سفید موتی کی طرح پُر نور اگرچہ یہ مہینے گرمی کے ہیں۔ اگلے تین مہینے برسات کے ہیں جب ہر طرف پانی ہی پانی ہوتا ہے کہ آپ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا چاہیں تو کشتی کے بغیر نہ جا سکیں لیکن یہ مہینے بھی انتہائی خوشگوار ہوتے ہیں۔ اگلے تین مہینے موسم بہار کے ہوتے ہیں جب ہر طرف سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے، درخت از سرِ نو

سلہ ، سٹہ ، سٹہ ، سکہ (حوالہ جات از شادانی)

شہ یہاں مدینہ سے مراد مصر ہے (شادانی)

سٹہ حوالہ از شادانی۔

سرسبز ہو جاتے ہیں، کلیاں چٹکتی اور پھول کھلتے ہیں غرض ہر چیز زمردیں نظر آتی ہے، پھر موسم سرما آتا ہے تو بظاہر موسم ٹھٹھرا ہوا اور راتیں تاریک ہوتی ہیں مگر جب جھاوٹیں برستی ہیں تو زمین کی رنگت ہر چند سیاہ ہو جاتی ہے لیکن مٹی سے اٹھنے والی خوشبو بالکل مشک کی خوشبو جیسی ہوتی ہے۔ اس کے بعد تین مہینے فصلوں کے پکنے کے ہوتے ہیں جن کی سنہری بالیاں سونے کی چمک دمک کو مات کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام زرعی زمینیں سونے کی ہو گئی ہیں۔ خوش رنگ و نفع بخش۔"

ہم زیر نظر کتاب میں بھی آگے چل کر ان مہینوں اور موسموں کا ذکر ان کی سریانی، عربی اور فارسی تقسیم کے لحاظ سے کریں گے اگرچہ یہ ذکر ہم اپنی اس سے پہلی تالیف کتاب الاوسط میں تفصیل سے کر چکے ہیں۔

آخر میں ایک دوسرے دانشور کی قابل تعریف مرصع تحریر دیکھیے۔ وہ مصر کی تعریف و توصیف میں رقمطراز ہے:۔

"(مصر کا) دریائے نیل عجیب و غریب ہے، اس کی زمین سونا ہے، اس کی خوبیاں دلکش ہیں، اس کے ملک سے جو چاہو لے لو، اس کا ہر مال اور ہر چیز مرغوب ہے، اس کے باشندوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی آواز دور تک سُنی جاتی، ان کی عبادت درحقیقت عبادت ہے، ان کا سلام پُرجوش اور ان کی جنگ واقعی جنگ ہوتی ہے۔ بہرکیف مصر اسی کا ہے جو اس پہ چھا جائے۔"

نیل

مصر کا دریا دریائے نیل ہے جسے دریاؤں کا بادشاہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ واقعی سادات الانہار اور اشراف البحار ہے۔ کیونکہ شرعی خبروں کے مطابق یہ جنت سے نکلا ہے۔ یہی بات دریائے سیحان کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے۔ اس دریا کو دریائے اذنہ بھی کہتے ہیں، اس کا مخرج شام کے پہاڑوں میں ہے جہاں سے نکل کر وہ بحر روم میں جا ملتا ہے۔ اس کا مخرج تین دن بند رہتا ہے اور تین دن کے بعد پھر پھوٹنے لگتا ہے۔ یہ دریا بلاد روم سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے کنارے مسلمانوں کا کوئی شہر شہر اذنہ کے علاوہ نہیں ہے جو طرطوس اور مصیصہ و جیحان کے درمیان واقع ہے۔ اس کے مخرج کو چشمۂ جیحان بھی کہتے ہیں۔ بحر روم تک بھی اس دریا کے کنارے مسلمانوں کا کوئی شہر مصیصہ و کفربیا[1] کے سوا نہیں ہے۔ سیحان ان دونوں شہروں کے بیچ سے ہو کر گزرتا ہے۔ دریائے نیل کے بعد دریائے فرات اور دریائے دجلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ دریائے نیل کے بارے میں ہم اپنی پچھلی کتابوں میں بتا چکے ہیں کہ اس کا مخرج باغ جنت بتایا جاتا ہے اور اسی طرح دریائے دجلہ کا مخرج بھی اسی کو بتایا جاتا ہے انہیں دو دریاؤں کا شمار دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں میں ہوتا ہے۔

ہم نیل کی طغیانیوں دنیا کے دوسرے چھوٹے بڑے دریاؤں اور بحار و بحیرات کا حال اپنی پچھلی

---

[1] بعض نسخوں میں "کفربیاد" لکھا ہے (مترجم عربی)

کتاب "اخبار الزماں" میں وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کا اعادہ نہیں کیا گیا۔

مصر کو دنیا کی بستیوں کی شہزادی اور شہروں کا رئیس کہا جاتا ہے۔ قرآن میں بھی فرعون اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حوالے سے اس کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ مصر کا دریا دریائے نیل ہی ساری دنیا میں ایک ایسا دریا ہے جسے بحر (سمندر) کہا جاتا ہے اور اس کے مدوجزر کو چاند کے گھٹنے بڑھنے سے منسوب کیا جاتا ہے

زید بن اسلم نے مصر کی تعریف میں قرآن کے حوالے دیے اور اس سلسلے میں بعض شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ مثلاً :-

مصر کی کیا شان ہے کیا بات ہے — نیل کا دکھنی ہوا کا ساتھ ہے

(ترجمۂ منظوم از شادانی)

وہ مصر ہی ہے جس کے نام میں بے مثل معنویت ہے یعنی اسی کے نام پر شہر کو مصر اور شہروں کو امصار کہا جاتا ہے۔ اہل بصرہ نے بھی اس اشتعات کا ذکر کیا ہے۔

مصر کی زراعت کا دارومدار دریائے نیل سے آبپاشی پر ہے۔ اہل مصر کو پینے کا پانی بھی یہی دریا مہیا کرتا ہے۔ اس لیے اس دریا کو اہل مصر اپنے لیے نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہیں لیکن اس کی طغیانی سمندری طوفانوں سے کم نہیں ہوتی جن سے قریبی شہر تک غرقاب ہو جاتے ہیں۔ یہی حال دریائے نیل کا ہے کبھی کبھی اس کی طغیانی سے چوتھائی مصر زیر آب آجاتا ہے۔ ان ایام کو اہل مصر وبائی ایام کہتے ہیں۔ یہ حالت جب ہوتی ہے جب نیل کا پانی اپنی معمولی سطح سے اٹھارہ گز تک بلند ہو جاتا ہے۔ اب تک نیل کا پانی اس سے زیادہ ایک دفعہ کے سوا کبھی اونچا نہیں ہوا۔ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں پیش آیا تھا۔ اس وقت نیل کی سطح اپنی معمولی سطح سے انیس گز اونچی ہو گئی تھی۔ نیل کی طغیانی سے اہل مصر کے دوسرے نقصانات کے علاوہ سرکاری محصولات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔

جب دریائے نیل کا پانی اپنی معمولی سطح سے بھی کم ہو جاتا ہے تو اہل مصر وہاں سے پانی لے کر اسے پینے کے لیے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ یہ میٹھا پانی واقعی بے حد مصفا ہوتا ہے اور اس پر اہل مصر بجا طور پر فخر کرتے ہیں۔ دریائے نیل مصر کے علاوہ اپنے ساحلی علاقوں کی دوسری بستیوں کو بھی سیراب کرتا ہے اور ان کی زراعت کے لیے آبپاشی کے بھی کام آتا ہے۔

شب غطاس

مصر میں شب غطاس کی تقریب بڑے شان دار طریقے سے منائی جاتی ہے جو نصرانیوں کی عید صلیب سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے۔ یہ جشن منانے کے لیے مصر کے شہری ہوں یا دیہاتی ساری رات جاگتے ہیں۔ شب غطاس کسی زمانے میں نیل کی طغیانی سے نجات کے بعد

شروع ہوئی تھی اور اب تک اس کی تعداد ۳۳۰ راتیں ہو چکی ہے۔ اس شب کا سب سے بڑا اجتماع محمد بن طغج کے مکان واقع "مختارہ" میں ہوتا ہے۔ یہ نیل کا ایک جزیرہ ہے جہاں لوگ اس تقریب میں شرکت کے لیے کشتیوں کے ذریعہ جاتے ہیں۔ شب غطاس کا جشن طوبہ کی اکیسویں شب اور کانون ثانی کی چھٹی تاریخ گزرنے کے بعد منایا جاتا ہے۔

مقیاس آب کہتے ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اہرام کے قریب عمارات تیار کی گئی تھیں تو اس سے قبل دریائے نیل کے (تار چڑھاؤ کا اندازہ کرنے کے لیے مصر کی کسی ضعیفہ نے مقیاس آب بنائی تھی ورنہ اس وقت تک لوگ نیل کی طغیانی اور دریا کی غضبناکی سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے چڑھاوے چڑھاتے تھے جو فرعون کے خزانوں میں افراط کا باعث بنتے تھے لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ دشمن خدا فرعون اللہ تعالٰی کے حکم سے وہیں غرق ہوا تھا جہاں یہ چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ مصر میں غلبہ اسلام کے بعد دریائے نیل کے آتار چڑھاؤ کا اندازہ کرنے کے لیے اب وہی طریقہ ہے جو ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔

مصر میں ایک سال بدترین خشک سالی کا واقعہ جب دریائے نیل خشک ہو گیا تھا، عزیز مصر نے خواب دیکھا تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کی تعبیر بتائی تھی اب تک زبان زد خاص و عام ہے۔

بحیرۂ تنیس و دمیاط احمد بن طولون مصر میں ایک ایسا طویل العمر شخص تھا جسے مصر اور اس کے اطراف و جوانب کے بارے میں بہت سی بیان کردہ اور ذاتی معلومات حاصل تھیں۔ چنانچہ بحیرۂ تنیس و دمیاط کے بارے میں اس کی فراہم کردہ معلومات کو قابل اعتماد تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اس نے بیان کیا ہے کہ "مصر میں بحیرۂ تنیس و دمیاط کا علاقہ ایسا تھا جس کی مثال روئے زمین پر ملنا مشکل ہے۔ اس کی اوپری مٹی ہو یا نمناک دونوں ایسی زرخیز تھیں کہ وہاں کے اشجار، باغات، سبزہ زار اور لہلہاتے کھیت جنت کا نمونہ پیش کرتے تھے۔ یہ بحیرہ اپنی نہروں کے لحاظ سے بھی جنت ارضی کہلانے کا مستحق تھا۔ اس سطح مرتفع کی آبادی بھی اپنی مثال آپ تھی جس کے تراشیدہ پتھروں سے تعمیر کردہ مکانات زینہ بہ زینہ بلند سے بلند تر ہوتے ہوئے عجب دلکش منظر پیش کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے دلکش مناظر مصر میں کسی دوسری جگہ تو کیا ساری دنیا میں کہیں نہ ہوں گے اس لیے اسے جنت ارضی کہنا بے جا نہ تھا۔ سمندر سے لے کر وہاں کے ایک موضع اشترم تک ایک دن کی مسافت کا فصل تھا یعنی اس جزیرے تک پہنچنے کے لیے ہر جانب سے سمندر میں ایک دن سفر کرنا پڑتا تھا سے پہلے عرلیش اور جزیرۂ قبرص کے لیے یہاں سے الگ الگ سمندری

راستے اختیار کیے جاتے ہیں جب کہ ان دونوں قبرص، عریش اور اس جزیرے کے درمیان آگیا ہے۔ اس لیے یہاں سے عریش تک جانے کے لیے اب قبرص کا چکر لگا کر جانا پڑتا ہے جس کا سمندری راستہ پہلے کی بہ نسبت اب طویل ترین ہو گیا ہے۔ یہاں سے مغرب میں فارس اور اندلس تک جہاں بحر روم کے ساحل ہیں متعدد خوشنما جزیرے تھے اور کشتی کے ذریعہ ان دونوں مقامات کے راستے میں ان جزیروں کے اُونچے اُونچے درخت، وہاں کی آبادیاں اور ان کی چراگاہوں میں چرتے ہوئے جانور سب کچھ نظر آتا تھا اور یہ مناظر بھی بڑے دلکش تھے مگر اب یہ سب جزیرے غرقاب ہو گئے ہیں۔"

احمد بن طولون کی بیان کردہ یہ باتیں مصر میں بہت مشہور ہیں اور آج تک کسی نے ان کی تردید نہیں کی، اس لیے ہم نے بھی ان پر کوئی تبصرہ غیر ضروری سمجھا ہے۔

اہرام

احمد بن طولون سے اہرام مصر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے بتایا:۔

"یہ مصر کے قدیم بادشاہوں کی قبریں ہیں، ان کی میتوں کے لیے پتھر کے تابوت تیار کیے جاتے تھے، ان تابوتوں کو مصر اور شام میں جرن[1] کہا جاتا تھا، ان تابوتوں پر دھات کے پتر چڑھائے جاتے تھے، پھر ان تابوتوں کی زمین میں تدفین کے لیے پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے مطابق حوض کی طرح کے "ہرم" بنائے جاتے تھے، ان اہرام کی گہرائی قریباً سو ہاتھ ہوتی تھی، انھیں چھت ڈال کر بند کر دیا جاتا تھا پھر ان اہرام کے گرد پہلے کی طرح سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق بنیادوں سے لے کر اُوپر تک حسب منشا بلند مدوّر دیواریں تعمیر کی جاتی تھیں۔ ان دیواروں میں ایک طرف اہرام میں داخلے کے لیے دروازے بنائے جاتے تھے جو اب بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔"

احمد بن طولون سے دریافت کیا گیا:۔

"لوگ ان اہرام کی دیواریں تعمیر کرنے کے لیے ان کی چوٹیوں تک اتنے بڑے بڑے بھاری پتھر کس طرح پہنچاتے ہوں گے؟"

اس نے جواب دیا:۔

"میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ اس کام کے لیے اس زمانے کے لوگ اپنے بادشاہوں کے احترام میں رضاکارانہ کام کرتے تھے۔ جب یہ دیواریں قد آدم سے بلند ہو جاتی تھیں تو ان کے

---

[1] بعض نسخوں میں "جرون" لکھا ہے (مترجم عربی)

گرد جیسا آج کل دستور ہے پاڑیں باندھی جاتی تھیں جواب سے کہیں زیادہ چوڑی اور مضبوط ہوتی تھیں۔ کئی کئی آدمی مل کر پتھر کی تراشیدہ بڑی بڑی وزنی سلیں سروں پر اُٹھا کر باری باری سے درجہ بدرجہ ان پاڑوں پر چڑھتے تھے اور جیسا کہ سب جانتے ہیں ان اہرام کے گرد یہ اس قدر بلند و بالا مدّور دیواریں تعمیر کرنے میں بے شمار رضا کاروں نے جانیں گنوا دیں تھیں لیکن ان کے پسماندگان کو اس کا ذرا بھی ملال نہیں تھا اور دوسرے رضا کار کن بھی ان کی تعمیر میں برضا و رغبت اور ہنسی خوشی آخر تک مصروف رہے اور گر گر کر مرتے رہے لیکن ان کی ہمت پر آفریں ہے کہ انہوں نے اس ناقابل تصوّر پُر مشقت کام کو تکمیل تک پہنچا کر چھوڑا جس کی وجہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی لیس مرگ بھی اپنے بادشاہوں کا حد سے زیادہ قابل قدر احترام اور اپنے کام میں دیانت۔"

جب اس سے پوچھا گیا کہ ان اہرام کی دیواروں پر جو عبارتیں تحریر ہیں کیا آپ انہیں پڑھ سکتے ہیں؟ اگر پڑھ سکتے ہیں تو بتایئے کہ ان کا کیا مطلب ہے تو اس نے جواب دیا:۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ عبارتیں ان اہرام کی تعمیر کے بعد قدیم مصری زبان میں ان پر لکھی گئی تھیں اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے ان اہرام کی انہیں تفصیلات پر مشتمل تھیں جو میں نے ابھی بیان کیں لیکن جب مصر پر رومیوں نے غلبہ حاصل کیا تو انہوں نے ان عبارتوں کو اپنی زبان اور اسی کے رسم الخط میں بدل دیا اور اس کے بعد جب مصر پر قبطیوں نے اقتدار حاصل کیا تو انہوں نے ان عبارات کو اپنی زبان اور اس کے رسم الخط میں بدل ڈالا اور اب وہی ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھ سکتے ہیں۔"

جب اس سے دریافت کیا گیا کہ نسل آدم میں سب سے پہلے مصر میں کون آباد ہوا تھا تو وہ بولا:۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہوا مصر میں سب سے پہلے مصر بن بیصر بن حام بن نوح آیا تھا اور اس کی تین نسلیں یہاں گزریں جس کے بعد اس کی اولاد دنیا میں اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی۔"

جب اس سے دریافت کیا گیا کہ مصر میں سنگِ رخام نکلنے کے بارے میں اسے کچھ معلوم ہے تو اس نے جواب دیا:۔

"جی ہاں، میں جانتا ہوں۔ مصر میں سب سے پہلے بندرگاہ سعید کے مشرقی جانب سنگِ رخام دریافت ہوا تھا، وہاں جو پہاڑ ہے وہ سب کا سب سنگ رخام کا ہے لہٰذا مصر میں سب سے پہلے عمارتوں کی تعمیر میں اسی سے کام لیا گیا لیکن جب اس کے بعد جب یہاں سنگِ رمل اور سنگ نقرہ یعنی چٹے پتھر اور سفید پتھر جن پر کچھ لکھا بھی جا سکتا تھا تو سنگ رخام کا استعمال جسے سنگ عمد بھی کہتے تھے ترک کر دیا گیا کیونکہ اس میں نمی پائی جاتی تھی، تاہم سنگ رخام کا استعمال اسکندریہ اور باقی یونان میں

صدیوں جاری رہا کیونکہ مصر میں سنگ مرمر نفرانیت آجانے کے دو صدی بعد دریافت ہوا تھا اس لیے اس سے قبل یونان کو یہاں سے سنگِ رخام ہی جاتا تھا۔ ویسے مصر میں بھی اسوان کی ساری تعمیرات اس سے قبل سنگِ رخام ہی سے بنائی گئی تھیں کیونکہ مذکورہ پہاڑ وہاں سے قریب ترین تھا اور اسوان تک اس کے حمل ونقل میں آسانی تھی۔ اس کے علاوہ سنگِ رخام سے عمودی ٹکڑے کاٹے جاتے تھے وہ دوسرے پتھروں سے سالم نکل آنے والے ٹکڑوں میں سب سے بڑے ہوتے تھے۔ ویسے بھی ایسا سنگِ رخام مصر کے سوا دنیا میں اور کہیں نہیں پایا جاتا۔"

جب اس سے شہر "عقاب" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو وہ بولا:۔

"وہ شہر اہرام کے مغربی علاقے دصیر و جیزہ میں ہے۔ وہاں کے بحری ساحل پر ہفتے میں پانچ دن بڑے بڑے جہاز آکر ٹھہرتے تھے۔"

اس نے مدینۂ عقاب کے بارے میں گفتگو جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ وہاں کے لوگ بہت مہذب اور اس کا معاشرہ بہت ترقی یافتہ ہے۔ وہاں مال و دولت اور زر و جواہر کی بھی کثرت ہے اسی لیے لوگ اسے "مدینۃ العقاب" کہتے ہیں۔ اس نے شہر عقاب کے علاوہ شہر اخیم کا بھی ذکر کیا جو اہرام کے غربی علاقے ہی میں ہے۔ اس نے اس شہر کے بارے میں بھی بہت سی عجیب و غریب باتیں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ بندرگاہ سعید سے چلیں تو وہاں تک پہنچنے میں اندازاً چھ دن سفر کرنا ہوگا۔

جب اس سے نوبہ اور اہل نوبہ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا:۔

"وہ بڑی اچھی جگہ ہے، وہاں کے رہنے والے بڑے خوش نصیب ہیں۔ ان کے پاس اونٹوں، بھیڑوں، بکریوں وغیرہ کے بے شمار ریوڑ ہیں۔ وہ کسی قدیم نسل کے لوگ ہیں، عموماً گھوڑوں پر سواری کرتے ہیں، ان کے تیر عربی لکڑی کی طرح مضبوط لکڑی کے بنے ہوتے ہیں، وہ تیر خوب چلاتے ہیں۔ تیر اندازی، حجاز، یمن اور دوسرے اہل عرب نے وہیں سے لی ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل عرب انہیں تیر اندازی کا ماہر کہتے ہیں۔ نوبہ میں کھجوریں، انگور اور کیلے کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، وہاں گیہوں اور دوسرے غلے بھی بہت پیدا ہوتے ہیں، وہاں کی زمین زراعت اور باغات کے لیے بہت اچھی ہے، درحقیقت اس سلسلے میں وہ یمن ہی کا ایک حصہ معلوم ہوتا ہے۔ وہاں کے میوے "اترج" کو ساری اسلامی دنیا میں دیکھ ڈالیے گا کہیں نہ ملے گا اور ملا بھی تو اس سے بڑا نہ ہوگا۔ وہاں کے حکمرانوں کا خیال ہے کہ وہ قبیلہ حمیر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے حدود حکمرانی میں نوبہ کے علاوہ مقرا و علوہ بھی آتے ہیں۔ علوہ سے آگے سوڈانی قوم آباد ہے جسے "کنہ" بھی کہتے ہیں وہ

لوگ اہل حبش کی طرح سیاہ فام ہوتے ہیں۔ وہاں کی کانوں سے سونا نکلتا ہے۔ دریائے نیل سوڈان میں پہنچ کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جس سے سوڈان میں ایک بڑی سی خلیج نکل آئی ہے جو بڑھ کر نوبہ تک چلی جاتی ہے۔ اس خلیج میں دریائے نیل کا پانی اس قدر جمع ہو جاتا ہے کہ موسم گرما میں جب نیل کی سطح کم ہو جاتی ہے تب بھی یہاں پانی کی کثرت ہوتی ہے۔ ویسے وہاں خشک زمین زیادہ ہے اور سبزہ کم اگتا ہے کیونکہ مذکورہ خلیج کا پانی سمندری پانی کی طرح کھاری ہو جاتا ہے اور اس لیے اہل سوڈان کو دریائے نیل کے پانی پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو وہاں سے قدرے دور بھی پڑتا ہے۔ مذکورہ بالا سوڈانی خلیج آگے جنوب میں بڑھ کر ساحل حبشہ تک چلی جاتی ہے اور وہیں سمندر میں جا ملتی ہے۔

فیوم و منہی و حجر لاہون

احمد بن طالون سے لوگوں نے نواح مصر میں فیوم، منہی اور لاہون کی بستیوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا:۔

کہتے ہیں کہ مصر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی منہی کے سوا پہلے کوئی دوسری بستی نہ تھی لیکن جہاں اب فیوم نام کی بستی ہے اس جگہ کسی زمانے میں ایک رومی کنیز اور اس کا بیٹا یاماں آئے تھے، انہیں نے اس بستی کی وہاں بنیاد ڈالی تھی جو بڑھتے بڑھتے بہت بڑی بستی بن گئی اور وہ اب تک اسی رومی کنیز فیوم کے نام سے منسوب ہے وہاں سال بسال نئی نئی عمارتیں بھی بنتی رہی تھیں۔ منہی کے متعلق اس نے کہا کہ اس چھوٹی سی بستی کے قریب جس کا پہلا نام کسی کو معلوم نہیں دریائے نیل گزرتا تھا لیکن ایک سال جب دریا میں شدید طغیانی کی وجہ سے اس بستی کے تہ آب آجانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا فرمائی تھی اور دریا کا سیلابی پانی بحکم الہٰی آگے بڑھنے سے رک گیا تھا، پھر وہی رکاوٹ اس بستی کی وجہ تسمیہ بن گئی"۔ فیوم کے بارے میں اس نے بتایا:۔

"دریائے نیل میں ایک سال طغیانی آجانے سے اس کا سیلابی پانی مذکورہ بستی فیوم کی طرف پھیلا تو اس بستی سے کسی قدر پہلے ایک خلیج بن گئی اور پھر وہ سارا علاقہ اسی طرح رفتہ رفتہ خلیج در خلیج بنتا چلا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد ان میں سے ایک خلیج منجمد ہو گئی اور اس پر پتھریلی زمین کا گمان ہونے لگا، پھر کچھ عرصہ بعد وہ پتھریلی زمین جگہ جگہ سے شق ہوئی اور اس میں بتقاضائے الٰہی میٹھے پانی کے چشمے پھوٹ نکلے تو آس پاس کے لوگ وہاں آکر آباد ہوتے لگے اور انہوں نے بہت سی چھوٹی بڑی عمارتیں بھی تعمیر کر لیں جو وہیں کے پتھروں سے تعمیر کی گئی تھیں۔ اس طرح پہلے وہ قدرتی پتھریلا علاقہ "لاہون" کہلایا۔ اس علاقے کے پتھروں کو احجار لاہون کہا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ وہ ساری بستی ہی "حجر لاہون" کہلانے لگی۔ دوسرے ممالک کے حکمران جب مصر آئے اور انہوں نے یکے بعد دیگرے یہاں غلبہ حاصل کیا تو وہ فراعین مصر، اہرام مصر اور دریائے نیل کے عجائبات کا حال

سن کر حیران رہ گئے لیکن انھوں نے جب بستی " حجر لاہون " کے ابتدائی واقعات سُنے تو ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا ۔"

اس سے مصر میں قبطیوں کی آمد کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ وہ مصر پہ نصرانی رومیوں کے غلبے کے فوراً بعد وہاں آنے لگے تھے لیکن اس وقت ان کی تعداد زیادہ نہ تھی جو بعد میں بڑھتے بڑھتے بہت زیادہ ہو گئی ۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ ظہور اسلام کے بعد مصر کے ایک علاقے کا حکمران تھا تو ان دنوں اس کی مجلس میں ایک قبطی کو لایا گیا جو نصرانی تھا ۔ اس سے دین مسیحی کے بارے میں بہت سے سوالات کیے تو اس نے فلسفۂ کائنات کے علاوہ بہت سے علوم ادیان کے مسائل چھیڑ دیے اور نصرانیت کی حمایت میں طویل طویل تقریر کر ڈالی ۔ جب اس سے اسلام پہ نصرانیت کو ترجیح دینے کے بارے میں سوال کیا گیا تو ہر چند بحر العلوم ہونے کا مدعی ہونے کے باوجود اس سلسلے میں اس کے لاتعداد دلائل میں سے عقلی طور پہ ایک دلیل بھی قوی نہ تھی لیکن اس کے مذہب سے اس لیے تعارض نہیں کیا گیا کیونکہ اسلام نہ صرف جبر و تشدد کی ممانعت کرتا ہے بلکہ کسی کے مذہبی معتقدات سے تعارض نہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے اسی لیے اب مصر میں ان گنت نصرانی قبطی موجود ہیں ۔ احمد بن طولون کو مصر کے ایک علاقے پر اس کی حکمرانی کے زمانے سے سلطان احمد طولون کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔

ابن طولون کی ایک مجلس میں اس کے یہودی طبیب اور ایک نصرانی قبطی کے درمیان توریت و انجیل کے حوالے سے ان کے مذہبی مباحات و احکام میں تضادات کے بارے میں بھی ایک طویل مگر دلچسپ مباحثہ ہوا تھا ۔ اس مجلس میں فلاسفہ ، دیصانیہ ، ثنویہ ، صابئہ اور مجوس کے علاوہ بعض مسلم متکلمین بھی موجود تھے ۔ قبطیوں میں کچھ یہودی تھے اور کچھ نصرانی تھے ، یہودیوں اور نصرانیوں سے سوال کیا گیا تھا کہ جب توریت میں بھائی کی بیٹی سے نکاح کا کسی جگہ جواز نہیں پایا جاتا اور اسی طرح انجیل میں بھی کہیں اس کی اباحت نہیں ملتی اور مجوسی تک اسے بُرا سمجھتے ہیں تو اہل یہود اہل نصاریٰ اسے تا حال کیوں جائز سمجھتے ہیں تو احمد بن طولون کے یہودی طبیب کے سوا جس نے اس کے مذہبی جواز کی بھرپور تردید کی تھی اور یہود و نصاریٰ دونوں جماعتوں کے کچھ لوگوں نے جو وہاں موجود تھیں مذکورہ بالا یہودی طبیب کی اپنے اپنے مذہب کے لحاظ سے تائید کی تھی لیکن ان دونوں جماعتوں کے باقی لوگ یہ کہہ کر کہ بھتیجی کسی کی اپنی سگی بیٹی نہیں ہوتی اور یہ کہ از منۂ قدیم سے اس کا رواج چلا آتا ہے اس موضوع پہ مزید گفتگو سے کنارہ کش ہو گئے تھے ۔ یہود و نصاریٰ کی تحریر کردہ کتب تواریخ میں اس مباحثے کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا لیکن ہم نے احمد بن طولون کے مستند بیانات کے حوالے سے اس کی تفصیلات اپنی

کتاب "المقالات فی اصول الدیانات" میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ اس نے یہودی و نصرانی قبطیوں کے اس رواج کی اسلامی احکام کے حوالے سے بڑی زور دار مخالفت کی تھی لیکن اس سلسلے میں اسلام ہی کے احکام کے تحت جن میں کسی کے مذہبی یا غیر مذہبی یعنی رواجی معتقدات و اعمال میں مداخلت نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے انہیں ان پر عمل پیرا رہنے کی آزادی دے دی تھی۔

مصر اور نیل کے عجائبات

مصر اور اس کے دریا نیل کے عجائبات بے شمار ہیں، اس کی ہر ایک چیز کوئی جگہ ہو وہ درحقیقت عجوبہ روزگار نظر آتی ہے، اس کے جملہ حیوانات بھی اپنی اپنی جگہ مشہور و ممتاز ہیں خصوصاً دریائے نیل کی مچھلیوں کی ایک قسم جو رعاد کے نام سے مشہور ہے، وہ لمبائی میں صرف ہاتھ برابر ہوتی ہے لیکن جب وہ کسی شکاری کی بنسی میں پھنس جاتی ہے تو وہ اس کے ہاتھوں بلکہ سارے جسم کو لرزا کر رکھ دیتی ہے، اسے پانی سے نکال کر بنسی سے علیحدہ کرنا شکاری کے لیے دشوار ترین کام ہوتا ہے، اگر اسے ہاتھ لگایا جائے تو وہ شکاری کے پنجے بلکہ پنجے تک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے، اگر کسی خود رو جھاڑی کی شاخ یا پتلی لکڑی کو اس کے پاس لایا جائے تو وہ اس کے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔ غرض یہ کہ اسے بنسی سے نکالنا شکاری کے لیے دوبھر ہو جاتا ہے لیکن لذیذ اتنی ہوتی ہے کہ شاید ہی دنیا کی کوئی دوسری مچھلی لذت میں اس کا مقابلہ کر سکے۔ جالینوس نے اس کی ان صفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح مصر کے دریائی گھوڑے اپنی صفات میں ممتاز ہیں۔ جب وہ دریائے نیل سے نکل کر خشکی پہ کچھ آگے آتے ہیں تو مصر کے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ دریا اب کچھ دنوں تک نہ اس حد سے آگے بڑھے گا جہاں تک وہ گھوڑے آئے ہیں نہ اپنی پہلی سطح سے نیچے اُترے گا کیونکہ ان کے تجربات اور مشاہدات نے اب تک یہی ثابت کیا ہے۔ ویسے بھی دریا کا اس حد سے آگے بڑھنا یا اس کا اس سطح سے نیچے اُترنا اہل مصر کی زرعی فصلوں کے لیے آج تک ہمیشہ بلا استثناء علی الترتیب نفع بخش اور نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ مصر کی خاص خاص نباتات ان گھوڑوں کی مرغوب غذائیں ہیں۔ وہ اگر ان کے لیے کبھی کبھی کھیتوں میں داخل بھی ہو جائیں تو وہ انھیں روندتے نہیں بلکہ جیسا کہ تجربات و مشاہدات سے ہمیشہ ثابت ہوا ہے، بڑی احتیاط سے صرف انھیں پودوں کو تلاش کر کے اور انھیں سے پیٹ بھرتے ہیں جو ان کی مرغوب و پسندیدہ غذا ہوتے ہیں۔ اس پر بھی اگر وہ کبھی کبھار اپنی متعین و معمولی خوراک سے زیادہ کھا لیں تو انہیں کھیتوں کے کنارے لوٹ پوٹ کر اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ رات کے پچھلے پہر دریا سے باہر آتے ہیں اور نمود سحر سے قبل واپس چلے جاتے ہیں۔ جب کبھی وہ اپنی معمولی خوراک سے زیادہ کھا لیتے ہیں اور انھیں صبح سے پہلے

کھیتوں کے کنارے لوٹ کر اسے ہضم کرنے کا موقع نہیں ملتا تب بھی وہ حسب معمول پانی میں اترنے کے لیے واپس ہونے لگتے ہیں لیکن ایسی صورت میں اکثر وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس ذرا سی بداحتیاطی سے ان کا پیٹ شق ہوجاتا ہے اور وہ دریا کے کنارے ہی دم توڑ دیتے ہیں، تاہم ایسا بہت کم ہوتا ہے کیونکہ وہ اگر کھیتوں کے کنارے لوٹ نہیں پاتے تو وہیں قے کرکے فالتو غذا پیٹ سے باہر نکال دیتے ہیں جو کھیتی باڑی کے لیے دنیا میں سب سے بہتر کھاد سمجھی جاتی ہے۔ یہ گھوڑے جب کبھی شاذ ونادر دریا کے کنارے پہنچتے پہنچتے پیٹ پھٹنے سے مرتے ہیں تو ان کے مردہ جسم ایک آدھ گھنٹے سے زیادہ وہاں نہیں رہتے، خدا جانے انہیں آسمان اچک لیتا ہے یا زمین نگل لیتی ہے، وہاں ان کے مرتے کے اثرات پائے جاتے ہیں نہ ان کے پیٹ کی الائش کا کوئی نشان ملتا ہے۔ یہ انوکھا واقعہ صرف ارض مصر اور اس کے دریائے نیل سے مخصوص ہے، دنیا میں کسی دوسری جگہ اس کی مثال نہیں ملتی اس لیے اسے مصر اور دریائے نیل کے عجائبات میں شمار کرنا کچھ بے جا نہیں۔

مصر میں ابنائے نوح کی آمد

ابنائے نوح میں سے مصر میں سب سے پہلے کون آیا؟ یہ سوال اپنی جگہ واقعی بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن علماء، اہل مذاہب اور اہل اخبار وسیر نے اس سلسلے میں اب تک جو کچھ لکھا ہے اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے بیصر بن حام بن نوح بابل چھوڑنے کے بعد سب سے پہلے اپنے اہل وعیال سمیت کے مغربی نواحی علاقے میں کہیں قریب ہی مصر آیا تھا۔ مذکورہ بالا حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ بیصر کے چار بیٹے تھے: مصر ابن بیصر، فاروق بن بیصر اور ماح دیارح۔ انہیں حضرات نے بعد تحقیق یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ بیصر مصری علاقے میں جہاں آکر ٹھہرا تھا اس جگہ کو اس زمانے میں منف کہتے تھے اور وہ جگہ آج تک اسی نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ بیصر اور اس کے اہل خانہ کی تعداد چونکہ تیس تھی، اس لیے ان کے وہاں بس جانے کے بعد لوگ شروع شروع میں ان کی تعداد کی نسبت سے اس جگہ کو بھی ثلاثین[1] کہنے لگے تھے جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل کشتی کی تعداد اسّی کی نسبت سے ارض جزیرہ اور بلاد موصل و بنی حمدان میں اس جگہ کا نام جہاں یہ لوگ آکر ٹھہرے تھے "مدینۂ ثمانین" پڑ گیا تھا۔

بیصر نے کبر سنی میں عمر طبعی کو پہنچ کر اپنی وفات سے پہلے اپنے سب سے بڑے بیٹے مصر کو

---

[1] فرانسیسی نسخے کے سوا یہ لفظ کسی دوسرے نسخے میں نہیں پایا جاتا (مترجم عربی)

اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا جس وجہ سے نہ صرف منف بلکہ سارے مصر کے لوگوں نے بیصر کے انتقال کے بعد اسے اپنا حکمران تسلیم کر لیا تھا۔ پھر اس کی حکومت کے لحاظ سے عریش یا مشہور بستی شجرہ سے لے کر جو شام کی طرف عریش و رفح کے درمیان مصر کی آخری سرحدی بستی ہے، شام اور اس کے علاقے فلسطین تک اور ایلہ سے لے کر جو حجاز کی قدیم بستی تھی برقہ تک نیز ارض صعید کے علاقہ اسوان تک بڑھتی چلی گئی تھی۔ واضح رہے کہ منف سمیت اس وقت سے آج تک مصر اسی کے نام کی نسبت سے مصر کہلاتا ہے۔

مصر کے بھی چار بیٹے تھے۔ قبط، اشمون، اتریب اور صا۔ اس نے مصر کو ان چاروں میں برابر برابر تقسیم کر کے وہاں کی حکمرانی بھی اسی لحاظ سے انہیں سونپ دی تھی۔ چنانچہ مصر کے چار علاقے اشمون، قبط، اتریب اور صا اب تک انہیں کے نام سے منسوب چلے آتے ہیں۔ مصر میں قبط کی نسل سب سے زیادہ بڑھی اور پھلی پھولی۔ اس میں دوسرے بھائیوں کی اولاد شامل ہو جانے سے ان کے انساب خلط ملط ہو گئے۔ لیکن سارا مصر عموماً اقباط مصر ہی کے زیر تسلط رہا، اس کی واحد وجہ اولاد قبط کی کثرت تھی لیکن ان سب بھائیوں کی اولاد مصر میں ہمیشہ اولاد مصر بن بیصر بن حام بن نوح ہی کہلاتی رہی اور اب تک کہلاتی ہے۔

مصر کے جملہ ملوک

قبط بن مصر کے بعد اشمون ابن مصر، اس کے بعد صا بن مصر اور اس کے بعد اتریب ابن مصر یکے بعد دیگرے مصر کے حکمران ہوئے۔ اتریب کے بعد "مالیق بن دارس" اس کے بعد "حرایا بن مالیق" اس کے بعد "کلکی"[1] بن حرایا یکے بعد دیگرے حکومت مصر میں ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ "کلکی" کی مدت حکومت سو سال کے قریب رہی جس کے بعد اس کا بھائی "مالیا[2] بن حرایا" اس کا جانشین ہوا، اس کے بعد "طولس بن مالیا" حکمران ہوا اور اس نے قریباً ستر سال حکومت کی، پھر اس کی بیٹی جو "حوریا بنت طولس" کے نام سے مشہور ہے اپنے طولس کی جانشین ہوئی اور اس نے تیس سال حکومت کی۔ وہ دنیا کی سب سے پہلی خاتون حکمران تھی، اس لیے دوسرے ممالک کے حکمرانوں کی ہوس آلود نظریں مصر کی طرف اٹھنے لگیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مصر بن بیصر کے بھائیوں کی اولاد کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، چنانچہ وہ دنیا میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے انہیں میں وہ بھی تھے جو ایک عرصے سے شام میں حکمرانی کر رہے تھے اور عمالیق کہلاتے تھے۔ ان

---

[1] بعض نسخوں میں "کلی" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " "بالیا بن حرایا" لکھا ہے (مترجم عربی)

شامی حکمرانوں میں سے "ولید بن دومع" اس وقت شام کا حکمران تھا۔ وہ حوریا بنت طولس بن مالیا[1] کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مصر پر حملہ کر دیا۔ حوریا نے لڑائی میں اس کا مقابلہ کیا لیکن ہار گئی اور مصر پہ ولید بن دومع کا قبضہ ہو گیا اور وہ جب تک ہلاک نہیں ہو گیا مصر پر حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا "ریان بن ولید" العملاقی مصر کا بادشاہ ہوا۔ اسی بادشاہ کو فرعونِ یوسف کہا جاتا ہے اور اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کے ساتھ کیا ہے۔ ہم اس کی تاریخی تفصیلات اپنی پچھلی کتاب کتاب الاوسط میں بیان کر چکے ہیں۔ ریان بن ولید کے بعد "دارم بن ریان" عملاقی، اس کے بعد "کامس بن معدان" عملاقی، اس کے بعد "ولید بن مصعب" یکے بعد دیگرے مصر کے بادشاہ ہوئے ولید بن مصعب ہی فرعونِ موسےٰ تھا۔ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی عمالیق ہی میں سے تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ لخم شامی کی اولاد میں سے تھا اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ قبطیوں میں سے یعنی مصر بن بیصر کی اولاد میں سے تھا۔ وہ جبر و استبداد اور ظلم و ستم میں مشہور ہے۔ یہی فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعاقب میں گیا تھا جب وہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر لے جا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ہمراہیوں کے لیے سمندر میں خشک راستہ بنا دیا تھا لیکن جب یہ فرعون اسی راستے پر ان کے تعاقب میں آگے بڑھا تو وہ راستہ بحکم الٰہی تہ آب آ گیا اور فرعون مع اپنے ساتھیوں کے سمندر میں غرق ہو گیا۔ اس کے بعد جو لوگ جن میں بوڑھے، بچے، عورتیں اور شاہی خدام و غلام شامل تھے مصر کی سرزمین میں باقی رہ گئے تھے انہیں اندیشہ ہوا کہ شام اور مغرب کے حکمران ان پر حملہ کر کے مصر پر قبضہ جما لیں گے، اس لیے انہوں نے ایک صاحبِ عقل و تدبر خاتون "دلوکہ" کو اپنی حکمران بنا لیا۔ اس نے اپنی قلمرو کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے وہاں شہر پناہیں اور قلعے تعمیر کرا دیے۔ ان صوبوں میں جہاں مرکزی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ علیحدہ علیحدہ حاکم یا گورنر تھے اگرچہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ تھا لیکن ان کی زبان اور لب و لہجہ ایک ہی رہا اور اب تک یعنی ۳۳۲ ہجری تک قریب قریب ایک ہی ہے ان شہروں اور دوسری بستیوں کے گرد حصار یا دیواریں اس لیے تعمیر کی گئی تھیں کہ وہاں بھیڑیوں اور دوسرے جنگلی درندوں نیز خوف ناک بحری جانوروں کے گھس آنے کا خوف تھا۔ اس کے علاوہ انہیں قریب و جوار کے بادشاہوں کے حملوں اور خانہ بدوش صحرا نشینوں کی لوٹ مار کا بھی اندیشہ

---

[1] بعض نسخوں میں طولیس بن بادیا لکھا ہے (مترجم عربی)

رہتا تھا۔

دلوکہ نے جو دنیا کی سب سے پہلی خاتون حکمران تھی مصر میں دیوی دیوتاؤں کے لیے منادر اور طبیعات، کیمیا، حیوانیات، نباتیات اور ریاضیات پر تحقیق کے لیے تجربہ گاہیں بھی بنوائی تھیں۔ ان تجربہ گاہوں میں حجریات کا شعبہ بھی رکھا گیا تھا جہاں پتھروں کے خواص معلوم کیے جاتے تھے اور نباتیات میں جڑی بوٹیوں کے خواص پر تحقیق کی جاتی تھی تاکہ انہیں امراض کی روک تھام اور ان کے علاج کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ منادر میں دیوی دیوتاؤں کے مجسموں کے علاوہ ان کی دیواروں پر اونٹ اور دوسرے جانوروں کی تصاویر بنائی گئی تھیں نیز جنگی محاذ آرائیوں کے علاوہ دو بدو لڑائی کے رنگین مناظر بھی بڑی مصورانہ مہارت سے پیش کیے گئے تھے۔ ان منادر کے اندر جادوگری کے آلات بھی جمع کیے گئے تھے۔ مذکورہ بالا تجربہ گاہوں میں ایسے سائنسی آلات بھی رکھے گئے تھے۔ جن سے موسموں کے تغیر و تبدل، طوفانوں کی آمد بلکہ غنیم کی یورش کا بھی قبل از وقت پتہ چل جاتا تھا۔ بتایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ مصری حکماء کے سربراہ ایک معمر حکیم کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ تھا۔

بندر گاہِ سعید کے علاقۂ اخمیم میں مجھ سے ایک سے زائد لوگوں نے ابی الفیعض ذی النون بن ابراہیم المصری الاخمیمی الزاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ قدیم مصری تجربہ گاہوں میں ہم نے ابھی جن علوم و فنون پر تحقیقی سرگرمیوں کا ذکر کیا ہے ان سب کا سہرا ایک بزرگ ترین مصری حکیم کے سر ہے جو مذکورہ بالا علوم و فنون کے علاوہ نجوم و رمل اور دیگر علوم فلکیات کا بھی ماہر تھا نیز خطاطی و مصوری میں بھی بدرجۂ کمال دسترس رکھتا تھا۔ ان زبانی بیانات کے علاوہ میں نے بچشم خود ایک مصری عجائب گھر میں مذکورہ بالا حکیم سے منسوب کچھ خطاطی اور مصوری کے نمونے دیکھے ہیں اور جب ان کا اسی عجائب گھر میں محفوظ چند قلمی اوراق اور ان عبارتوں کی عکاسی کے نمونوں سے موازنہ کیا تو ان کا قلم ایک ہی پایا یعنی وہ کسی ایک ہی شخص کے قلم اور موقلم کی مرہون منت نکلیں۔ میں نے اخمیم میں قدیم مصری مقناطیس کے نمونے بھی دیکھے ہیں۔ مصر سے حیوانات خصوصاً پالتو جانور حبشہ کس طرح پہنچے اس کے بارے میں ہم اپنی کتاب "القفنایا والتجارب" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم مذکورہ کتاب میں یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ مصر سے کون کون سی دوسری چیزیں اور علوم و فنون دنیا کے دوسرے ممالک نے کب اور کس طرح حاصل کیں۔ اب ہم اخبار ملوک مصر کے سلسلے میں کچھ باقی باتیں بیان کریں گے۔

باقی ملوک مصر

ملکہ دلوکہ العجوز کے بعد مصر میں درکوس بن بلوطس[1] بادشاہ ہوا، پھر بورس بن درکوس اور نقاس[2] بن بورس یکے بعد دیگرے بادشاہ ہوئے۔ نقاس بن بورس نے پچاس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "دینا بن بورس[3]" اور "نماریس" بن مرینا نے علی الترتیب قریباً دس سال اور دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "بلوطس" ابن میناکیل اور "مالوس بن بلوطس" علی الترتیب چالیس سال اور بیس سال حکمران رہے۔ اس کے بعد "بلوطس" بن میناکیل بن بلوطس اور "بلونا" یکے بعد دیگرے مصر کے بادشاہ ہوئے۔ بلونا نے بہت سی لڑائیاں لڑیں اور دُنیا کا "سبر و سبز" بھی اس کے حالات میں شامل ہے۔ فرعون الاعرج بلونا ہی تھا جس نے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے بیت المقدس کو تباہ کیا۔ اس کے بعد "مرینوس" بادشاہ ہوا اور اس کی ملوک مغرب سے اکثر لڑائیاں ہوئیں۔ اس کے بعد "نقاس" بن مرینوس نے اسی سال اور "قومیس" بن نقاس نے دس سال حکومت کی۔ اس کے بعد "کابیل" بادشاہ ہوا اور اس کی بھی مغرب کے حکمرانوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں۔ وہ کابیل ہی تھا جس پر بخت نا صر (نصر؟) مرزبان مغرب نے ملوکِ فارس سے قبل حملہ کیا تھا اور مصر کو تباہ و برباد اور اس کے لاتعداد باشندوں کو قتل کیا تھا۔ بخت ناصر اس کے بعد ہی اطراف مغرب کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اس کے تفصیلی حالات و کوائف ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب "راحتہ الارواح" میں بیان کیے ہیں کیونکہ ہم نے اس کتاب کو ملوک عالم اور ان کی لڑائیوں کے ان باقی ماندہ حالات و کوائف کے لیے مخصوص کیا تھا جو ہم اس سے قبل اپنی کتاب "اخبار الزماں" میں بیان نہ کر سکے تھے۔

جب بخت ناصر اور اس کے حمایتی فارسی عساکر کا زور ٹوٹا تو مصر میں رومی حکومت آگئی اور اس نے مصر اور اس کے اطراف و جوانب پر غلبہ حاصل کر لیا۔ اس رومی حکومت کے اہل اقتدار نے یہ بھی کیا کہ اہل روم کی طرح اہل مصر کو عیسائی بنا لیا۔ رومیوں کی حکومت مصر پر اس وقت تک قائم رہی جب تک کسریٰ نوشیرواں نے شام پر حملہ کر کے وہاں اپنا تسلط نہ جما لیا۔ نوشیرواں نے شام سے مصر کی طرف رخ کیا اور اسے مغلوب کر کے وہاں بھی اپنی حکومت قائم کر لی جو بیس[5] سال تک قائم رہی۔ اس دوران میں روم

---

[1] بعض نسخوں میں "درکوش بن بلوطش" لکھا ہے (مترجم عربی)

[2] " " " "نورش بن درکوش" " " (")

[3] " " " "ملعس بن نورش" " " (")

[4] " " " "درسا بن نورس" " " (")

[5] " " " "دس سال" " " (")

اور فارس کے درمیان مسلسل لڑائیاں ہوتی رہیں اور اہل مصر مجبوراً دونوں کو سالانہ خراج دیتے رہے لیکن جب اہل فارس اپنے ہی ملک میں لگاتار مختلف حادثات سے دوچار ہونے لگے تو رومی شام اور مصر دونوں پر غالب آگئے اور وہاں اپنے اقتدار کے دوران میں دین مسیحی کی خوب اشاعت کی۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے عرب میں ظہور اسلام کے بعد مدینے میں اسلامی اقتدار کو استحکام حاصل ہوا اس وقت مصر میں مقوقس قبطی حکمران تھا اور وہ بھی نصرانی تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے مراسلت کے بعد بہت سے تحائف بھیجے۔ مصر کی طرف سے عرب کو رہ رہ کر یہ تحائف بھیجنے کا سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک وہاں کی اسلامی حکومت کی جانب سے عمرو ابن العاص نے مصر فتح کیا اور اس پر مسلمانوں کو مستقل اقتدار حاصل ہوا۔ اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ عمرو بن العاص نے مصر میں فسطاس کی بنیاد رکھی۔ یہ قصبہ وہاں اب بھی موجود ہے۔ جب عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا اس وقت بھی وہاں مقوقس قبطی کی حکومت تھی۔ وہ ایک سال میں ہر بار موسموں کے لحاظ سے کبھی اسکندریہ، کبھی منف اور کبھی قصر شمع میں رہتا تھا۔ جب عمرو بن عاص نے مصر فتح کر کے اس کے گردو نواح کی طرف توجہ کی اس وقت مقوقس قصر شمع میں تھا۔ اس کے اور عمرو بن عاص کے مابین اس وقت جب موخر الذکر نے قصر شمع پر قبضہ کیا جو گفتگو ہوئی وہ کتب تواریخ میں کافی تفصیل کے ساتھ قلمبند کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں مصر و اسکندریہ کے بارے میں اور بھی بہت سی تفصیلات ملتی ہیں۔ کتب تواریخ میں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو صرف بحکم الٰہی انبیاء سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں اور آپ کے دیگر حالات و کوائف نیز اقوال مبارک کا بھی ذکر آیا ہے جنہیں اہل ثقہ کی زبانی سن کر اہل مصر نے آپ کی صداقت اور آپ کے اللہ کا آخری نبی ہونے کو تسلیم اور اسلام قبول کیا تھا۔ عمرو بن عاص ظہور اسلام سے قبل بھی ایک بار مصر جا چکے تھے جہاں ایک نصرانی راہب نے ان کے سامنے عرب میں ظہور اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت نبوت کی پیشگوئی کی تھی۔ ان سب باتوں کو ہم اپنی پچھلی دو کتابوں اخبار الزماں اور کتاب الاوسط میں تفصیلاً لکھ چکے ہیں۔

ملوک مصر کی تعداد

ملوک مصر کی مجموعی تعداد جس پر کچھ معمولی اختلافات کے باوجود سب مؤرخین متفق ہیں ایک سو تین بتائی جاتی ہے۔ ان میں تینتیس ۳۲ فراعنۂ مصر، پچاس عمالیق ملوک بابل، چار وہ عمالیق جو شام سے مصر آئے، سات ملوک روم اور دس ملوک یونان شامل ہیں۔ یہ سب حکومتیں سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے قبل کی تھیں۔ جن چند اہل فارس نے براہ راست مصر پر حکومت کی وہ بھی کسرائے فارس کے ازمنۂ قدیم سے تعلق رکھتے تھے۔ بہرکیف ان

سب کو شامل کر کے مصر کے جملہ حکمرانوں کی مدت حکومت ایک ہزار تین سو سال رہی۔ مصر کے فرعونوں کو فراعین کیوں کہا جاتا ہے اس کے بارے میں ہمیں کچھ معلوم نہ ہو سکا نہ مصری زبان کی قدیم و جدید لغات میں یہ لفظ کہیں ملتا ہے۔ ممکن ہے مصر کی قدیم زبان پہلوی کی طرح کچھ اور ہو اور جس طرح آج کی فارسی میں پہلوی زبان کے بہت سے الفاظ متروک الاستعمال ہیں اسی طرح قدیم مصری زبان کے بعض الفاظ اور ان کے معانی بھی اب اہل مصر کو یاد نہ رہے ہوں۔ یونانی، رومی اور حمیری قدیم زبانوں کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا ہے۔

مصری دفینے

مصر کے دفینوں اور ان میں پائے جانے والے نوادرات کے بارے میں ہم نے وہاں متعدد عجیب و غریب واقعات سُنے جنہیں ہم اپنی پچھلی تصنیفات "تالیفات" میں تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے ایک واقعہ ہم یحییٰ بن بکیر کے حوالے سے یہاں بیان کرتے ہیں اس نے بیان کیا ہے کہ جب عبدالعزیز بن مروان اپنے بھائی عبدالملک بن مروان کی طرف سے مصر کا گورنر تھا تو اس کے پاس سن رسیدہ مصری آیا جو اس سے قبل مصر کے دوسرے حکمرانوں کو بڑے مفید مشورے دیتا رہا تھا۔ عبدالعزیز بن مروان نے اس سے کہا "آپ مجھے بھی کوئی مشورہ دیجیے۔" وہ شخص بولا: "اگر آپ مجھ سے کوئی لاجواب مفید ترین مشورہ چاہتے ہیں تو وہ یہ ہے کہ فلاں عظیم گنبد کے نیچے ایک قدیم مصری خزانہ مدفون ہے جس میں چاندی سونے کے علاوہ نادر و نایاب جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں آپ اس گنبد کو گروا کر اس کے نیچے کی زمین کھدوائیے اور اس میں مدفون خزانہ حاصل کر لیجیے جس کا میں نے آپ سے ذکر کیا ہے۔" عبدالعزیز بن مروان بولا "آپ نے جو کچھ مجھے بتایا اس کی صداقت کا کیا ثبوت ہے؟" اس نے کہا: "جب آپ اس گنبد کے نیچے کی زمین کھدوائیں گے تو وہاں سنگ رخام کے اور سنگ مرمر کے تراشیدہ بُت ملیں گے، مزید کھدائی کے بعد ایک تہہ خانہ ملے گا جس میں چاندی سونے کے متعدد ستون ہوں گے اور جب اس تہہ خانے میں سونے چاندی کے بڑے بڑے بلند و بالا اور حد درجہ وزنی مجسمے ملیں گے جو مختلف جواہرات، مرجان، یاقوت اور زمرد وغیرہ سے مرصع ہوں گے۔ اس تہہ خانے کے نیچے ایک اور تہہ خانہ ہے، جب آپ وہاں تک پہنچیں گے تو اس میں آپ کو قدیم مصر کا وہ نادر و نایاب مدفون خزانہ ملے گا جس کی قیمت کی برابری دُنیا کے سارے خزانے مل کر بھی نہیں کر سکتے۔" اس شخص کی یہ باتیں سُن کر عبدالعزیز بن مروان بہت خوش ہوا، پھر بولا: آپ اس گنبد کو ڈھلواتے اور اس کے نیچے کی زمین کھدوانے کے لیے مزدور لگوا دیجیے، انہیں اس کی مزدوری ایک ہزار دینار ملیں گے۔" وہ شخص اس پر راضی ہو گیا۔ اس کے پتہ بتانے پر دیکھا گیا تو واقعی اس

جگہ ایک قدیم بلند و بالا سنگی گنبد موجود تھا۔ اس گنبد کو جس نے اس وقت کسی ٹیلے کی شکل اختیار کر لی تھی مسمار کیا گیا اور اس کے نیچے کی زمین کھودنے کے بعد جب اور کھدائی کی گئی تو وہاں درحقیقت ایک تہ خانہ تھا جہاں اس شخص کے کہنے کے مطابق سنگ رخام اور سنگ مرمر سے تراشیدہ بت پائے گئے۔ یہ دیکھ کر عبدالعزیز کے دل میں لالچ آگیا۔ اس نے مزدوروں کی اجرت میں اضافہ کر دیا اور اس شخص کے بتائے ہوئے خزانے کو حاصل کرنے کے لیے کھدائی پہ کھدائی کرانے لگا۔ ہر تہ خانے میں سب وہی چیزیں ملتی چلی گئیں جو اس شخص نے بتائی تھیں۔ آخری تہ خانے میں بوڑھوں، جوانوں، عورتوں اور بچوں کے سونے میں ڈھلے ہوئے مجسمے ملے جو بیش قیمت جواہرات سے پٹے پڑے تھے۔ ان کے سروں پر جو مرصع تاج تھے ان کے ہیروں کی چمک دمک بجلی کی چمک کو مات کر رہی تھی اور ان کی طرف نگاہ اٹھانے سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ اس شخص کے کہنے پہ ان مجسموں کو توڑا گیا کیونکہ وہ ٹھوس نظر آنے کے باوجود ٹھوس نہ تھے۔ ان میں سے بھی بیش قیمت جواہرات کے ادھر ادھر بکھر کر ڈھیر لگ گئے لیکن ان کے بیچ میں ہو بہو انہیں مجسموں کی شکل کے انسانی لاشے تھے جن پہ سونے کا لیپ کیا گیا تھا جس سے وہ چمک رہے تھے مگر حقیقت میں انہیں حنوط کیا گیا تھا اور ان پر سونے کا لیپ بھی اسی مسالے کا ایک جزو تھا جس سے ان مردہ لاشوں کو مومیایا گیا تھا۔ تب معلوم ہوا کہ وہ مجسمے ایستادہ کیوں نہیں تھے اور انہیں لٹایا کیوں گیا تھا۔ جب ان مردہ لاشوں کو باہر نکالنے کی کوشش کی گئی تو وہ بکھر کر راکھ ہو گئیں لیکن اس راکھ میں جو حنوطی اجزاء رہ گئے تھے جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تو ان میں سے عجیب سرور آور خوشبو نکلنے لگی۔ عبدالعزیز بن مروان قدیم مصری لوگوں کی لاشوں کو حنوط کرنے میں مہارت کو دیکھ کر حیرت زدہ اور انگشت بدنداں رہ گیا، لیکن زر و دولت کی اس بے مثال کثرت کے باوجود حیات انسانی کے اس دردناک مآل پہ خدائے ذوالجلال کو یاد کرتا ہوا وہ سب خزانہ چھوڑ چھاڑ واپس لوٹ آیا۔

یحییٰ بن بکیر کا بیان کردہ یہ واقعہ احمد بن طولون کے بیان کردہ کچھ واقعات اور اس کے بتائے ہوئے مصر کے کچھ دوسرے حالات و کوائف اور ان عجائبات کے عین مطابق ہے جن کا ہم اپنی پہلی کتابوں میں تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔

واضح رہے کہ مصر کے ان حالات و کوائف اور عجائبات و مقابر کا تعلق جن کا ذکر ہم اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں نیز مصر کی اس علمی و سائنسی ترقی اور اہل مصر کے ان کمالات کا تعلق جن کا ہم اس کتاب کے پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں نہ یہودیوں کے زمانے سے ہے نہ نصرانیوں کے

زمانے سے ہے بلکہ ان کا تعلق مصر کی تاریخ کے اس زمانے سے ہے جسے اب چار ہزار سال گزر چکے ہیں حالانکہ انہیں دیگر پہلے مؤرخین کے علاوہ احمد بن طولون اور یحییٰ بن بکیر نے ۳۲۸ سنہ ہجری میں بیان کیا اور ان دونوں کے حوالے سے ہم انہیں اب یعنی ۳۳۲ سنہ ہجری میں بیان کر رہے ہیں۔

اسکندریہ، اس کا آغاز تعمیر اور اس کے ملوک و عجائبات

اخبار اسکندریہ اہل علم کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے کہ جب سکندر مقدونی اپنے دارالحکومت مقدونیہ اور اس کے گرد و نواح کے بحری و بری انتظام و استحکام سے مطمئن و فارغ ہوا تو وہ اسکندریہ پہنچا۔ اس نے وہاں بڑی عظیم عمارتوں اور سنگ رخام سے تعمیر کردہ بہت سے چھوٹے بڑے میناروں کے آثار دیکھے، اس نے ان کے درمیان ایک ایسا فلک بوس مینار بھی دیکھا جو امتداد زمانہ سے بے نیاز ابھی تک سر اُٹھائے اسکندریہ کی عظمت رفتہ کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ اس مینار کی فرشی منزل پہ مسندی تحریر میں کچھ عبارت لکھی ہوئی تھی جو حمیریوں اور ملوک عاد کے زمانے کی اوّلین تحریر تھی۔ مذکورہ مینار پہ اسی زمانے کی زبان اور اسی زبان کے رسم الخط میں لکھا تھا:۔

"میں شداد بن عاد بن شداد بن عاد ہوں، میرے ہاتھوں ممالک کو قوت و پختگی حاصل ہوئی، میرے حکم سے بڑی بڑی چٹانیں اور پہاڑیاں کاٹی گئیں۔ میں نے باغ ارم تعمیر کیا ہے جس کی چار دیواری سنگ عماد کی ہے۔ اس باغ کی مثال ساری دنیا میں کہیں نہیں ملے گی میرا ارادہ ہے کہ اس باغ میں دنیا کے نادر ترین اشجار، پھول پھل وغیرہ جمع کر دوں اور اس میں دنیا کے معزز ترین و شریف ترین لوگ بلا کر انہیں جملہ آسائشیں مہیا کر دوں۔ میں نے اب تک جو چاہا اسے جلد سے جلد حاصل کر لیا لیکن پھر بھی مجھے اب رات کو نیند آتی ہے نہ دن کو سکون ملتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میری موت کا وقت اب قریب آپہنچا ہے، ویسے مجھے نہ کسی قاہر و جبار بادشاہ کا خوف ہے نہ کسی لشکر جرار کا ڈر ہے لیکن پھر بھی میں سمجھتا ہوں کہ میری پیرانہ سالی کی وجہ سے میرے بہت سے مہمات و مقاصد پورے نہ ہو سکے، تاہم مجھے اطمینان ہے کہ میں بہت سے قابل قدر آثار چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو شخص میرے ان آثار کو دیکھے اور اسے میری جیسی طویل عمر اور عمیق نظر حاصل ہو تو سمجھ لے کہ دنیا سرائے فانی ہے

اس میں کسی کو سکون و قرار حاصل ہو سکتا ہے نہ حیات دوام، لہٰذا اس سے دل لگانا بیکار ہے۔"

اس کے آگے شدّاد نے دنیا کی بے ثباتی، دنیاوی زر و مال اور شاہی جاہ و جلال کی ناپائداری کے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا اور آخر میں اس عبارت کے قاری کو عیش و عشرت میں پڑ کر مآلِ حیات پہ نظر ڈالنے سے ممانعت اور اپنے انجام سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی تھی۔

سکندر شدّاد کی تحریر کردہ اس عبارت کو پڑھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ اس کا کہاں تک اعتبار کرے۔ البتہ اس نے اسکندریہ کے طول و عرض کی پیمائش کا حکم دے کر اس کے بعد وہاں متعدد نئی عمارتیں تعمیر کرائیں جس کے لیے اس نے سنگِ عمد، سنگِ رخام اور سنگ مرمر اور دوسرے پتھر جزیرہ صقلیہ، بلادِ افریقہ و اطربلش اور بحرِ روم کے گرد و نواح سے جو بحر اوقیانوس کے متصل ہیں منگوائے اور انہیں منگوانے کے لیے بڑی بڑی کشتیوں کا انتظام کیا۔ اس نے کچھ پتھر اور دوسرا سامان روڈس کے جزیرے سے بھی منگوایا تھا۔ یہ جزیرہ اسکندریہ کے بالکل سامنے ہے اور سمندری راستے سے یہاں سے وہاں تک رات بھر کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ جزیرہ آج بھی یعنی ۳۳۲ ہجری تک موجود ہے اور مشرقی جانب سے یورپ کا پہلا آباد جزیرہ ہے۔ آج کل وہاں روم کے بہت سے صنعتی ادارے قائم ہیں، جنگی جہاز بنتے ہیں اور رومیوں کی کثرت ہے جو اکثر اسکندریہ اور مصر آتے جاتے رہتے ہیں جہاں اب بہت سی تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔

اس بات سے قطع نظر کہ سکندر نے شدّاد بن عاد بن شدّاد بن عاد کی مندرجہ بالا تحریر کا اعتبار اور اس کی نصیحت و ہدایت پر عمل کیا یا نہیں ہم سطورِ بالا میں بیان کر چکے ہیں کہ اس نے اسکندریہ کو جو اس کے زمانے تک کسی خرابے کی شکل اختیار کر چکا تھا دیکھ کر اس کی از سرِ نو تعمیر کا ارادہ کیا اور وہاں بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اس سے قبل اس نے اس کے طول و عرض کی پیمائش کرائی تاکہ وہاں ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی جا سکے۔ چنانچہ جب پیمائش ہو چکی تو اس نے اس مجوزہ شہر کی بنیادوں کے لیے پیمائش شدہ زمین کے چہار جانب کھدائی کرائی اور اس کے گرد اونچی اونچی شاخوں کی باڑ لگوائی، پھر اس باڑھ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے سے لکڑی کے موٹے موٹے ڈنڈے گڑوائے گئے اور ان کے سروں پہ لوہے کی پتلی پتلی سلاخیں کٹوا کر کنڈے لگوا دیے گئے۔ ان کنڈوں کا مقصد ہم ابھی بیان کریں گے۔

سکندر نے مجوزہ نئے شہر کے بیچ میں اپنے قیام کے لیے پہلے ایک عارضی عمارت تعمیر کرائی تھی اور اس کے گرد اپنی فوج کے سرداروں اور سپاہیوں کے لیے چھوٹے بڑے عارضی مکان بھی

تعمیر کرا دیے تھے۔ اس نے شہر کی مجوزہ چہار دیواری کے ساتھ ساتھ معماروں اور مزدوروں کے لیے سکونتی کمرے بھی تعمیر کرا دیے تھے تاکہ وہ اپنے کام پر جلد سے جلد پہنچ سکیں۔ اپنی مذکورہ قیام گاہ کی چھت پر اس نے لکڑی کا ایک برج بنوایا تھا اور اس کے بیچ میں گرجا گھروں کی طرح ایک بڑی سی گھنٹی ٹنگوائی تھی، اس گھنٹی میں سوت کی موٹی سی رسی بندھوائی تھی جس کا ایک سرا اس نے اپنی خواب گاہ تک پہنچایا تھا اور اس رسی کا طویل حصہ بالاہی بالا مذکورہ باڑھ کے ڈنڈوں میں لگائے ہوئے کنڈوں سے گزار کر جن میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگائی گئی تھیں چاروں طرف لے جایا گیا تھا۔ سکندر کا مقصد یہ تھا کہ وہ کسی دن علی الصباح ساعت سعید دیکھ کر اپنی خواب گاہ کی رسی کا سرا کھینچے گا جس سے برج کی بڑی گھنٹی بجنے لگے گی اور اس کے ساتھ ہی دوسری گھنٹیاں جو اسی کے طویل حصے کے ذریعے باڑھ میں لگائی گئی تھیں وہ بھی بجنے لگیں گی۔ اس طرح شہر کی چہار دیواری کی بنیادوں کا کام بیک وقت شروع ہو سکے گا یہ بات معماروں اور مزدوروں کو پہلے ہی بتا دی گئی تھی لیکن قدرت کا کرشمہ دیکھیے کہ ایک دن صبح ہی صبح سکندر کے بیدار ہونے سے قبل ایک کوا اس رسی پر آ بیٹھا جو اس کی خواب گاہ تک پہنچائی گئی تھی اور کوے کے ادھر ادھر پھدکنے سے نہ صرف برج کی بڑی گھنٹی بلکہ دوسری گھنٹیاں بھی بجنے لگیں۔ سکندر ہڑبڑا کر اٹھا تو ظاہر ہے کہ اس آواز سے معمار اور مزدور کیوں نہ بوکھلا کر اٹھتے اور اپنے کام کے لیے مستعد ہو جاتے۔ سکندر نے فوراً دوسرا حکم دیا کہ ابھی بنیادوں کی کھدائی کا کام شروع نہ کیا جائے۔ اس دوسرے حکم پر اور لوگوں کے علاوہ معمار اور مزدور بھی حیران ہوئے لیکن "رموز مملکت خویش خسرواں دانند" کہہ کر خاموش ہو گئے اور سکندر بھی پہلے تو "تدبیر کند بندہ تقدیر کند خندہ" کے پیش نظر اور یہ سوچ کر کہ شاید خالق کائنات کی مصلحت کچھ اور ہو پہلے تو چپ رہا لیکن اگلے ہی دن نہ جانے کیا خیال آیا کہ ایک جگہ مجوزہ شہر کا اساسی پتھر نصب کرانے کے بعد عمارتوں کی تعمیر شروع کرا دی۔ ممکن ہے یہ اس کی افتاد طبع کا نتیجہ ہو۔ بہرکیف عمارتیں بننا شروع ہوئیں لیکن جو عمارت دن بھر جتنی بنتی رات کو شکست و ریخت کا شکار ہو جاتی۔ سکندر جو اپنے استاد اور وزیر اعظم ارسطو کی طرح ذہانت و تدبر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا غور کرتا رہا کہ آخر ان عمارتوں کی یہ درگت رات کے وقت کون بنا جاتا ہے اور آخر کار ایک شب کو وہ رات بھر جاگتا رہا تو اس نے دیکھا کہ نصف شب گزر جانے کے بعد عجیب و غریب شکلوں کے بہت سے لحیم شحیم چوپائے سمندر سے نکلے اور دن بھر جو عمارتیں تیار ہوئی تھیں انہیں توڑ پھوڑ کر چلتے بنے۔

سکندر جو ذہانت و حکمت کا پتلا ہونے کے علاوہ راج ہٹ کا بھی کامل نمونہ تھا ان خوف ناک سمندری جانوروں سے چھٹکارا پانے پر تل گیا۔ اس نے شیشے کا ایک مضبوط تابوت بنوایا۔ اس کے

پیندے پر تانبے یا کسی اور دھات کی دبیز چادر چڑھوائی جو تابوت کو سمندری لہروں کی شکست و ریخت سے محفوظ رکھ سکے اور اُوپر آزمودہ ربڑ کی دو اتنی لمبی اور ایسی نالیاں لگوائیں جن سے تابوت میں ہوا تو جا سکے لیکن پانی نہ رِس سکے اور اگر وہ سمندر کی گہرائی میں تہہ تک بھی چلا جائے تو نالیاں سطح آب سے اُوپر رہیں۔ یہ سارے ضروری اور حفاظتی انتظامات کر کے وہ اس تابوت کو دو کشتیاں ادھر اُدھر رکھ کر دُور تک سمندر میں لے گیا خود اس میں بیٹھ گیا اور ہر کشتی کے ملاحوں کو حکم دیا کہ سَن کے موٹے رسّوں کے ذریعے اسے اس وقت تک نیچے جانے دیا اور تہہ آب رکھا جائے جب تک وہ واپسی کا اشارہ نہ کرے۔ تابوت کو سمندر میں اُتارا گیا تو اسے سکندر کے حکم کے مطابق اس وقت تک گہرائی میں جانے دیا گیا جب تک وہ تہہ میں نہ پہنچ گیا حُسن اتفاق سے وہاں ادھر ادھر دُور تک سمندری چٹانیں نہ تھیں اور دن کا وقت ہونے کی وجہ سے پانی میں ہر چیز صاف نظر آرہی تھی۔ وہاں وہی لحیم شحیم خوف ناک جانور ہر طرف دوڑتے پھر رہے تھے جن کی شکلیں وہ رات کے وقت نہ دیکھ سکا تھا۔ ان کی شکلیں سکندر نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں تو رسّوں کے ذریعے کشتی کے ملاحوں کو اشارہ کیا کہ وہ تابوت کو اوپر کھینچ لیں اور جب وہ سمندر کی سطح پر آگیا تو سکندر اس میں سے ہشاش بشاش باہر نکلا اور لوگوں نے دیکھا کہ اس کے سنجیدہ چہرے پر اُمّیدوں کے برخلاف ہنسی کھیل رہی ہے۔

سکندر نے اسی دن ان سمندری جانوروں کی شکلوں اور ان کی جسامت کا نقشہ یونان کے ان ماہر مجسمہ سازوں کے سامنے جنہیں وہ اپنے ساتھ لایا تھا اس طرح کھینچا جیسے وہ اس وقت بھی اس کے پیشِ نظر ہوں اور جب وہ اچھی طرح ان کے ذہن نشین ہو گئیں تو انہیں حکم دیا کہ وہ پتھر کے بجائے موٹی لکڑی کے ٹکڑے جوڑ کر انہیں شکلوں اور جسامت کے مجسمے تیار کریں اور ان پر ایسا روغن کریں جو رات کے اندھیرے میں فاسفورس کی طرح چمکے۔ حکم کی دیر تھی کہ دو تین ہی روز میں وہ مجسمے بن کر تیار ہو گئے اور ان پر ایسا ہی رنگ روغن کر دیا گیا جیسا سکندر نے حکم دیا تھا۔ ان مجسموں کو جو تعداد میں بے شمار تھے ہر زیرِ تعمیر عمارت کے سامنے اور اس کے گرد رکھ دیا گیا۔ اس سے قبل جن دو راتوں کو وہ جانور سمندر سے نکل کر آئے تھے تو ان عمارتوں کے صرف اس ملبے کو روند کر جو انہیں کی شکست و ریخت کا نتیجہ تھا واپس چلے گئے تھے لیکن جس دن شام کو وہ مجسمے ہر عمارت کے اردگرد رکھے گئے تھے تو اس کی رات کو بھی وہ حسبِ معمول آئے لیکن اندھیرے میں اپنی ہی شکل کے ان چمکتے دمکتے مجسموں کو دیکھ کر جو انہیں کی طرح کے ہو بہو اصلی جانور نظر آتے تھے پہلے تو ٹھٹکے اور پھر مڑتے اور دم دبا کر بھاگتے ہوئے سمندر میں ایسے غائب ہوئے کہ اس کے بعد کسی کو کبھی نظر نہ آئے۔ سکندر اپنے اس لاجواب منصوبے اور ان سے

ہمیشہ کے لیے پیچھا چھڑانے کی تدبیر پر خوش ہوتا رہا ۔ نئے شہر کی مضبوط فصیلیں اور خوشنما عمارتیں تعمیر ہوتی رہیں اور لوگ اپنے دانش مند بادشاہ کی بے نظیر ذہانت پر عش عش کرتے رہے ۔ جب نیا شہر بلحاظ تعمیر مکمل ہو کر آباد ہو گیا تو اس کا نام اس کے بانی کے نام پر اسکندریہ رکھا گیا اور آج تک تمام دُنیا کے لوگ اسے اسی نام سے یاد کرتے ہیں ۔ اسکندریہ اب بھی اپنی مرمریں عمارتوں کی وجہ سے رات کے وقت دن کی چمک دمک اور روشنی کو شرماتا ہے ، ویسے ان عمارتوں پر دن کے وقت بھی نظر پڑتے ہی آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہونے لگتی ہے ۔

اسکندریہ کی بنیاد اور اس کی تعمیر کے بارے میں اکثر مورخین نے وہی کچھ لکھا ہے جو ہم نے ابھی بیان کیا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسے مصر کی ملکہ دلوکہ نے تعمیر کرایا تھا تاکہ وہ مصر پر کسی حملہ آور دشمن کے لیے پہلا مورچہ ثابت ہو سکے ، کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اسے مصر کے دسویں فرعون نے تعمیر کرایا تھا جس نے اہرام مصر تعمیر کرائے تھے اور یہ کہ سکندر نے چونکہ دنیا کے بیشتر ممالک فتح کر لیے تھے اس لیے اس کی شہرت کی وجہ سے لوگ اس شہر کو بھی اسکندریہ کہنے لگے تھے ورنہ مصر پر حملہ کرنے والے سکندر کے نام سے جس نے پہلے اس شہر کو تاراج کیا تھا اس کی تعمیر کس طرح منسوب کی جا سکتی ہے تاہم کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ سکندر ہی تھا جس نے اسے فتح کرنے اور تاخت و تاراج کرنے کے بعد از سر نو تعمیر کرایا اس لیے یہ شہر اب تک اسی کے نام سے منسوب ہے ۔

مینار اسکندریہ کا انہدام

ہم نے سکندر سے قبل اسکندریہ میں جس قدیم مینار کا ذکر پچھلے صفحات میں سکندر کے حوالے سے کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ اسے شداد نے تعمیر کیا تھا اس کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ بھی دراصل سکندر ہی نے تعمیر کیا تھا اور اس کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ روم کا ایک بادشاہ ولید بن عبد الملک بن مروان کے زمانے میں دمشق گیا اور اس کے خدام خاص میں شامل ہو گیا ۔ اس کا ارادہ ولید کو قتل کرنے کا تھا لیکن ولید کو عربی لب و لہجہ پر شبہ ہوا تو اس کے عرب ہونے کی تحقیق کی گئی تو ولید کا شبہ صحیح نکلا ۔ اس کے علاوہ اس کے ایک رازدار خادم نے بھی اس کا راز فاش کر دیا جس پر ولید نے اسے قتل کرنا چاہا لیکن وہ معافی مانگ کر مسلمان ہو گیا اور ولید کی قربت و توجہ اور اس کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے دمشق میں کچھ مدفون خزانوں کا حال بتایا جہاں سے واقعی بہت سا سونا ، سونے کے مرصع زیورات اور جواہرات نکلے ۔ ولید نے لالچ میں آ کر اس سے مزید دفینوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ بے شمار بیش قیمت جواہرات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسکندریہ جائے جہاں سکندر نے ایک مینار تعمیر کر کے اس کے تہ خانے میں اور

اس کے اردگرد اپنے زمانے میں بہت سے خزانے جو اس نے اپنی فتوحات کے دوران میں حاصل کیے تھے دفن کر دیے تھے۔ یہ سن کر ولید کا لالچ اور بڑھا اور اس نے اسکندریہ پہنچ کر سکندر کا تعمیر کردہ مینار مسمار کرا دیا۔ رہا یہ کہ اسے وہ خزانے ملے یا نہیں اس کی تصدیق نہیں ہو سکی لیکن یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جس مینار کو ولید نے منہدم کرایا وہ سکندر ہی کا تعمیر کردہ تھا۔ سکندر کے مملوکہ جواہرات اور خزائن کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر کی ماں جب اس کے مرنے کے بعد اسکندریہ آئی تو اس نے سکندر کے شراب پینے کے طلائی ساغر سمندر میں پھنکوا دیے تھے اور ان کے ساتھ بہت سے جواہرات بھی کیونکہ اسے سکندر کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ سکندر کے طلائی ظروف میں سے کبھی کبھی اب بھی کوئی نہ کوئی برتن وغیرہ اسکندریہ کے سمندر سے نکل آتا ہے۔

تعمیر اسکندریہ کے سلسلے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکندریہ کے قریب سمندر میں جو مینار مینار رتھی اس کے نمونے کا موجود ہے وہ بھی سکندر ہی نے تعمیر کرایا تھا، اور اس کی تعمیر پہ بے شمار روپیہ خرچ کیا تھا۔ اس نے وہاں بہت سے جواہرات بھی پوشیدہ طور پہ رکھے۔ جو اس کے مرنے کے بعد خدا جانے کس کے ہاتھ آئے۔ سکندر کے کچھ دوسرے خزانوں کے بارے میں بھی لوگ بے شمار کہانیاں بیان کرتے تھے اور اب بھی بیان کرتے ہیں۔ سکندر کے متعلق یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان سے نارنگی اور اخروٹ وغیرہ کے درخت لایا تھا جو اسکندریہ ہی سے بصرہ، عراق اور شام وغیرہ پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عطر وغیرہ بھی جو اب ان ممالک میں پائے جاتے ہیں سکندر ہی ہندوستان سے لایا تھا۔

اسکندریہ کے جس مینار کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے ملوک مصر ہی میں سے کسی نے تعمیر کیا تھا اور اس کی چوٹی پہ ایک بہت بڑا آئینہ لگایا تھا جو گھومتا رہتا تھا اور اس سے اسکندریہ پہ دشمن کے حملے کی قبل از وقت خبر ہو جاتی تھی۔

یہ تھی ملوکِ مصر، مصر کے عجائبات، اسکندریہ کی تعمیر اور مصر کی نیز یونان کے حالات دکو الف کی تاریخی داستان۔ ویسے مصر، اسکندریہ بلاد اندلس روم اور مغرب وغیرہ اور مشرق میں بھی اور دوسرے شہروں کے بارے میں اور بہت سی باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ چونکہ ہم ان کا ذکر اپنی پچھلی کتابوں میں کر چکے ہیں اس لیے یہاں بخوف طوالت انہیں چھوڑ دیا ہے تاہم ان میں سے کچھ ضروری باتیں جو آتشکدوں، ہیکلوں اور دوسری مقدس عبادت گاہوں کے بارے میں ہیں اور ان کی کتب تواریخ سے تصدیق ہوتی ہے ہم آگے چل کر انشاء اللہ حسب موقع اس کتاب میں بھی بیان کریں گے۔

سوڈان

سوڈانی نسلیں، قومیں، مرد، عورتیں، ابتدائی ممالک، مختلف آبادیاں اور حکمران

کوش کی اولاد

حضرت نوح علیہ السلام کی نسل دُنیا میں پھیلی تو کوش بن کنعان کی اولاد مغرب کی طرف بڑھی اور دریائے نیل کے پار چلی گئی، پھر ان کی ایک جماعت جو میمنہ کہلاتی ہے مشرق و مغرب کے درمیانی علاقے میں ٹھری اور نوبہ، بجہ اور زنگی کے ناموں سے مشہور ہوئی۔ پھر ان کے کچھ لوگ مزید مغرب کی جانب بڑھے تو الگ الگ قومیں بن کر زغاوہ، کانم، مرکہ، کوکو، غانہ وغیرہ کہلائے۔ سوڈانی اور دمادمی بھی انہیں میں سے ہیں۔ ان میں جو لوگ مشرق و مغرب کے درمیان ٹھہرے یا کیرو مشکر اور بربر میں پھیلے وہ سب بھی زنگی ہی مشہور ہوئے۔ ان کا ذکر ہم بحر حبشی اور خلیج بربری نیزان کے قریبی مقامات دھلک، زیلع و ناصع اور اصحاب نمور و حمیر کے ساتھ پہلے کر چکے ہیں۔ نمور و حمیر دراصل ان کے لباس تھے جن کی نسبت سے وہ نموری و حمیری کہلانے لگے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی آبادیاں اب اسلامی مقبوضات تک پھیل گئی ہیں نمور و حمیر جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا وہ کھالیں ہیں جنہیں یہ لوگ اوّل اوّل بطور لباس استعمال کرتے تھے، ان میں سب سے اچھی کھال سروج کہلاتی ہے۔ زنگ و حبش بحر ہند کی داہنی جانب کے قریبی علاقے ہیں جہاں سے سلاحف کے وقت سے گوبر کی کھاد اور اسی قبیل کی دوسری چیزیں باہر لے جائی جاتی ہیں جن میں مچھلیاں وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں اونٹ کی سی لمبی گردن کا گدھے سے کسی قدر بڑا دھاری دار جانور زرافہ بھی پایا جاتا ہے، ویسے اس جانور کی نوبہ کے علاوہ سارے افریقہ میں بہتات ہے۔

زرافہ

زرافہ کی نسل کے بارے میں لوگ مختلف الخیال ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ اُونٹ کی نسل سے ہوتا ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کی پیدائش اُونٹ اور چیتے کے اختلاط سے

ہوئی ہے لیکن اکثر لوگوں کے نزدیک یہ گھوڑے، گدھے اور گائے کی طرح اپنی جگہ سب سے الگ نوع حیوانی میں سے ایک ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ دو جانوروں کے اختلاط سے پیدا ہوا جس طرح گھوڑے اور گدھے کے اختلاط سے حیوانات کی ایک نئی نسل خچر پیدا ہو گئی ہے۔ اہل فارس زرافہ کو اشتر گاؤ کہتے ہیں۔ اس کی گردن جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا اونٹ کی طرح لمبی ہوتی ہے، اس کی اگلی ٹانگیں پچھلی ٹانگوں سے لمبی ہوتی ہیں پچھلی ٹانگوں کے چھوٹے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پشت سے پٹھے تک اس کا جسم پیچھے کی طرف ڈھلتا چلا گیا ہے جہاں آخر میں ایک کوب سا نکل آیا ہے۔ اس کے پچھلے پاؤں کے ٹخنوں پر اگلے پیروں کی طرح سُم بھی نہیں ہوتے۔ جاحظ نے اپنی تصنیف "کتاب الحیوان" میں اس جنگلی چوپائے زرافہ کے بارے میں اور بہت سی تفصیلات دی ہیں اور اس کی نسل پر بھی گفتگو کی ہے۔ نوبہ کی سطح مرتفع، اس کے ندی نالوں کے کنارے اور جنگلی میدانوں میں دوسرے متعدد وحشی اور جنگلی جانوروں کی طرح زرافہ بھی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس کے متعلق جاحظ کے علاوہ دوسرے مصنفین نے بھی اس کی نسل کے سلسلے میں تفصیل سے لکھا ہے لیکن ہم نے اس سلسلے میں سطور بالا میں اجمال و اختصار کو پیش نظر رکھا ہے نوبہ کے جنگلوں میں چیتے بہت بڑے بڑے لیکن وہاں کی بستیوں میں پائے جانے والے اونٹ چھوٹے ہوتے ہیں جس طرح بختی، کرمانی اور خراسانی اونٹ چھوٹے اور عرب کی کچھ اونٹنیاں چھوٹے قد کی ہوتی ہیں۔ فارس میں تو بعض مقامات پر ان کے چھوٹے قدوں کی وجہ سے نر اور مادہ میں امتیاز مشکل ہو جاتا ہے۔

صاحب المنطق نے حیوانات پر اپنی ضخیم کتاب میں جہاں اور حیوانات اور ان کے اعضاء کے فوائد کا حال لکھا ہے زرافہ کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس سلسلے میں کچھ باتیں مختصراً اپنی کتاب "القضایا والتجارب" میں بیان کر دی ہیں۔

زرافہ کو لوگ بہت کم پالتے ہیں کیونکہ دوسرے پالتو جانوروں کے برعکس وہ اپنے مالکوں سے مانوس نہیں ہوتا بلکہ جنگلی اور وحشی حیوانات کی طرح بدکتا ہی رہتا ہے۔

اہل زنگ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں پہلے دریائے نیل کے دائیں کنارے سے اسے عبور کر کے ان علاقوں تک چلے گئے تھے جو اس دریا کا نشیبی حصہ اور اس سے بحر حبش کا ساحل آ جاتا ہے۔ افریقہ کی یہ سرزمین سونے کی کانوں اور دوسرے عجائبات سے بھری پڑی ہیں، البتہ موسم کے لحاظ سے گرم و خشک ہے۔

زنگی حکمران و قلیمی حبشیوں نے جب منظم ہو کر اپنا ایک مرکز مقرر کیا اور دار الحکمت کی بنیاد ڈالی

توان کا پہلا حکمران وتلیمی ہوا۔ اس کے بعد سے فارس تقویم کے لحاظ سے تین سو سال تک ان کا ہر حکمران ہر صدی اور ہر زمانے میں اسی نام سے منسوب رہا۔ البتہ اس دوران میں ان کے ہاں نہ گھوڑے تھے نہ اونٹ اور نہ خچر نہ گائیں، انہوں نے نہ ان کے نام سُنے تھے نہ انہیں پہچانتے تھے، ان کے مردوں اور عورتوں کی عمریں بھی بہت کم ہوتی تھیں کیونکہ وہ اکثر ایک دوسرے ہی کو اپنی خوراک بنا لیتے تھے۔

زنگیوں کے مساکن فرا نہ نیل سے لے کر بلاد واق واق تک پھیلتے چلے گئے تھے اور پہاڑوں، وادیوں، میدانی علاقوں وغیرہ میں ان کی دُور و نزدیک بستیوں کا مجموعی طول و عرض اس وقت بھی قریباً سات سو فرسخ (کوس) تھا۔

ہاتھی

افریقی ممالک میں ہاتھیوں کی کثرت ہے لیکن وہ وہاں ہمیشہ ایک جنگلی و وحشی جانور رہا ہے، وہ اسے جہاں دیکھتے تھے مار ڈالتے تھے کیونکہ جنگلی ہاتھی انسان کے دشمن تھے اور ہیں، وہ انہیں تو کیا ان کی بستیوں تک کو روند ڈالتے تھے۔ ان کے شکار کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی ہاتھی جب جنگل سے نکل کر کسی ندی نالے یا جوہڑ کے کنارے پانی پینے آتا تو کہیں وہ چھپ کر اس کی تاک میں بیٹھ جاتے اور لکڑی کے نوک دار لمبے لمبے ڈنڈے لے کر موقع پاتے ہی اس پر ٹوٹ پڑتے اور ہلاک کر دیتے تھے ان کے اس اقدام کی وجہ اس کے علاوہ جو ہم بیان کر چکے ان کے دانتوں کا حصول تھی جن سے وہ ہتھیار بنانے کے علاوہ اور بہت سے کام لیتے تھے۔ اس وقت انہیں ہاتھیوں کو پکڑ کر پالنے اور سدھانے کا شعور تھا نہ وہ یہ جانتے تھے کہ انھیں لڑائیوں میں استعمال کرنے کے علاوہ ان سے اور بہت سے کام لیے جا سکتے ہیں۔ وہ ہاتھی دانت کو جلا کر اس سے اپنی عبادت گاہوں میں اس طرح دھواں کرتے تھے جس طرح آج کل یہودی و نصرانی اپنے کنیساؤں اور گرجا گھروں میں بخورات جلا کر کرتے ہیں اہل چین بھی ہاتھی نہیں پالتے نہ انہوں نے پہلے کبھی ان سے لڑائیوں میں کام لیا ہے جیسا کہ ان کی قدیم زمانے میں بعض بعض لڑائیوں کے حالات سے پتہ چلتا ہے۔

ہاتھی دانت سے شطرنج اور قمار بازی

ہاتھی دانت کا استعمال ہندوستان میں کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں اس سے خنجروں اور تلواروں کے قبضوں کے علاوہ اور بے شمار کام لیے جاتے ہیں مثلاً شطرنج کے سفید مہرے اور قمار بازی کے پانسے بھی اسی سے بنائے جاتے ہیں۔ وہاں تلواروں اور خنجروں کے زخموں کے لیے بھی اس کے سفوف کا استعمال عام ہے بلکہ وہاں جراح وہ سفوف اس وقت بھی استعمال کرتے ہیں جب کسی انسانی عضو کے کٹ جانے یا کاٹے جانے کے بعد اس عضو کے باقی ماندہ حصے سے خون کا اجرا بند کیا جاتا ہے جس طرح پہلے

جراح لوہے کی سلاخ آگ پر تپا کر اس جگہ کو داغ دیا کرتے تھے۔

ہندوستان میں ہاتھی دانت کے کچھ مصرف ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں۔ ان کے علاوہ وہاں بھی اس کا سفوف اہل حبش کی عبادت گاہوں، یہودیوں کے کنیساؤں اور نصرانیوں کے گرجا گھروں کی طرح عقاقیر[1] میں ملا کر دھواں پیدا کرنے کے لیے منادر میں آگ پر ڈالا جاتا ہے۔

ہندوستان میں ہاتھی پالے بھی جاتے ہیں، سدھائے بھی جاتے ہیں اور لڑائیوں میں بھی ان سے کام لیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جس طرح اسلامی ممالک میں گھوڑوں، گدھوں، خچروں، اونٹوں اور بیلوں سے باربرداری کا کام لیا جاتا ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی اس سے یہ کام لیا جاتا ہے ویسے بھی بھاری سامان لادنے، لانے اور لے جانے میں ہاتھی کا مقابلہ کوئی دوسرا چوپایہ نہیں کر سکتا۔ وہاں اسے شکاری بھی خصوصاً شیر کے شکار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے امارت اور شان و شوکت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ فارس کے حکمران اور کچھ عباسی خلفا اسے اسی لیے پالتے اور سدھاتے تھے۔ اس پر ہودج و عماری رکھ کر بڑی شان و شوکت سے اس پر بیٹھ کر نکلتے تھے۔ ہاتھی ان مقامات سے بچتا ہے جہاں گینڈے رہتے ہوں۔ وہ ان کی بو سے بھاگ نکلتا ہے اور ایسی جگہوں سے بچتا ہے جہاں کیڑے مکوڑے زیادہ ہوں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ہاتھی دنیا میں تمام جانوروں سے زیادہ عظیم الجثہ ہوتا ہے۔ اس کے کان حد سے زیادہ بڑے، سونڈ زمین تک لٹکی ہوئی جس سے وہ کھانے پینے اور نہانے کا کام لیتا ہے اور پاؤں ستون کے ستون ہوتے ہیں۔ ہاتھی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ دوسرے جانوروں کے برعکس جن کی زبان باہر کی طرف نکلتی ہے اس کی زبان الٹی حلق کے اندر کی طرف جاتی ہے۔ اس کی جسامت اور بدہیئتی کی وجہ سے گھوڑے اور اونٹ تک اس سے بدکتے اور اسے دیکھ کر بھاگ نکلتے ہیں، ایک لڑائی میں مجنت ناصر کی ہزیمت کا باعث جس کے لشکر میں اونٹ تھے یہ ہاتھی ہی ہوئے تھے لیکن فارس سے لڑائی میں عربوں نے یہ حال دیکھ کر اپنے اونٹوں کی لمبی لمبی گردنوں پر کالے کپڑے ڈال دیے تھے اور ہاتھی انہیں عجیب سی بلائیں سمجھ کر پلٹے اور اپنی ہی فوجوں کو روندتے ہوئے بھاگ نکلے تھے۔

ہاتھی کی خوراک ظاہر ہے بلحاظ جسامت دنیا میں سب جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اور بحالت غیض و غضب وہ بڑا خطرناک اور ہلاکت خیز و اجل آفریں ثابت ہوتا ہے لیکن سندھ و ہند

---

[1] اگر اور لوبان وغیرہ (رشادانی)

یں جیساکہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اس سے بے شمار مفید مطلب کام لیے جاتے ہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ وہاں بڑا کام آتا ہے، اس کے دانت خزانوں میں جواہرات کی طرح محفوظ رکھے جاتے ہیں، اس کی کھال سے ڈھالیں بنائی جاتی ہیں، اس کی چربی میں کچھ زہریلی جڑی بوٹیاں ملاکر تلواروں اور خنجروں کو لڑائی کے لیے سم آلود کیا جاتا ہے اور اس کے دوسرے اعضاء و جوارح سے بے شمار مفید مطلب کام لیے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ بڑے لوگ مٹتے مٹتے بھی بہت کچھ رہ جاتے ہیں، اس لیے ہندوستانی کہاوت "مرا ہاتھی سوا لاکھ ٹکے کا" بے معنی نہیں ہے۔

افریقہ کے ہاتھیوں کی عمر چار سو سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ہندوستان میں کچھ ہاتھی سو دو سو سال تک جیتے ہیں۔ ہتھنیاں سات سال میں صرف ایک بار حاملہ ہوتی ہیں اور بچے جنتی ہیں۔ وہاں کے ہاتھی اکثر سیاہ مگر کچھ سفید اور ابلق بھی ہوتے ہیں۔

زبرق

ہندوستان میں سب سے زیادہ خطرناک جانور جو افریقہ کے ہاتھیوں، شیروں اور چیتوں سے بھی زیادہ خطرناک بلکہ واقعتاً ایک عظیم بلا ہے وہ زبرق[1] ہے۔ وہ عموماً سیاہ رنگ کا ہوتا ہے۔ افریقہ کے جنگلوں میں شیر ببر بھورے، ایالدار، کئی کئی گز لمبے، بہت سی بلند جھاڑیوں سے بھی اونچے، حد سے زیادہ طاقت ور اور خونخوار ہوتے ہیں، وہاں کے چیتے ان سے بھی زیادہ خوفناک خونخوار، جسیم، دھاری دار یا چتی دار ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کا پتہ پانی ہو جائے لیکن ہندوستان کا یہ بظاہر چھوٹا سا جانور ان دونوں بلکہ افریقہ کے جنگلی و وحشی غضب ناک ہاتھیوں سے بھی اکثر زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ ایک درخت سے دور کے دوسرے درختوں تک بھی حیرت ناک لمبی لمبی چھلانگیں لگا سکتا ہے۔ اس کی دم حد سے زیادہ لمبی ہوتی ہے جسے وہ کوڑے کی طرح استعمال کرتا ہے اور کسی انسان کو تنہا پاکر اس سے اسے منٹوں میں ادھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔ جب وہ کسی انسان یا جنگلی جانور کے آگے خود کو مجبور پاتا ہے تو اپنی دم پر پیشاب کرکے اسے اس پر پانی کی دھار کی طرح مارتا ہے جس سے اس آدمی یا جانور کے جسم میں چنگاریاں سی لگ جاتی ہیں بلکہ اس کی جلد جگہ جگہ سے جل جاتی ہے۔ اس کی آواز منحنی لیکن بڑی ہیبت ناک ہوتی ہے، اس کی چڑچڑاہٹ انسانوں کے جسم میں لرزہ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کے جھلسا دینے والے پیشاب کے نتائج کی بنا پر انسان تو انسان جنگلی خونخوار جانور تک اس سے بچ کر نکلتے ہیں۔

---

[1] زبرق = لنگور (شادانی)

عندبیل

عندبیل ایک چھوٹا سا خوب صورت پرندہ ہے جو فارس کے علاوہ سندھ و ہند میں بھی پایا جاتا ہے اور پھولوں خصوصاً گلاب کی شاخوں پر چہچہاتا ہے۔ شاعروں نے اس کی تعریف میں بڑے خوب صورت اشعار لکھے ہیں۔ ویسے شاعر زندبیل یعنی چھوٹی ہتھنیوں کی تعریف میں بھی ان کی پھرتی چالاکی خصوصاً لڑائیوں میں ان کی کارکردگی دیکھ کر خاصے رطب اللسان رہے ہیں۔ افریقہ اور ہندوستان کے علاوہ ہتھنیاں کہیں بچے نہیں جنتیں۔ سندھ و ہند میں افریقہ کی طرح ہاتھی دانت کی تعظیم بھی نہیں کی جاتی۔ افریقی ہاتھی کی کھال سے شراب بھی بنا لیتے ہیں لیکن وہ چینی و تبتی درق[1] سے اچھی نہیں ہوتی۔

ہاتھیوں پر منصور کی عنایات

عباسی خلیفہ المنصور نے جب شروع شروع میں ہاتھی دیکھا تو اس عجیب الخلقت جانور کی ہیئت کذائی دیکھ کر اسے سخت ناپسند کیا، اس نے اسے "مکروہ شکل کا وحشی جانور" کہا، اسے اس کے چھاجوں جیسے کان، اتنے بڑے سر پر چھوٹے گھونگوں جیسی آنکھیں، زمین تک لٹکتی ہوئی سونڈ جسے لوگ اس کی ناک کہتے تھے، اس قدر جسامت پر چھوٹی سی دم، اس کے تھموں جیسے پاؤں اور گز گز بھر اس کے نکلے ہوئے دو دانت ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے لیکن جب اس کے مقربین خاص نے ہاتھی کی جنگ میں کارکردگی اور دوسرے کارنامے سنائے اور یہ بھی بتایا کہ ہند و فارس کے حکمران اس کی پیٹھ پر جواہر نگار ہودے بندھوا کر کس قدر رعب داب اور کس شان و شوکت سے اس پر سواری کرتے ہیں تو اس سے اس کی وحشت و نفرت کسی قدر کم ہوئی۔ پھر جب اس کی اجازت سے اسے کہیں سے منگوا کر شاہانہ سواری کے لیے حسب منشا سدھایا گیا تو وہ بہت حیران ہوا اور اس کی نفرت انسیت میں بدل گئی، پھر رفتہ رفتہ وہ اس سے اس قدر مانوس ہوا کہ عرب کا بہترین شہسوار ہونے کے باوجود اسی سرزمین کے دنیا میں بہترین کہے جانے والے گھوڑوں کو بھول گیا اور اپنی ساری عنایات اس سلسلے میں ہاتھیوں کی طرف مبذول کر دیں۔ اس کے بعد المنذر بھی اسی کی طرح ان پر بطور خاص مہربان رہا اور ان کی دیکھ بھال کراتا رہا۔ اس وقت سے اسلامی شہروں میں ہاتھی بھی عربی النسل گھوڑوں کی طرح حکمرانوں کے علاوہ امراء اور رؤسا میں مقبول ہونے لگے۔

عمرو بن بحر جاحظ نے اپنی عجیب و غریب تصنیف "کتاب الحیوان" میں ہاتھی کے ان گنت اوصاف

---

[1] وہ شراب جو چین و تبت میں ایک میوے دار درخت کی چھال سے تیار کی جاتی ہے۔ (شادانی)

بتاتے ہیں اور اس کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے جو لکھا ہے بجا اور صحیح لکھا ہے۔ شاعر بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ہاتھی کی تعریف میں اکثر رطب اللسان رہے ہیں اور انہوں نے کچھ غلط نہیں کہا نہ مبالغہ آرائی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اونٹ کی طرح جس کا اس نے اپنے کلام پاک میں ذکر فرمایا ہے عجیب الخلقت، عظیم الجثہ اور حد سے زیادہ طاقت ور جانور تخلیق فرما کر اپنی مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ دکھایا ہے۔

البقر والجوامیس[1] اب ہم حبشیوں کی مختلف اقسام، ان کے مختلف انساب، ان کی اقوام، ان کے مختلف مساکن و ممالک، ان کے حکمرانوں اور اجناس کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں جن کا ہم نے اس باب کے موضوع کے لحاظ سے اس کی افتتاحی سطور میں ذکر شروع کیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں جو لوگ اب زنگیوں، حبشیوں یا افریقیوں کے نام سے مشہور ہیں وہ کبھی دریائے نیل کے فرازی علاقے سے چلے تھے اور اس دریا کے نشیبی علاقوں میں آگے بڑھتے ہوئے وہاں تک جا پہنچے تھے جہاں یہ دریا بحر حبش کے ساحلی علاقوں کے قریب سے گزرتا ہوا ایک خلیج میں شامل ہو کر اس سمندر میں مل جاتا ہے جہاں سے کچھ آگے بحر حبش اور بحر روم مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔ ہم پہلے یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ اس طویل سفر کے دوران میں وہ جہاں جہاں ٹھہرے تھے وہاں انہوں نے بستیاں بسائی تھیں، شہروں کی بنیاد ڈالی تھی اور منظم ہو کر حکمرانی بھی شروع کر دی تھی۔ یہ حکمران اگرچہ الگ الگ اور ایک دوسرے سے کافی فاصلوں پر قیام پذیر تھے لیکن مجموعی طور پر وہ سب اقلیمی کہلاتے تھے۔ ان لوگوں کے انساب اور ان کی مختلف اقوام کے ذکر کے ساتھ ان کے مساکن اور وہاں کی اجناس یعنی حیوانات وغیرہ کا ذکر بھی آ گیا تھا۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے مساکن و ممالک میں ہاتھیوں کے علاوہ جن کا ذکر پچھلے صفحات میں تفصیل سے ہو چکا ہے اور کون کون سے جانور پائے جاتے ہیں۔

اہل حبش کے پالتو جانوروں میں اونٹ، گھوڑوں اور بھینسوں کے علاوہ گائے کا ذکر سب سے مقدم سمجھا گیا ہے جسے وہ مذکورہ جانوروں کے ساتھ ساتھ مار کر کھا بھی لیتے ہیں اور اس کی کھال کو طرح طرح سے استعمال کرتے ہیں۔ افریقہ کے جنگلی بھینسے گینڈوں، ہاتھیوں، شیروں اور چیتوں کے بعد سب سے خطرناک جانور ہیں، وہ انسان تو کیا مذکورہ وحشی جانوروں اور درندوں کا بھی ایسا زبردست مقابلہ کرتے ہیں کہ ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔

---

[1] گائے اور بھینس (شادانی)

حبش کی گائیں، الجزائر کے بجرنے، بلادِ مصر، اس کے قریبی علاقے، جزیرہ تینس و دمیاط اور اس کے قریبی علاقوں کے سوا دنیا میں اور کہیں نہیں پائی جاتیں۔ البتہ وہاں کی جیسی بھینس صرف شام کے شہروں اور وہاں کے جیسے جنگلی بھینسے شام کے پہاڑی علاقوں کے گھنے جنگلوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ البتہ ایسی یا ان سے ملتی جلتی کچھ بھینسیں بلاد سندھ و ہند، طبرستان میں بھی مل جاتی ہیں۔ رہیں گائیں تو وہ دنیا میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں اور اسلامی ممالک میں عراق کے شہر کوفہ و بصرہ وغیرہ میں ان کی بہتات ہے لیکن حبش کے بعد اگر گائیں کہیں بھینسوں سے بھی بڑی ملتی ہیں تو وہ سندھ کا علاقہ ہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مغرب میں عنقا نام کا پرندہ بھی پایا جاتا ہے اور وہاں میں نے حماموں میں اس کی تصاویر لگی دیکھی لیکن میں نے اسے وہاں کبھی نہیں دیکھا نہ مجھے کوئی ایسا شخص ملا جس نے اسے دیکھا ہو اور اس کے وجود کو شہادت دے سکتا ہو۔ میرے خیال میں اس نام کے پرندے کا کہیں دنیا میں وجود نہیں ہے، بس اس کا نام ہی نام سنا جاتا ہے۔

اس سے قبل ہم ابھی سندھ کی گائے کی جسامت کا ذکر کر رہے تھے۔ ویسے میں نے علاقے میں ایسی گائیں بھی دیکھی ہیں جو اونٹ کی طرح بلبلاتی ہیں، ان پر گھوڑے کی طرح زین کس کر منہ میں لگام بھی دی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ اہل حبش بھی گائے سے اونٹوں، گھوڑوں اور خچروں کی طرح باربرداری کا کام لیتے ہیں۔ رہے بیل تو ان سے ساری دنیا میں باربرداری اور گاڑیاں کھینچنے کے علاوہ اور بہت سے کام لیے جاتے ہیں۔ علاقہ رکے کی جس گائے کا ہم نے ابھی ذکر کیا اس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ ایسی تمام گایوں کا تعلق علاقہ رکے کے ایک خاص قبیلے سے ہے جن کے مالک مجوس زندیقیہ ہوتے ہیں۔ وہ ان سے مذکورہ بالا کام لینے یعنی باربرداری کے علاوہ انہیں مار کر کھاتے بھی ہیں جس طرح اہل حبش کرتے ہیں لیکن ان کی طرح اہل حبش کے بارے میں یہ نہیں سنا گیا کہ وہ اس کے تازہ گوشت کے علاوہ اس کا گوشت سکھا کر اور مہینوں رکھ کر بھی کھاتے ہوں۔

ملک حبش کے لقب کی تشریح

اب ہم پھر بلاد حبش، وہاں کے حکمرانوں اور ان کے حالات و کوائف کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ وہاں کے ہر حکمران کو قلیمی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں کی زبان میں اس کا مطلب "رب کبیر کا بیٹا" ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اسی نے اسے ان لوگوں کا حاکم بنایا ہے اور ان کے معاملات کے انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حکم دیا ہے لیکن جب وہ کوئی ایسا حکم دیتا ہے جو ان کے نزدیک حق اور قرین انصاف نہ ہو تو وہ اسے قتل کر دیتے ہیں کیونکہ وہ پھر حکومت کے قابل نہیں رہتا کیونکہ اب جسے وہ اپنی زبان میں "ملکنجلو"[1] کہتے ہیں اور "رب السموات والارض"

[1] بعض نسخوں میں "مکلنجلو" لکھا ہے (مترجم عربی)

سمجھتے ہیں اپنے بیٹے کو خلاف حق و انصاف کوئی حکم دینے کا اختیار نہیں دے سکتا۔ اہل حبش میں ان کی زبان کے خطیب بھی ہوتے ہیں۔ وہ ان میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور صالح ہوتے ہیں اور ان کو جمع کر کے وعظ کہتے ہیں۔ ان کے مواعظ میں نیک چلنی کی ہدایت، خدا کا خوف، عاقبت میں سزا کا ڈر وغیرہ کی باتیں اور ان کے گزشتہ ملوک اور اسلاف کے کردار کا ذکر ہوتا ہے۔ ویسے ان کے کوئی باضابطہ مذہبی قوانین نہیں ہیں بلکہ ان کے حکمرانوں کے رسوم اور ان کے عائد کردہ احکام ہی کو مذہبی طور طریق سمجھا جاتا۔ یہی حال ان کی سیاست کا ہے۔ ان کے حکمران ان پر کچھ سیاسی پابندیاں عائد کر دیتے ہیں جو ان کے ملکی نظم و ضبط کا کام دیتی ہیں۔ ان کی غذا زیادہ تر کیلا ہے جو وہاں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ شہد اور گوشت بھی کھاتے ہیں۔ حبش کے سمندر میں جزیرے بے شمار ہیں جہاں ناریل بہت ہوتا ہے اور وہی ان اہل جزائر کی عمومی خوراک ہے۔ ان جزائر میں سے ایک ایسا جزیرہ بھی ہے جو بحر حبش کے ساحل سے ایک یا دو دن کی مسافت پر واقع ہے اس جزیرے میں مسلمان آباد ہیں۔ یہ جزیرہ انہیں کچھ پہلے مسلمان حکمرانوں سے وراثت میں ملا تھا۔

مساکن نوبہ

اہالبش میں جو لوگ نوبہ کہلاتے تھے وہ دو جماعتوں میں بٹ گئے تھے۔ ان میں سے پہلی جماعت جو نیل کے شرقی و غربی علاقے میں ٹھہری تھی وہ بعد میں دریائے نیل ہی کے کنارے مستقل سکونت پذیر ہو گئی اور ان کی آبادیاں نیل کے بالائی علاقے مصر و صعید اور اسوان کی قبطی آبادیوں کے قریب تر جا پہنچیں اور انہوں نے اپنی انہیں آبادیوں میں سے ایک جگہ منتخب کر کے اسے اپنا دارالمملکت بنا لیا۔ یہ جگہ ایک چھوٹی بستی سے رفتہ رفتہ بڑھ کر ایک بہت بڑا شہر بن گئی اور وہ شہر "نقلہ" کہلانے لگا۔ انہیں نوبہ زنگیوں کی دوسری جماعت نے پہلی جماعت سے الگ ہو کر اپنا نام "علوہ" رکھ لیا۔ انہوں نے بھی بہت سی بستیاں بسائیں، پھر ایک بڑا شہر بسا کر اسے دارالمملکت بنایا اور اس کا نام "سربہ" رکھ لیا۔

جب ہم اپنی زیر نظر کتاب کے اس حصے تک پہنچے تو وہ سال ۳۳۲ھ ہجری کا ماہ ربیع الثانی تھا اور ہم اس وقت فسطاط میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہمیں وہیں اطلاع ملی کہ نوبہ زنگیوں کی پہلی جماعت کے ملک ابن ملک ابن ملک "کابل" ابن سرور نے جس کے اسلاف نے "دنقلہ" کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا اب اپنی حدود سلطنت وہاں تک بڑھالی ہیں جو ان کی دوسری جماعت "علوہ" کی حدود سلطنت "ماقرہ" اور ان کے متصل علاقوں کے شہر اسوان میں شامل ہیں بلکہ اپنی قلمرو کی حدود مصری علاقے سعید تک پہنچا دی ہیں جن میں مصر کا شہر اسوان بھی آتا ہے حالانکہ اس دوسری جماعت نے اپنی الگ حکومت

قائم کر کے اپنے دار الحکومت کا نام بھی پہلے لوگوں کے دار الحکومت "نقلہ" کے نام سے الگ "مسریہ" رکھ لیا تھا۔

بجہ زنگیوں کی ابتدائی انواع اور اقسام و اقوام میں ایک اور جماعت بھی تھی جو بحر قلزم اور مصری دریائے نیل کے درمیانی علاقے میں آبسی تھی۔ اس جماعت نے اپنی قومی حیثیت الگ کر کے اپنی شناخت کے لیے "بجہ" نام اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے بھی اس علاقے میں دار المملکت قائم کر کے اپنی ہی نئی قوم کے ایک شخص کو بادشاہ بنا لیا تھا۔ ان کی مملکت میں سونے کی کانیں بھی نکل آئی تھیں۔ انہیں وہ "معادن بُر" کہتے تھے۔ ان کی خوش قسمتی سے وہاں زمرد کی بھی ایک کان نکل آئی تھی۔ اس وقت ان کی آبادیاں مملکت نوبہ کے علاقے نجب تک پھیل گئی تھیں لیکن پھر ان کی قوت زوال پذیر ہونے لگی۔ اس وقت تک وہ نوبہ سے کہیں زیادہ طاقت ور قوم تھی لیکن اس کے کچھ ہی عرصے بعد وہاں اسلامی قوت بڑھنے لگی اور اس علاقے میں مسلمانوں نے آباد ہو کر سونے کی ان کانوں پر تسلط حاصل کر لیا اور بلاد علاقی و عیذاب تک پھیل گئے۔ ان لوگوں میں عربی قبیلے ربیعہ کا نامور شخص ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان بھی شامل تھا۔ قبیلۂ ربیعہ کے افراد نے جب بجہ قوم میں شادیاں کر لیں تو ان افراد کی وجہ سے اس کی قوت پھر بڑھنے لگی۔ دوسری طرف قبیلہ ربیعہ کے مذکورہ افراد کو بھی اپنی قوت بڑھانے میں بجہ قوم سے بے حد مدد ملی اور رفتہ رفتہ وہ اپنے پڑوسی علاقوں میں آباد بنی قحطان اور مضر بن نزار جیسے طاقت ور لوگوں پر بھی غالب آ گئے۔ اس وقت ہمارے زمانے یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں ان مذکورہ کانوں پر ابو مروان بشر بن اسحاق کی ملکیت ہے وہ بھی بنی ربیعہ میں سے ہے اور آج کل بنی ربیعہ اور اپنے حلیف مضری و یمنی تین ہزار افراد کے علاوہ قوم بجہ کے انتیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل لشکر کے ساتھ جو جحف ہے اور بجہ لوگوں میں حداربہ کہلاتا ہے نوبہ کے علاقے نجب تک آ پہنچا ہے۔ بجہ قوم میں جحف یا حداربہ بھی مسلمان ہیں۔ اس قوم کے باقی لوگ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے اور ہنوز اپنے مخصوص بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

حبشہ قدیم زنگیوں کی ایک کثیر تعداد بحر حبشی کے ان اطراف میں بھی آبسی تھی جس کی مملکت محروسہ کو اب "حبشہ" کہا جاتا ہے۔ اس مملکت کا دار الحکومت "کعبر"[1] ہے جو کثیر آبادی پر مشتمل ایک شاندار عظیم شہر ہے۔ اس مملکت کا حکمران نجاشی اسی شہر میں رہتا ہے۔ حبشہ میں اور بھی متعدد

---

[1] بعض نسخوں میں "کعبی" لکھا ہے (مترجم عربی)

پُر رونق شہر اور وسیع عمارتیں ہیں۔ بادشاہ نجاشی کا یہ ملک بحر حبشی کے قریب ہے، اس ملک کا اپنا ساحل ہے اور اس پہ بہت سے شہر آباد ہیں۔ حبشہ کے سمندری ساحل پہ کئی ایسے شہر بھی ہیں جن میں مسلمان آباد ہیں اور یہ سب مملکت حبشہ کے ذمی ہیں۔ حبشہ کے سمندری ساحل سے ارض یمن کے ساحل زبید تک جس پہ شہر غلافقہ[1] آباد ہے بحر ظ عرض البحرتین دن کا فاصلہ ہے۔ جب یمن پہ ذی نواس کی حکومت تھی تو اہل حبشہ یہ فاصلہ طے کر کے ساحل عبید ہی کی طرف سے اس سرزمین میں داخل ہوئے تھے۔ قرآن میں ذی نواس کا ذکر صاحب الخلود کے نام سے آیا ہے۔ اب اس سرزمین پہ حرملی کے حکمران ابراہیم بن زیاد کا قبضہ ہے۔ چونکہ حرملی مذکورہ ساحل یمن اور ساحل حبشہ کے درمیان واقع ہے اس لیے یہاں سے ساحل حبشہ تک بحری جہازوں کی آمد و رفت ہوتی رہتی ہے جن میں تجارتی سامان لایا اور لیجایا جاتا ہے جس کے لیے دونوں حکومتوں میں باہمی معاہدہ ہوگیا ہے۔ ان دونوں سواحل کے درمیان کچھ ایسے مقام بھی ہیں جہاں سمندر کی چوڑائی بہت کم ہوگئی ہے۔ ایسے مقامات پہ اب تک کئی جزیرے موجود ہیں۔ ان میں سے ایک جزیرے کا نام "جزیرہ عقل" ہے۔ اس جزیرے کا یہ نام اس کے پانی کی وجہ سے پڑ گیا ہے جسے "ماء العقل" (یعنی عقل کا پانی یا آب دانش) کہا جاتا ہے۔ اس پانی کو اس طرف سے گزرنے والی کشتیوں کے لوگ بڑے شوق سے پیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ پانی عقل و دانش میں عموماً اضافہ کرتا ہے اور یہ پانی واقعی دوسری جگہوں کے پانی سے کہیں زیادہ مصفا اور فرحت بخش ہے۔ بعض فلاسفہ متقدمین نے یہاں کے پانی کے یہ خواص اور اس کے اسباب بتائے ہیں۔ ہم نے اپنی ایک دوسری کتاب اخبار الزماں میں جہاں اطباء اور ان کے تجربات علاج معالجے کے سلسلے میں بیان کیے ہیں ان کے ضمن میں ہم نے اس پانی کا ذکر بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ ظہور اسلام سے قبل اور اس کے بعد کئی حکمرانوں کے کچھ امراض کا علاج صرف ایسے ہی مقامات کے پانی سے کیا گیا ہے اور کامیاب رہا ہے۔

ابن زیاد نے اپنے دور حکومت میں اس جزیرے کو حاصل کر لیا تھا اور وہاں اب تک اس کے ساتھی اعلیٰ مراتب پہ فائز ہیں۔

جزیرۂ سقطرہ بلاد عدن کے قریب بحر حبشی میں ایک جزیرہ ہے جو سقطرہ کے نام سے مشہور ہے۔ بعض لوگ اس جزیرے کے نام کے ساتھ صبر سقطری کا

---

[1] بعض نسخوں میں "علافقہ" لکھا ہے (مترجم عربی)

بھی اضافہ کر دیتے ہیں لیکن یہ اضافہ صرف اس جزیرے ہی میں کیا جاتا ہے۔ اس سے باہر کسی دوسری جگہ اس اضافے کے ساتھ اس جزیرے کا نام لیتے ہوئے آج تک کسی کو نہیں سنا گیا۔

جب سکندر بن فیلبس[1] ہندوستان کی فتح کے لیے گیا تھا تو ارسطاطالیس[2] بن نقوماخس[3] نے اسے وہاں جو خط بھیجا تھا اس میں اس جزیرے کا ذکر کیا تھا اور لکھا تھا کہ واپسی میں اس طویل سفر کی تکان دور کرنے کے لیے وہ اس جزیرے میں ٹھہرے۔ اپنے خط کے جن یونانی زبان کے الفاظ میں سکندر کو پیش آنے والی تکالیف اور ان کی برداشت کا ذکر کیا تھا عربی میں اس کا ترجمہ "صبر سقطریٰ" ہوتا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اس جزیرے کا نام سقطرہ پڑ گیا ہو اور اسی وقت سے اس کے ساتھ اہل جزیرہ میں یہ اضافہ بھی چلا آرہا ہو۔ بہرکیف سکندر واپسی میں اپنے یونانی لاؤ لشکر کے ساتھ جن میں ارسطو کے شہر اسطاغر (اسطامود) کے رہنے والے اور ان کے اہل و عیال بھی تھے اس جزیرے میں آیا اور ملوکِ ہند کے گماشتے جو وہاں تھے انہیں بھی مغلوب کرلیا اور اس جزیرے کو اپنی ملکیت میں لے لیا۔ سکندر نے اس عظیم بت کو بھی جو ملوک ہند کی طرف سے اس جزیرے میں رکھا گیا تھا یونان منتقل کر دیا۔ سکندر کے وقت میں جو یونانی اس جزیرے میں رہ گئے انہوں نے وہاں ازدواجی تعلقات قائم کرلیے۔ ویسے اہل یونان اپنے تحفظ انساب کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ ہند و روم میں ان کے سلسلۂ توالد و تناسل کا کہیں بجز اس جزیرے کے ذکر نہیں ملتا۔

ہندی افواج نے جب بھی کسی مسلم عرب کا رُخ کیا وہ اپنی کشتیوں میں ہمیشہ اس جزیرہ سقطرہ سے ہو کر گزریں جس طرح رومی افواج مصر و شام پر حملے کے لیے بحر روم کے محفوظ جزیرے شوانی سے جہاں ان کے فوجی اڈے تھے کشتیوں میں جنہیں اس جزیرے کے نام کی نسبت سے شوانی کہا جاتا تھا۔ گزر کر آتی تھیں۔

اسی جزیرہ سقطرہ سے بہت سی جڑی بوٹیاں باہر لے جائی جاتی تھیں کیونکہ ان کے خواص ساری دنیا میں شہرت رکھتے تھے۔ ہم نے اپنی پچھلی کتابوں میں ان عقاقیر و نباتات میں سے اکثر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ویسے اس جزیرے کے لوگ سکندر کا دور گزر جانے اور ظہور مسیح علیہ السلام کے بعد عیسائی ہو گئے تھے اور

---

[1] اردو میں "فیلقوس" لکھا اور بولا جاتا ہے (شادانی)
[2] " " "ارسطو" " " " " " (")
[3] " " "نقوماجیس" " " " " " (")

اب تک نصرانی چلے آتے ہیں۔

سوڈانیوں کی باقی اقسام و اقوام

ان زنگیوں کے علاوہ جو مغرب کی طرف جا کر آباد ہو گئے تھے اور جن کا ذکر ہم زیر نظر کتاب کے پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں ان کی اور بھی کئی جماعتیں یا قومیں تھیں جو شمالی افریقہ یعنی سوڈان سے چل کر مغربی افریقہ وغیرہ میں آباد ہو گئی تھیں مثلاً زغاوہ، کوکو، قراقر، مدیدہ، مرلیس و مبرس، ملانہ و قوماطی اور دوبلہ و قرمہ۔ ان سب قوموں کا اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے زنگیوں کا الگ الگ بادشاہ (حکمراں) اور دار الحکومت تھا۔ ان سوڈانیوں کی جملہ انواع و اقسام، ان کے مساکن، ان کی نرد رتی بود و باش، ان میں شعور کی کمی اور سیاہ فام ہونے کے اسباب نیز ان کے مختلف بادشاہوں اور ان زنگیوں کی عجیب و غریب سیرت و سلوک انساب کے تفصیلی حالات اپنی کتاب اخبار الزماں کے تیس فنون میں سے فن اوّل میں بیان کر چکے ہیں۔ ان میں سے جو کچھ باقی رہ گئے تھے وہ ہم اپنی ایک دوسری تالیف کتاب الاوسط میں درج کر چکے ہیں۔ البتہ اس کے بعد جو اطلاعات ان کے بارے میں ہمیں ملیں اور ہماری دو مذکورہ کتابوں میں اندراج سے رہ گئی تھیں صرف انہیں کی تفصیلات ہم نے زیر نظر کتاب میں بیان کی ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جب عمرو بن عاص آپ کی طرف سے مصر کے گورنر ہو کر وہاں گئے تو آپ نے انہیں نوبہ سے جہاد کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے آپ کو نوبہ والوں کی تیر اندازی میں مہارت کی اطلاع دے کر یہ لکھا کہ وہ محاذ جنگ سے پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے اور اسی وجہ سے نوبہ کی فتح میں تاخیر ہو رہی ہے تو آپ نے انہیں نوبہ سے مشروط صلح نامے کی اجازت دے دی تھی۔ عمرو بن عاص کے بعد جب عبداللہ بن سعد مصر کے گورنر مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی سابقہ شرائط پر نوبہ سے اس صلحنامے پر عملدرآمد جاری رکھا۔ اس صلح نامے کی شرائط یہ تھیں، " مصر اور نوبہ کے درمیان جو متنازعہ علاقہ ہے جس میں سے کچھ حدود مصر کے متصل اور کچھ نوبہ کی سرحد کے قریب ہے، اس کی زراعتی پیداوار باہمی صلح نامے کے مطابق تقسیم سال بسال مختلف فصلیں اٹھانے کے لحاظ سے ہوگی۔ اس پیداوار کی قابل تقسیم مقدار مجموعی طور پر سال کے ۳۶۵ دنوں کی مناسبت سے اسی تعداد کی جھلیاں ہوں گی جو پوری پوری پُر شدہ ایک ایک کر کے اسی تعداد کے باربرداری کے جانوروں پر لادی جائیں گی اور مصر و نوبہ میں مساوی تقسیم ہوں گی۔ مصر ہر فصل کی پیداوار سے نوبہ کو اس کا طے شدہ حصہ دے گا لیکن نوبہ اپنے مقبوضہ علاقے سے اس کے بدلے صرف کھجوریں دے گا، مصر اور نوبہ کے درمیان یہ صلح نامہ عبوری ہوگا۔"

اس صلح نامے میں مرقوم اکثر شرائط جو نوبہ کی پیش کردہ تھیں مصری مفاد کے سراسر منافی اور نوبہ کے حق میں تھیں اس کے علاوہ اس پر نوبہ کے حکمران کے دستخط اور سرکاری مہر بھی نہیں تھی اس لیے یہ کچھ عرصے معرض التوا میں پڑا رہا۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں صلح نامہ حدیبیہ کی طرح اسے عبوری سمجھتے ہوئے اس شرط پر کہ اس پر حسبِ دستور نوبہ کے حکمران کے دستخط اور سرکاری مہر لگ جائے اس کی بارگاہِ خلافت سے اجازت مل گئی۔ اس صلح نامے میں مصر کی طرف سے پیش کردہ یہ شرط درج ہونے سے رہ گئی تھی کہ متنازعہ علاقے کی مذکورہ پیداوار کی تقسیم کے اخراجات دونوں فریق مساوی طور پر برداشت کریں گے۔ اس سلسلے میں نوبہ والوں سے جب زبانی بات چیت ہوئی تو وہ بولے :۔

"مسلمان جس طرح اپنے مذہبی دستور و قوانین اور اپنے حکمران کے احکام کے پابند رہنا چاہتے ہیں اسی طرح ہم بھی اپنے حکمران کے حکم کی پابندی پر مجبور ہیں اور اس نے ہمیں صلح نامے میں درج شدہ شرائط کے علاوہ کسی مزید شرط کو زبانی بھی قبول کرنے کی اجازت نہیں دی "

دوسری طرف اسلامی صواب دید کے مطابق مصر اور نوبہ کے درمیان مذکورہ پیداوار کی تقسیم کے بارے میں یہ طے ہوا کہ اس تقسیم کے بعد مصر کا جو حصّہ ہوگا اس میں سے پانچ فیصد امیر اسوان کا حصّہ ہوگا، بارہ فی صد نوبہ اور مصر کی طرف سے مقرر کردہ اس مجموعی مال کے متولیوں اور ان دیانت دار لوگوں کا حصّہ ہوگا جو امیر اسوان کے سامنے اس مال کی عادلانہ تقسیم کی اپنے عہدے اور نام " قصر" کے اعتبار سے نگرانی کریں گے، بیس فی صد مصری بیت المال میں جائے گا اور باقی مرکزی اسلامی بیت المال کے لیے بھیجا جائے گا۔ اس میں نوبہ نے صرف اپنے مصری متولی اور اس کے ساتھیوں کے معاوضے کی ذمہ داری لی تھی۔ بہرکیف مصر اور نوبہ کے درمیان اس صلح کے تحریری معاہدے پر خلافت راشدہ کے علاوہ بنی اُمیہ کے دورِ حکومت اور اس کے بعد عباسی حکومت کے زمانے میں بھی کچھ عرصے عمل درآمد ہوتا رہا لیکن جب عباسی خلیفہ مامون الرشید مصر آکر فسطاط میں ٹھہرا تو اسوان کے کچھ معزز لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ صلح نامے کی ان شرائط پر اعتراض و احتجاج کیا جو سراسر مصری مفاد کے خلاف اور نوبہ کے حق میں تھیں۔ مامون الرشید نے ان کے اعتراض اور احتجاج کو دُرست تسلیم کرتے ہوئے نوبہ کے ساتھ اس معاہدے کو منسوخ کر دیا۔ اس کے بعد مصر اور نوبہ میں جو نیا باہمی معاہدہ ہوا تھا اس کی رُو سے نہ صرف ایک دُوسرے کے

ہر علاقے میں دونوں طرف سے لوگوں کی آزادانہ آمدورفت کا آغاز ہوا تھا بلکہ ان میں تجارتی معاہدات بھی طے پا گئے تھے۔

سطور بالا میں لفظ قصر کے حوالے سے جن لوگوں کا ذکر آیا ہے وہ مصر اور نوبہ کے مشترک مقبوضہ علاقے "قصر" کے رہنے والے تھے اور خود بھی اسی نام سے مشہور تھے۔ یہ بستی اسوان کے جزیرے بلاق کے قریب ہے اور اسوان اور نوبہ دونوں طرف سے قریب پڑتی ہے۔ یہاں مصر اور نوبہ دونوں طرف کے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ جزیرۂ بلاق کو دریائے نیل نے اس طرح گھیر رکھا ہے جس طرح دریائے فرات نے جزائر کاثہ کو گھیرا ہوا ہے۔ جزیرۂ بلاق میں چھوٹی بڑی پہاڑیوں اور چٹانوں کی بہتات ہے پھر بھی یہاں مصر اور نوبہ دونوں کے لوگ کثرت سے آباد ہیں جب کہ اسوان میں اہل حجاز کی آبادی زیادہ ہے۔ جزیرۂ بلاق تک اسوان اور نوبہ کی کشتیاں اکثر آتی جاتی رہتی ہیں۔

یہ حالات و واقعات اس زمانے سے قبل کے ہیں جب ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان اور مضر بن نزار نے بجہ میں داخل ہو کر وہاں کی سونے اور زمرد کی کانوں پر قبضہ کر لیا تھا اور پھر انہوں نے اور ان کے قبیلے کے دوسرے لوگوں نے اہل بجہ سے سلسلۂ ازدواج قائم کر لیا تھا جس کے بعد بجہ کے لوگ اہل نوبہ اور ان کی حکومت پر چھا گئے تھے۔

زمرد اور اس کی اقسام

زمرد کی ایک کان علاقۂ صعید کے بالائی حصے شہر قفط[1] میں ہے۔ جہاں زمرد کی یہ کان ہے وہ اس شہر کا پہاڑی حصہ ہے اور خربہ کہلاتا ہے۔ بجہ اس شہر کے مذکورہ پہاڑی حصے خربہ سے نزدیک ہے جہاں دُور دور تک زمرد کی کانوں کی کھدائی ہوتی ہے۔ جو زمرد ان کانوں سے نکلتا ہے اس کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم "مر" کہلاتی ہے۔ اس کا حد درجہ گہرا سبز رنگ ہرے رنگ کی جملہ نباتات سے زیادہ سبز ہوتا ہے۔ اس کے سبز رنگ میں کسی دوسرے رنگ کی بال برابر ملاوٹ نہیں ہوتی۔ اس پر نہ کوئی لکیر ہوتی ہے نہ خراش، یہ حد درجہ آب دار اور صاف شفاف پُر نور ہوتا ہے۔ یہ زمرد نادر الوجود اور زمرد کی ہر قسم سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ زمرد کی دوسری قسم "بحری" ہے۔ اس کے اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ سندھ و ہند اور حبش و چین کے ملوک بحر کا بے حد پسندیدہ و مرغوب پتھر ہے۔ وہ اسے اپنی پگڑیوں کے سرپیچ پہ پیشانی کے رُخ پر لگاتے ہیں اور اپنے تاجوں میں، انگوٹھیوں میں اور مہروں پر لگواتے

---

[1] بعض نسخوں میں "قبط" لکھا ہے (مترجم عربی)

ہیں مگر یہ اپنی آب، تب وتاب اور صفائی میں دوسرے درجے پہ آتا ہے۔ اس کا رنگ بھی سبز ہوتا ہے مگر پہلے درجے کے زمرد سے رنگ میں کسی قدر کم ہوتا ہے۔ تیسری قسم کے زمرد کو "مغربی" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ انگلستان، فرانس، اندلس، جرمنی، جلالۃ، ژشکند، متالیہ اور مغربی روس میں بہت پسند کیا جاتا ہے اور وہاں کے بادشاہوں اور امراء و رؤسا کا مرغوب ترین پتھر ہے۔ مشرق ومغرب کے ان درمیانی علاقوں کے لوگ بھی جہاں یافث بن نوح کی نسل آباد ہے اس پتھر پر جان دیتے ہیں۔ زمرد کی چوتھی قسم "اصم" کہلاتی ہے۔ یہ اپنے رنگ روپ، آب وتاب اور صفائی کے لحاظ سے زمرد کی چاروں اقسام میں سب سے کم درجہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ اپنے طول وعرض اور وزن میں سب سے کم ہوتا ہے، اس میں پتھر اور مٹی کے ذرات بھی پائے جاتے ہیں جو اسے توڑے بغیر اس سے الگ نہیں کیے جا سکتے۔ کیونکہ وہ اس کے اندرونی حصوں میں چہار طرف پیوست ہوتے ہیں پانی میں بھی حل نہیں ہوتے۔ اعلیٰ قسم کے زمرد اگر اپنی کانوں میں بجلی کی کڑک چمک، بادلوں کی حد سے متجاوز گرج اور دوسرے قدرتی طوفانی حوادث سے دوچار نہ ہوں یا کان سے باہر انہیں تراشنے کے بعد ان میں سوراخ نہ کیے جائیں تو ان کا وزن کم سے کم چار مثقال ہوتا ہے، البتہ انگوٹھیوں اور دوسرے زیورات کے مطلوبہ حلقوں میں اگر انہیں رکھا جائے تو ظاہر ہے ان کا وزن انہیں کی نسبت سے کم ہو جائے گا کہتے ہیں کہ زمرد کی آب وتاب اور صفائی چاند کی روشنی کی نسبت سے گھٹتی بڑھتی ہے، چاند کی پہلی تاریخوں میں اس کی آب وتاب کم ہوتی ہے پھر جوں جوں چاند بڑھتا ہے زمرد کی آب وتاب میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے اور چودھویں رات یا پورن ماشی کو جب چاند اپنا دائرہ مکمل کر لیتا ہے تو زمرد کی چمک دمک بھی اپنے عروج پہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات مجھے کچھ جواہرات کی پرکھ رکھنے والے دانشوروں، کچھ ماہرین تجربات اور کچھ جوہریوں نے بتائی ہے۔ زمرد عموماً چین، سندھ و ہند اور دوسرے متعلقہ علاقوں سے عدن اور سواحل یمن وغیرہ سے جا کر مکے کے جوہریوں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ زمرد آگ یا ہیرے پہ رکھنے سے جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

زمرد کے نقصانات

زمرد کے فوائد کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات بھی کچھ کم نہیں ہیں، اس کے پہننے یا لمس سے بعض لوگوں کے جسم میں زخم پیدا ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگوں کو نقرس اور سنگ مثانہ کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ یہ بات اکثر لوگوں کے تجربے میں آ چکی ہے۔ اس کے خواص میں افادیت کے پہلو یہ ہیں کہ زمرد پہننے والے پر سانپ کی پھنکار کا اثر نہیں ہوتا بلکہ زمرد پہ نظر پڑتے ہی پھنکار بھول کر ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے۔ تجربے کے بعد

لوگوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ مسموم شخص کو درجہ اوّل کے خالص زمرد کے صرف گیہوں کے برابر دو دانے پانی میں ڈال کر وہ پانی پلایا تو فوراً زہر کا اثر اس کے جسم سے زائل ہو جاتا ہے۔

خالص زمرّد کو یونان اور روم کے بادشاہوں میں بہت پسندیدہ اور قابل قدر سمجھا جاتا ہے، وہ ایسے زمرد کو جملہ جواہرات میں حد سے زیادہ پسند کرتے بلکہ جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ ایسے زمرد کے عجیب و غریب خواص کے علاوہ اس کی قدر و منزلت کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ خالص زمرد کا وزن تمام جواہرات میں سب سے کم ہوتا ہے اور اس کے پہننے میں آسانی ہوتی ہے۔

آفتاب کی تمازت اور بجلی کی تابش و حرارت کا زمرد کی کانوں پر بہت اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمرد کی کانوں میں سفید اور زرد رنگ گندھک کی کثرت ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے بلادِ منصورہ میں کافور کی کانوں کا اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔

چونکہ ہم اپنی ایک پچھلی کتاب "اخبار الزماں" میں دنیا میں پائے جانے والے جملہ جواہرات ان کی اقسام، ان کے خواص اور ان کی افادیت و نقصانات پر تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں اس لیے ہم نے یہاں ارض حبش کے حوالے سے صرف زمرد کا بخیال اختصار کسی قدر اجمالی ذکر کیا ہے ویسے ہم نے چونکہ زیر نظر باب ارض حبش کے حالات و کوائف کے لیے مختص کیا ہے، اس لیے یہاں اس کے حوالے سے اتنا اور بتائے دیتے ہیں کہ خربہ میں بھی جس کا ہم اس کتاب میں پہلے ذکر کر چکے ہیں زمرد کی ایک کان ہے۔ اس افریقی بستی کے قرب و جوار میں اور بہت سی بستیاں ہیں جن میں سے علاقۂ صعید کی دو بستیاں قوص و قفط بہت مشہور ہیں جن میں سے قوص میں ابھی تک بہت سے لوگ آباد ہیں لیکن قفط جو کبھی بڑی آباد اور پُر رونق بستی تھی اب کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔

بلاد الواحات

جہاں تک بلاد واحات کا تعلق ہے، تو سمجھ لیجیے کہ یہ جگہ مصر و اسکندریہ، صعید مصر، مغرب اور سرزمین احابش کے کچھ دوسرے مقامات نوبہ وغیرہ کے درمیان واقع ہے۔ ہم نے اس جگہ کے جملہ کوائف مثلاً وہاں کے باشندوں کی مجموعی تعداد، وہاں کی آب و ہوا، ان کے چشموں اور مختلف کھانوں وغیرہ کا حال اپنی پچھلی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ وہاں کا حکمران آج کل یعنی ۳۳۲ھ ہجری میں عبد الملک بن مروان ہے اور اس کا مذہب نیز سیاسی عقائد سب وہی ہیں جو اس کے جد اعلیٰ مروان کے تھے چونکہ اس نے وہی تربیت پائی ہے وہ جب سوار ہو کر چلتا ہے تو اس کی سواری کے ساتھ شہر کے شرفا اور معززین میں سے کبھی کبھی کم سے کم ایک ہزار ورنہ ویسے ہزاروں آدمی چلتے ہیں۔ اس کے زیر حکومت اس شہر تک آنے کے لیے

حبش کے دوسرے قریبی مقامات سے کم سے کم چھ دن کا بحری سفر کرنا پڑتا ہے۔ اس شہر کی مٹی کے خواص بھی عجائبات میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں۔ یہ شہر خود کفیل ہے، اس لیے اسے کسی دوسرے شہر سے کبھی کسی امداد کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ یہاں سے املی، خشک انگور، انجیر، عناب، پھٹکری اور کافی نمک وغیرہ جیسی بہت سی اشیاء دوسرے مقامات کو تجارتی مقدار میں برآمد کی جاتی ہیں۔

میں نے یہ سب باتیں جیسا کہ میرا دنیا کی سیر و سیاحت کے دوران میں عام قاعدہ ہے اپنے ایک شناسا اور عبدالملک بن مروان کے مصاحب خاص محمد بن طفج سے معلوم کی ہیں۔ یہ صاحب ۳۳۰ھ ہجری میں یہاں آئے تھے اور اسی وقت سے یہاں کے مشہور محلے باب اخشید میں قیام پذیر ہیں۔

"ہم نے اپنی اس کتاب مروج الذہب و معادن الجوہر کی پہلی جلد کے اس آخری باب میں (توقع ہے کہ) وہ سب باتیں جن کا بلحاظ موضوع اس باب سے تعلق تھا خاصی تفصیل سے بیان کر دی ہیں۔ زیر نظر جلد کے ابواب ماسبق کی طرح اس باب کے موضوعات سے متعلق بھی بہت سی مزید تفصیلات ہم اپنی پچھلی کتابوں اخبار الزماں وغیرہ میں بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم یافث بن نوح کی اولاد کی جس کا ہم نے اپنی زیر نظر کتاب کی اس جلد اوّل کے آغاز میں ذکر کیا ہے، شاخوں، ان کے مساکن، تاریخ میں ان کے انواع و الوان اور انساب کے بارے میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وغیرہ کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ عنقریب دوسری جلد میں کریں گے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ اس کی توفیق سے یہ جلد اوّل ختم ہوئی"

تاریخ المسعودی

مروج الذہب و معاون الجواہر

حصہ دوم

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ

امام المورخین ابوالحسن علی بن حسین بن علی المسعودی

کی شہرۂ آفاق تالیف

کا اردو ترجمہ

مترجم

پروفیسر کوکب شادانی

بی اے آنرز (علیگ) ایم اے ایم او ایل (پنجاب)

ناشر

نفیس اکیڈمی

اسٹریچن روڈ۔ کراچی ۱

تاریخ المسعودی

شہرۂ آفاق عربی کتاب

مروج الذہب ومعادن الجواہر

کا اردو ترجمہ

اوّل ۔ دوم

تصنیف:

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی بزرگ شخصیت اور نامور مورخ ۳۴۶ھ

امام المورخین ابو الحسن بن حسین بن علی المسعودی

تحقیق مزید: پروفیسر اسعد داغر ماہر فنون مکتبیات و بائلوگرافی (لبنان بیروت)

اردو ترجمہ: پروفیسر کوکب شادانی

بی ۔ اے ۔ آنرز (علیگ) ایم اے ۔ ایم او ایل (پنجاب) ایم اے انگلش (آگرہ)

ایم اے تاریخ اسلام و اسلامیات (ناگپور) فاضل ادبیات عرب (الہ آباد) سابق پروفیسر

ڈیلی کالج (اندرون سنٹرل انڈیا)، و الفنسٹن کالج (بمبئی)

نفیس اکیڈمی